# داستان ایمان فروشوں کی

## سوئم

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

# فہرست

# تعارف

"داستان ایمان فروشوں کی" کا تیسرا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہیجان بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات اور ایسی ہی کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلمکاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سُود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشو و نما کے لیے "حکایت" میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم دو حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ یہ تیسرا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے، سسپنس بھی اور یہ کہانیاں

اور ایمان کو زندہ و بیدار
آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی۔ نگران کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے
کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔
کریں گی جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ
سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔
دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات
کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغرسانوں
تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین
دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔
صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین
اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔
اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو
انہیں "داستان ایمان فروشوں کی" کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

۶ ستمبر ۷۸ء



# ناگوں والے قلعے کے قاتل

دمشق میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی داخل ہوا تھا تو اس کے ساتھ سات سو سوار تھے۔ تمام مؤرخین نے یہی تعداد لکھی ہے لیکن تاریخ سلطان ایوبی کے اُن جانبازوں سے بے خبر ہے جن میں سے کوئی تاجروں کے بہروپ میں، کوئی بے ضرر مسافروں کے بھیس میں اور کوئی شامی فوج کے معمولی معمولی سپاہیوں کے لباس میں ایک ایک بھی، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں بھی دمشق میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر سلطان ایوبی کے خاموش حملے سے پہلے ہی یہاں آ گئے تھے اور کچھ اُس وقت داخل ہوئے تھے جب دمشق کے دروازے سلطان ایوبی کے لیے کھل گئے تھے۔ یہ جاسوسوں کا دستہ تھا جنہیں جانباز جاسوس کہا جاتا تھا کیونکہ یہ ہر قسم کی لڑائی، ہر ہتھیار کے استعمال، ہر طرح کی تباہ کاری کے ماہر تھے اور دماغی لحاظ سے مستعد اور ذہین۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جان کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایسے ایسے خطرے مول لیتے تھے جن کے تصور سے ہی عام سپاہی بدک جاتے تھے۔ ایسا جذبہ صرف ٹریننگ سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس کام کے لیے ایسے جوان منتخب کیے جاتے تھے جن کے دلوں میں اپنے مذہب کا عشق اور دشمن کی نفرت بھری ہوتی تھی۔ یہ جانباز جنونی قسم کے مسلمان ہوتے تھے۔ سلطان ایوبی نے ایسے جانبازوں کے کئی دستے تیار کر رکھے تھے۔

سلطان ایوبی جب سات سو سواروں کے ساتھ دمشق کو روانہ ہوا تھا تو اُس نے منتخب لڑاکا جاسوسوں کا ایک دستہ خصوصی ہدایات کے ساتھ دمشق کو روانہ کر دیا تھا۔ ان میں ایک ہدایت یہ تھی کہ اگر دمشق کی فوج مقابلے پر اُتر آئے تو یہ جاسوس شہر کے اندر اپنی سمجھ اور ضرورت کے مطابق تخریب کاری کریں، اور وہ دروازے کھولنے کی بھی کوشش کریں۔ ان میں ایسے بھی تھے جنہیں شہریوں میں دہشت، بھگدڑ، افراتفری اور افواہیں پھیلانے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ ان تمام جانبازوں کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان تھی۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں نے صحیح تعداد نہیں لکھی۔ صرف یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی کی آمد کے وقت دمشق میں دو تین سو جاسوس اور تباہ کار موجود تھے۔ ایک فرانسیسی وقائع نگار نے صلیبی جنگوں کے حالات اور واقعات قلم بند کرتے ہوئے سلطان ایوبی کے لڑاکا جاسوسوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ اس نے ان جانبازوں کے اسلامی جذبے کو مذہبی جنون بھی کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جاسوس نفسیاتی مریض تھے۔ اس فرانسیسی نے تو مذہبی جنون کی توہین کی ہے کہ اسے نفسیاتی مرض کہا ہے لیکن یہ نفسیاتی کیفیت ہی تھی۔ مسلمان صاحب ایمان

صرف اُسی صورت میں بنتا ہے جب مذہب اس کی نفسیات کا جزو بن جاتا ہے۔

ان جانبازوں کو جاسوسی اور تباہ کاری کی ٹریننگ علی بن سفیان اور اس کے دو نائبین حسن بن عبداللہ اور زاہدان نے دی تھی، اور معرکہ آرائی کی ٹریننگ تجربہ کار فوجیوں کے ہاتھوں ملی تھی۔ اب جب کہ سلطان ایوبی دمشق میں تھا علی بن سفیان قاہرہ میں تھا۔ وہاں کے اندرونی حالات پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری، دمشق پر اس کے قبضے اور خلافت کی معزولی کی صورت میں مصر میں صلیبی تخریب کاری کا خطرہ بڑھ گیا تھا، اس لیے علی بن سفیان کو وہیں رہنے دیا گیا تھا۔ دمشق میں اُس کا ایک نائب حسن بن عبداللہ آیا تھا۔ وہی جاسوس جانبازوں کے دستے کا کمانڈر تھا۔ دمشق پر سلطان ایوبی نے قبضہ کر لیا تو وہاں کی بیشتر فوج سالار توفیق جواد کی زیر کمان سلطان ایوبی سے مل گئی تھی۔ باقی فوج اور خلیفہ کے باڈی گارڈ دستے، خلیفہ اور اُس کے حواری امراء کے ساتھ دمشق سے بھاگ گئے تھے۔ توقع تھی کہ سلطان ایوبی انہیں گرفتار کرنے کے لیے فوج اُن کے تعاقب میں بھیجے گا لیکن اُس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی۔ دو تین سالاروں نے اسے کہا بھی کہ ان امراء وغیرہ کو پکڑنا ضروری ہے جو بھاگ گئے ہیں۔ وہ کہیں اکٹھے ہو جائیں گے اور اطمینان سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاری کریں گے۔

"اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ صلیبیوں سے بھی مدد مانگیں گے جو انہیں مل جائے گی" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن میں اندھیرے میں کبھی نہیں چلا۔ پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ گئے کہاں ہیں اور ان کا مرکز کون سا بنے گا۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میری آنکھیں اور میرے کان بھاگنے والوں کے ساتھ ہی چلے گئے ہیں۔ وہ بدبخت اتنی جلدی حملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ صلیبی کیا کریں گے۔ وہ مصر پر بھی یلغار کر سکتے ہیں۔ وہ شام پر بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ شاید اس انتظار میں ہیں کہ میں کیا کروں گا۔ ہو سکتا ہے وہ میری چال کے بعد اپنی چال چلنا چاہتے ہوں۔ آپ فوج کو میری بتائی ہوئی تنظیم میں لا کر اُن کی تربیت اور جنگی مشقیں جاری رکھیں۔"

☆

سلطان ایوبی نے جنہیں اپنی آنکھیں اور اپنے کان کہا تھا وہ یہی جاسوس تھے جو مصر سے یہاں آئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ جب الملک الصالح اور اس کے امراء وزراء دمشق سے بھاگے تو ان کے ساتھ سلطان ایوبی کے بہت سے جاسوس بھی چلے گئے تھے۔ بھاگنے والوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ تمام امراء اور وزراء اور کئی ایک جاگیردار اور حاکموں کا عملہ بھی تھا، فوج کی بھی کچھ نفری تھی اور بڑوں کے خوشامدی لوگ بھی تھے، یہ تتر بتر ہو کر بھاگے تھے۔ ان کے ساتھ جاسوسوں کا چلے جانا آسان تھا۔ یہ جاسوس اس مشن پر ساتھ گئے تھے کہ دیکھیں الصالح اور اس کے پلنے والے امراء کیا جوابی کارروائی کریں گے اور انہیں صلیبیوں کی کتنی کچھ اور کیسی مدد حاصل ہوگی۔ یہ جاسوس جو دمشق سے باہر گئے تھے حسن بن عبداللہ کے خصوصی منتخب افراد تھے۔ وہ اس صورت حال کے سیاسی پس منظر کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔



ان میں ایک ماجد بن محمد حجازی تھا۔ خوبرو جوان، جسم نہایت موزوں اور گٹھا ہوا۔ اللہ نے اسے زبان کی ایسی چاشنی دی تھی جس میں طلسماتی اثر تھا۔ تقریباً ہر جاسوس کی شکل و صورت اور اوصاف ایسے ہی تھے لیکن ماجد بن محمد ان سب سے برتر لگتا تھا۔ ان جاسوسوں کی اتنی اچھی صحت کا راز غالباً یہ تھا کہ انہیں کسی قسم کے نشے کی عادت نہیں تھی اور وہ عیاشی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے اخلاق میں جو پختگی تھی اُس نے ان میں فولاد جیسی قوتِ ارادی پیدا کر رکھی تھی۔ ان کا قول و فعل مذہب کا پابند تھا۔ ماجد حجازی اپنے ساتھیوں کی طرح اس فولادی کردار کا نمونہ تھا اور روح کی جو پاکیزگی تھی اُس نے اس کے چہرے کو حسین بنا رکھا تھا۔ وہ دمشق سے بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے نیچے عرب کی اعلیٰ نسل کا گھوڑا تھا۔ اس کے پاس تلوار تھی اور گھوڑے کی زین کے ساتھ چمکتی ہوئی انی والی برچھی تھی۔

وہ ویرانے میں اکیلا جا رہا تھا۔ اس نے حلب کی سمت جاتے ہوئے بہت سے لوگوں کو دیکھا تھا۔ اسے کوئی ایک بھی ایسا نظر نہیں آیا تھا جس کے ساتھ وہ جاتے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہمسفر ڈھونڈ رہا تھا جو اُس کے مشن کے لیے سود مند ہو سکے۔ ایسا ہمسفر فوج کا کوئی اعلیٰ افسر ہو سکتا تھا یا کوئی ایسا امیر جسے الصالح کا قُرب حاصل ہوتا۔ اس کی سراغرساں آنکھیں الصالح کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس نے چند ایک لوگوں سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس طرف گیا ہے مگر اسے الصالح کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ الملک الصالح نورالدین زنگی مرحوم کی عمر یا اُس کی خوبیوں جیسا کوئی آدمی نہیں بلکہ وہ گیارہ سال کی عمر کا بچہ ہے جسے مفاد پرست امراء نے اپنے مقاصد کے لیے سلطنت کی گدی پر بٹھایا ہے اور عملاً حکمران یہ امراء خود بنے ہوئے ہیں۔ وہ تصور میں لا سکتا تھا کہ وہ بچہ اکیلا نہیں جا رہا ہوگا۔ اس کے ساتھ امیروں، وزیروں اور درباریوں کا قافلہ ہوگا اور اس قافلے کے ساتھ زر و جواہرات اور مال و دولت سے لدے ہوئے اونٹ ہوں گے۔

ماجد حجازی نے سوچا تھا کہ یہ قافلہ اُسے نظر آ گیا تو وہ الملک الصالح کا مرید بن کر قافلے میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کامیابی حاصل ہونے کی صورت میں اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور سینوں سے راز کس طرح نکالے جاتے ہیں مگر اسے اپنے شکار کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آگے چٹانی علاقہ آ گیا جہاں ہریالی بھی تھی۔ ذرا سستانے کے لیے وہ چٹانوں کے اندر چلا گیا...... ایک جگہ اُسے دو گھوڑے نظر آئے۔ ان سے ذرا پرے ہری بھری گھاس پر ایک آدمی لیٹا ہوا تھا اور اُس کے ساتھ ایک عورت تھی۔ وہ سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ وہ ذرا فاصلے پر رک گیا اور گھوڑے سے اتر کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ ایک گھوڑا ہنہنایا تو وہ آدمی اٹھ بیٹھا۔ لباس سے وہ اونچے درجے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے ماجد حجازی کو دیکھا تو اُسے اپنے پاس بلایا۔ ماجد اُس کے پاس چلا گیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ عورت بھی اٹھ بیٹھی۔ وہ عورت نہیں جوان لڑکی تھی اور بہت خوبصورت۔ اس کے گلے کا ہار بتا رہا تھا کہ یہ لوگ معمولی حیثیت کے نہیں۔ اس آدمی کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی اور لڑکی پچیس سال سے کم لگتی تھی۔ ماجد نے ان دونوں کو ایک نظر میں بھانپ لیا۔

"تم کون ہو؟" اُس آدمی نے ماجد سے پوچھا — "دمشق سے آئے ہو؟"

"میں دمشق سے ہی آیا ہوں" ماجد نے جواب دیا۔ "لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں۔ آپ کیسے سفری ہیں؟"

"غالباً ہم ایک ہی سفر کے مسافر ہیں" اس آدمی نے مسکرا کر کہا۔ "تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو"

"کیا آپ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ میں شریف ہوں یا بدمعاش؟" ماجد حجازی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے کہا۔ "جس کے ساتھ اتنی حسین لڑکی ہو اور لڑکی کے گلے میں اتنا قیمتی ہار ہو اور ساتھ مال اور دولت بھی ہو وہ ہر راہی کو بدمعاش اور ڈاکو سمجھتا ہے۔ میں ڈاکو نہیں ہوں۔ آپ کو ڈاکوؤں سے بچا ضرور سکتا ہوں خواہ میری جان چلی جائے" — اس کے دماغ میں اچانک ایک بات آگئی جو اس نے تیر کی طرح منہ سے نکال دی۔ اس نے کہا۔ "دمشق سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ ڈاکوؤں کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں نے راستے میں دو لاشیں بھی دیکھی ہیں۔ یہ موقعہ ڈاکوؤں کے لیے نہایت اچھا ہے کہ لوگ مال و دولت کے ساتھ دمشق سے بھاگ رہے ہیں"

لڑکی کا اتنا دلکش رنگ اڑ گیا۔ وہ اپنے آدمی کے ساتھ لگ گئی۔ کچھ ایسی ہی حالت آدمی کی ہو گئی۔ ماجد حجازی جان گیا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا ہیں۔ ان پر خوف و ہراس غالب کر کے اس نے اپنی زبان کے کرشمے دکھانے شروع کر دیئے۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہا اور سلطان الملک الصالح کی مدح سرائیاں کیں جیسے وہ زمین و آسمان کا واحد بزرگ انسان ہو۔ ماجد نے اس پر دہشت کا غلبہ اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے کہا — "صلاح الدین ایوبی نے دمشق سے بھاگے ہوئے آپ جیسے لوگوں کو لوٹنے اور ان سے جوان بیٹیاں اور بیویاں چھیننے کے لیے اپنی فوج کے دستے ادھر بھیج دیئے ہیں.... یہ لڑکی آپ کی کیا لگتی ہے؟"

"یہ میری بیوی ہے"

"اور دمشق میں آپ کتنی بیویاں چھوڑ آئے ہیں؟" ماجد حجازی نے پوچھا۔

"چار"

"خدا کرے یہ پانچویں خیریت سے آپ کے ساتھ منزل پر پہنچ جائے" ماجد نے کہا۔

"ایوبی کی فوج کتنی دور ہے؟" اس آدمی نے پوچھا۔ "تم نے سپاہیوں کو لوٹ مار کرتے دیکھا ہے؟"

"ہاں، دیکھا ہے" ماجد حجازی نے کہا۔ "اگر میں آپ سے کہوں کہ میں بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کا سپاہی ہوں تو آپ کیا کریں گے؟"

وہ کانپنے لگا۔ مسکرایا بھی مگر مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے کہا — "میں تمہیں کچھ دے دوں گا اور تم سے التجا کروں گا کہ مجھے کنگال نہ کرو، اور میں تم سے یہ التجا بھی کروں گا کہ اس بے چاری کو میرے ساتھ رہنے دینا"

ماجد حجازی نے قہقہہ لگایا اور کہا — "دولت اور عورت سے زیادہ محبت انسان کو بزدل اور کمزور بنا دیتی ہے۔ اگر مجھے کوئی کہے کہ جو کچھ پاس ہے وہ میرے حوالے کر دو تو میں تلوار کھینچ کر اسے کہوں گا کہ پہلے مجھے قتل کرو، پھر میری لاش سے تمہیں جو کچھ ملے وہ لے جانا.... محترم! مجھے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ دمشق میں آپ کیا تھے؟



اور اب آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اگر آپ نے سچ بتا دیا تو ہو سکتا ہے آپ کو مجھ سے زیادہ مخلص اور جانباز محافظ نہ ملے۔ معلوم ہوتا ہے ہماری منزل ایک ہے۔ میں ایوبی کی فوج کا سپاہی ضرور ہوں لیکن بھگوڑا ہوں"

اس آدمی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ وہ دمشق کے مضافاتی علاقے کا جاگیردار تھا۔ اسے سرکاری دربار میں ایسی سرکاری حیثیت بھی حاصل تھی کہ سلطنت کی شہری اور جنگی پالیسیوں میں بھی اس کا عمل دخل تھا۔ سلطان کے باڈی گارڈ دستے کے زیادہ تر سپاہی اسی کے دیئے ہوئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ وہ سلطنت کے بالائی حلقے کا اہم قسم کا درباری تھا۔ اسے گھر سے نکلنے میں دیر ہو گئی تھی۔ الصالح نے اپنے تمام حاشیہ برداروں سے کہا تھا کہ وہ حلب پہنچ جائیں۔ چنانچہ یہ جاگیردار حلب جا رہا تھا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ بہت سے زر و جواہرات ساتھ لے جا رہا ہے۔ چار بیویاں پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ یہ چونکہ سب سے چھوٹی اور خوبصورت تھی اس لیے اسے ساتھ لے آیا ہے۔ اس نے بڑے افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ اس کے محافظ اور تمام ملازم دمشق میں ہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے اس کا گھر لوٹ لیا ہوگا۔ یہ اس کی اپنی ہمت تھی کہ وہ بروقت اپنا بیش قیمت خزانہ لے کر نکل آیا۔ وہ اب الصالح کے پاس جا رہا تھا۔

ماجد حجازی کو اس کی داستان سن کر خوشی ہوئی۔ یہ جاگیردار اس کے کام کا آدمی تھا۔ اس کے ساتھ وہ حلب کے دربار تک پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اپنے متعلق بتایا کہ وہ اس سوار دستے کا کماندار تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ساتھ دمشق لایا تھا لیکن وہ الصالح کا مرید ہے۔ اس لیے وہ اس کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس عقیدت مندی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایوبی کی فوج سے بھاگ آیا ہے اور سلطان کے دربار میں جا رہا ہے۔ اگر اس نے پسند کیا تو وہ اس کے محافظ دستے میں شامل ہو جائے گا۔

"اگر میں ابھی سے تمہیں اپنا محافظ بنا لوں تو تمہاری اجرت کی شرائط کیا ہوں گی؟" اس نے ماجد حجازی سے پوچھا۔ "میں جیسے دمشق میں بادشاہ تھا اسی طرح وہاں بھی بادشاہ ہوں گا جہاں جا رہا ہوں۔ میرے محافظ بن کر تمہیں افسوس نہیں ہوگا"

"اگر آپ مجھے اپنا محافظ بنائیں گے تو آپ کو فوجی مشیر کی ضرورت نہیں پڑے گی" ماجد حجازی نے کہا۔ "میری اجرت آپ میری قابلیت دیکھ کر خود ہی مقرر کر دیں گے۔ میں ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا"

ماجد حجازی اس کا باڈی گارڈ بن گیا۔ یوں کہیے کہ ایک درباری جاگیردار کے ساتھ سلطان ایوبی کا ایک جاسوس لگ گیا۔ اس جاگیردار کے پاس بے اندازہ زر و جواہرات تھے جو اس نے ایسے سامان میں چھپا رکھے تھے جو بظاہر معمولی سا تھا۔ اسے فوری طور پر ایک محافظ کی ضرورت تھی۔ ماجد کے ڈرانے سے یہ ضرورت اور شدید ہو گئی تھی۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور فضا خنک ہونے لگی تھی۔ ماجد کے مشورے پر انہوں نے وہیں قیام کیا.... رات گزر گئی تو جاگیردار کو یقین آگیا کہ ماجد قابلِ اعتماد آدمی ہے۔

☆

لمبی مسافت کے بعد وہ حلب پہنچے۔ اس وقت حلب کا امیر شمس الدین تھا جس نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے

صلیبیوں کو تاوان دے کر ان سے صلح کر لی تھی۔ الملک الصالح دمشق سے بھاگ کر وہاں پہنچ چکا تھا۔ اُس کے تمام
امراء وزراء اس کے ساتھ تھے اور اس کے باڈی گارڈ کے دستے بھی وہاں پہنچ رہے تھے۔ الصالح نے حلب کی امارت
پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے امراء وغیرہ فوج کو نئے سرے سے منظم کرنے لگے تھے۔ صورت حال ایسی تھی کہ فوج کو ایسے
آدمی کی ضرورت تھی جس میں تھوڑی سی جنگی سوجھ بوجھ ہو۔ الملک الصالح کے پاس سونے اور خزانے کی کمی نہیں تھی،
کمی فوج، کمانڈروں اور مشیروں کی تھی۔ وہ اور اس کا ٹولہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے اور خلافت بحال
کرنے کو بے تاب تھا۔ اُن کی بے تابیوں سے یوں پتہ چلتا تھا جیسے اُن کے دشمن صلیبی نہیں سلطان ایوبی ہے۔
انھوں نے خلیفہ کی مُہر کے ساتھ ادھر ادھر کے امراء کو پیغام بھیجے کہ وہ سلطنت کے دفاع کے لیے سلطان الملک الصالح کے
ساتھ فوجی تعاون کریں۔ ان امراء میں حمص، حماۃ اور موصل کے حکمران خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کسی کی طرف
سے امید افزا جواب ملا اور کسی نے تعاون کا صرف وعدہ کیا۔

یہ جاگیردار حلب پہنچا تو الصالح نے اُسے خوش آمدید کہا۔ وہ بھی الصالح کی جنگی مجلسِ مشاورت کا اہم رُکن تھا۔
اُسے حلب میں ایک مکان دے دیا گیا۔ وہ آتے ہی اس قدر مصروف ہو گیا کہ صبح کا گیا آدھی رات کو گھر آتا تھا۔
اس کی غیر حاضری میں اُس کی بیوی ماجد حجازی میں دلچسپی لینے لگی۔ ماجد نے اس کے ساتھ ایسی بے تکلفی پیدا کر
لی جس میں بدتمیزی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ماجد نے پُر وقار انداز اختیار کیے رکھا جس سے لڑکی متاثر ہوئی اور وہ
جیسے بھول ہی گئی ہو کہ ماجد اُس کے خاوند کا محافظ ہے۔ ماجد اپنے مشن پر کام کر رہا تھا۔ اس نے دو تین
دنوں میں لڑکی کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ اس کے خاوند کی باقی چار بیویاں کیسی تھیں۔ اس
نے بتایا کہ کوئی ایسی بُری تو نہیں تھیں۔ اس شخص نے انہیں پرانی سمجھ کر دھوکہ دیا اور اس لڑکی کو ساتھ لے
کر بھاگ آیا۔

"اور ایک روز یہ تمہیں بھی چھوڑ کر کسی اور کو لے آئے گا"۔ ماجد حجازی نے کہا — "ان امیروں کا
یہی شغل ہے۔"

"اگر میں تمہیں دل کی بات بتا دوں تو میرے خاوند کو تو نہیں بتا دو گے؟" — لڑکی نے پوچھا — "مجھے
دھوکہ تو نہیں دو گے؟"

"اگر میری فطرت میں دھوکہ اور فریب ہوتا تو میں تمہارے خاوند کو وہیں جہاں میں تمہیں ملا تھا آسانی سے
قتل کر کے تم پر اور تمہارے مال و دولت پر ہاتھ صاف کر سکتا تھا"۔ ماجد نے کہا — "میں مرد ہوں۔ عورت کو
فریب دینا مرد کی شان کے خلاف ہے۔"

"میں اب اس راز کو اپنے دل میں زیادہ دیر نہیں رکھ سکتی کہ مجھے تم سے ایسی محبت ہے جس پر میرا
قابو نہیں رہا"۔ لڑکی نے کہا — "اور یہ بھی ایک راز ہے کہ مجھے اس خاوند سے نفرت ہے۔ میں بکی ہوئی
لڑکی ہوں۔ کئی بار دل میں آئی ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں۔ میں شاید بزدل ہوں۔ اپنی جان لینے سے ڈرتی
ہوں۔ میرے ارادے کچھ اور تھے، میرے خیالات کچھ اور تھے۔ تم نے میرے ارادوں اور خیالوں پر مٹی ڈال دی



ہے اور میرا یہ ارادہ پکا کر دیا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں چونکہ مجھ سے محبت ہے اس لیے خودکشی کرنا چاہتی ہو؟"

"نہیں!" لڑکی نے کہا — "میرے ذہن میں صلاح الدین ایوبی کا تصور نورالدین زنگی سے زیادہ
مقدس اور پیارا تھا۔ تم نے اس تصور کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ کیا صلاح الدین ایوبی اتنا ہی بُرا ہے جتنا تم نے بتایا ہے؟
میں تمہارے راز کو اپنا راز سمجھوں گی"۔ ماجد حجازی نے کہا — "اس کے عوض تمہیں اپنا ایک راز دیتا
ہوں۔ میں تم سے کوئی وعدہ نہیں لوں گا کہ میرے راز کی حفاظت کرنا۔ اگر میرا راز فاش ہو گیا تو نہ تم زندہ رہو گی نہ
تمہارا خاوند...... میں صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہوں۔ میں نے دو چار دنوں میں بھانپ لیا ہے کہ تم اصل میں کیا
ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کا تصور اُس سے کہیں زیادہ مقدس ہے جو تم نے اپنے ذہن میں بنا
رکھا ہے۔ وہ ان امیروں اور بادشاہوں کا دشمن ہے جنہوں نے لڑکیوں کو اپنے حرموں میں قید کر رکھا ہے۔ وہ
اس کے سخت خلاف ہے کہ مرد عورت کو صرف تفریح اور عیاشی کا ذریعہ بنائے۔ وہ مرد اور عورت کی برابری کا اور
ایک خاوند اور ایک بیوی کا قائل ہے۔ وہ عورتوں کو فوجی تربیت دینا چاہتا ہے۔ میں نے تمہارے خاوند کا اعتماد حاصل
کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا کہ ایوبی نے اپنی فوج کے چند دستوں کو دمشق سے بھاگنے والوں کو لوٹنے اور ان کی
لڑکیوں کو اٹھا لانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ سچے اسلام کا علمبردار ہے۔ میں اسی اسلام کی خاطر اور اسی صلاح الدین
ایوبی کی خاطر یہاں ایک کام کے لیے آیا ہوں۔"

لڑکی کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ اس نے ماجد حجازی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے
کر چوم لیا اور کہا — "تمہارا یہ راز کبھی فاش نہ ہوگا۔ مجھے مت بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور میں تمہاری کیا مدد
کر سکتی ہوں! مجھے مت بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی اصل میں کیا ہے اور تم نے میرے خاوند کو کیا بتایا تھا۔ میں
عورتوں کی اس جماعت کی لڑکی تھی جو نورالدین زنگی کی زندگی میں ہم نے بنائی تھی۔ ہم صلیبیوں کے خلاف اپنا
محاذ قائم کر رہی تھیں۔ زنگی کی بیوہ ہماری سرپرست اور نگران تھی۔ میرا باپ پسند نہیں کرتا تھا کہ میں اس
جماعت میں رہوں۔ وہ لالچی اور خوشامدی انسان ہے۔ اس کے لیے صلیب اور ہلال میں کوئی فرق نہیں۔ وہ
اسی کا غلام ہے جس سے اُسے کچھ رقم ہاتھ آ جائے۔ اس نے مجھے اس آدمی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس سودے کو
لوگ شادی کہتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ مسلمان کی بچی میدانِ جنگ میں ہو یا اُسے کوئی بھی جنگی اور قومی کام دے
دو وہ مردوں کو حیران کر دیتی ہے اور دشمن کا منہ پھیر سکتی ہے۔ مگر یہی بچی جب حرم میں قید کر لی جاتی ہے تو
وہ چیونٹی بن جاتی ہے۔ یہی حالت میری ہوئی۔ اگر میرا یہ خاوند معمولی حیثیت کا ہوتا تو میں بغاوت کرتی۔ اس
سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتی مگر اس آدمی کے پاس طاقت ہے، دولت ہے۔ الملک الصالح کا جو
محافظ دستہ ہے اُس کے آدھے سپاہی اس کے علاقے کے ہیں جو اسی کے بھرتی کرائے ہوئے ہیں......

"میں چونکہ اس کی پہلی چار بیویوں سے زیادہ جوان اور خوبصورت ہوں اس لیے میں ہی اس کا کھلونا
بن گئی۔ میری روح مر گئی۔ میرا صرف جسم زندہ رہا۔ باہر کی دنیا سے میرا رشتہ ٹوٹ چکا تھا اور میں جس دنیا میں

قید تھی وہاں شراب اور ناچ گانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر کچھ اور تھا تو وہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کے منصوبے تھے.....“ وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ اس نے ماجد حجازی کو جھنجھوڑ کر کہا۔ ”کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟ میں نے یہ یقین کیے بغیر کہ تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہو یا میرے خاوند کے، تمہیں اپنے دل کی باتیں سنا رہی ہوں۔ اگر تم میرے خاوند کے جاسوس ہو تو اُسے یہ ساری باتیں سُنا دینا جو میں تمہیں سنا رہی ہوں۔ وہ مجھے سزا دے گا۔ میں اب ہر قسم کی سزا برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے پاس اب جسم رہ گیا ہے۔ یہ جسم پتھر بن گیا ہے۔ روح مر گئی ہے۔“

”تمہاری روح زندہ ہے۔“ ماجد حجازی نے کہا۔ ”میری نگاہیں گہرائیوں سے زیادہ گہرائی تک دیکھ لیا کرتی ہیں۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تمہاری روح زندہ ہے ورنہ میں اپنا راز کبھی تمہارے آگے نہ کھولتا۔ میں حسن اور جوانی سے مغلوب ہونے والا انسان نہیں ہوں، مرد ہوں۔ اپنی جان اسلام کے نام پر وقف کر دی ہے۔ تم بولو۔ اپنا دل ہلکا کرتی جاؤ۔ میں سن رہا ہوں۔ تمہاری داستان میرے لیے نئی نہیں۔ یہ ہر مسلمان عورت کی داستان ہے۔ اسلام کا زوال اُسی روز شروع ہو گیا تھا جس روز ایک مسلمان نے حرم کھولا اور اس میں خوبصورت لڑکیاں خرید کر قید کی تھیں۔ صلیبیوں نے کہا کہ اب اس قوم کو عورت کے ہاتھوں مرواؤ۔ انہوں نے ہمارے بادشاہوں کے حرم اپنی بیٹیوں سے بھر دیئے ہیں۔“

”میرے خاوند کے گھر میں بھی ہُوا۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میں نے اپنی آنکھوں صلیبی لڑکیوں کو اپنے خاوند کے پاس آتے اور شراب پیتے دیکھا ہے۔ میں سوائے رونے کے اور کر ہی کیا سکتی تھی۔ میں اس لیے نہیں روتی تھی کہ ان لڑکیوں نے مجھ سے میرا خاوند چھین لیا تھا بلکہ اس لیے کہ مجھ سے میرا اسلام چھن گیا تھا، وہ اسلام جس کی خاطر میں نے تمہاری طرح اپنی جان وقف کی تھی۔“

”اور جذباتی باتوں سے ہٹ کر اُس کام کی باتیں کریں جس کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔“ ماجد نے کہا اور اس سے پوچھا۔ ”اپنے خاوند پر تمہارا کتنا کچھ اثر ہے؟ کیا تم اُس کے دل سے راز کی باتیں نکال سکتی ہو؟“

”شراب کے دو پیالے پلا کر اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر میں اُس سے ہر راز لے سکتی ہوں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟“ — اُس نے کچھ سوچ کر اور مسکرا کر کہا۔ ”میری ایک ذاتی شرط مان لو گے؟ ..... اگر میں تمہارا کام کر دوں تو مجھے یہاں سے لے جاؤ گے؟ میری محبت کو ٹھکرا تو نہیں جاؤ گے؟“

ماجد حجازی نے اس کا دل رکھ لیا اور اُس کی شرط مان لی۔ اُس نے اسے بتایا کہ الصالح گیارہ سال کا بچہ ہے۔ وہ امیروں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ یہ امیر اور وزیر صلاح الدین ایوبی کو ختم کر کے سلطنتِ اسلامیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو ان ٹکڑوں کو صلیبی ہضم کر جائیں گے اور اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ جس قوم نے اپنے ملک کے ٹکڑے کیے وہ کبھی زندہ نہیں رہی۔ ہمارے یہ امیر صلیبیوں تک سے مدد لینے کو تیار ہیں۔ صلیبی انہیں ضرور مدد دیں گے اور اس کے عوض وہ انہیں اپنا محکوم بنائیں گے۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ خلیفہ کے ہاں کیا منصوبے بن رہے ہیں اور صلیبی انہیں کیا مدد دے رہے ہیں۔ مجھے یہ خبر



بہت جلدی صلاح الدین ایوبی تک پہنچانی ہے تاکہ اس کے مطابق کارروائی کی جائے، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی بے خبری میں صلیبیوں کے حملے کی زد میں آ جائے۔“

”کیا صلاح الدین ایوبی مسلمان امیروں پر حملہ کرے گا؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”اگر ضرورت پڑی تو وہ دریغ نہیں کرے گا۔“

لڑکی بہت ہی جذباتی تھی اور وہ ذہین بھی تھی۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا۔ ”اسلام کو یہ دن بھی دیکھنے تھے کہ ایک رسولؐ کی اُمت آپس میں لڑے گی۔“

”اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں۔“ ماجد حجازی نے کہا۔ ”صلاح الدین ایوبی بادشاہ نہیں، اللہ کا سپاہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ملک اور قوم کو خطروں اور تباہی سے بچانے کا فرض فوج کے سپرد ہے۔ یہ خطرہ باہر کے دشمن کا ہو یا اندر کے غداروں اور مفاد پرست حکمرانوں کا۔ اُن سے ملک اور قوم کو بچانا سپاہی کا فرض ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ فوج کو حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننے دے گا۔ فوج حکمرانوں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے۔ وہ مسلمان کافروں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے جو کافروں کو دوست سمجھ کر انہیں اپنی جنتوں میں بٹھاتا ہے..... اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے خاوند سے یہ راز لو کہ یہاں کیا منصوبہ بن رہا ہے۔“

”میں راز بھی دوں گی اور وہ کام بھی کروں گی کہ جب تم یہاں سے دمشق جاؤ تو تمہارے ساتھ یہ راز بھی ہو اور میں بھی ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔

☆

طرابلس کے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کی طرف ایک ایلچی اس درخواست کے ساتھ بھیج دیا گیا ہے کہ وہ الصالح کی مدد کو آئے۔“ دوسرے ہی دن لڑکی نے ماجد حجازی کو بتایا۔ ”میں نے رات کو شراب پلا کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت باتیں کیں اور اُسے کہا کہ تم لوگ بزدل ہو جو دمشق سے بھاگ کر حلب میں آن پناہ لی ہے۔ کوئی مسلمان حکمران کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا جو صلاح الدین ایوبی نے کی ہے..... ایسی بہت سی باتیں کیں تو وہ بھڑک اٹھا اور میرے ساتھ بیہودہ حرکتیں کرتے ہوئے بولا۔ ”ایوبی چند دنوں کا مہمان ہے۔ فدائی قاتلوں کے مرشد شیخ سنان سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا بندوبست کرے اور منہ مانگا انعام لے۔ وہ اپنے تجربہ کار آدمی دمشق بھیج رہا ہے۔“ — اس نے یہ بھی بتایا کہ اپنی فوج کی تیاری کے لیے بہت وقت مل جائے گا کیونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں برف پڑنے لگے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی صحرائی فوج کو اتنی سردی اور برف میں نہیں لڑا سکے گا۔

یہ ابتدا تھی۔ شراب اور عورت ایک مرد کے سینے سے راز نکلوا رہی تھی۔ لڑکی نے ہر رات خاوند سے دن بھر کی کارگزاری معلوم کرنی شروع کر دی اور یہ راز ماجد حجازی کے سینے میں محفوظ ہوتے گئے۔ ایک روز خاوند نے ماجد سے کہا۔ ”مجھے ملازموں نے تمہارے متعلق ایک قابلِ اعتراض بات بتائی ہے۔“ — ماجد کانپ اٹھا۔ وہ سمجھا کہ اس کا بھانڈہ پھوٹ گیا ہے مگر خاوند نے کہا۔ ”تم میری بیوی کو ورغلا رہے ہو۔ میری غیر حاضری میں تم اس کے پاس بیٹھے رہتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ میرے مقابلے میں تم خوبرو ہو اور جوان بھی۔ میری بیوی تمہیں پسند کر

سکتی ہے۔ مگر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ماجد حجازی نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ اُس کی غلط فہمی ہے لیکن اُس کے دل میں وہم پیدا
ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے بھی یہی بات کہی اور اس پر پابندی عائد کر دی کہ وہ ماجد حجازی سے
نہیں مل سکتی۔

ماجد حجازی ابھی وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے ابھی وہاں کا پورا منصوبہ نہیں ملا تھا۔ اُس
نے اس لڑکی کے خاوند کی ڈانٹ ڈپٹ سہہ لی اور اس کی دھمکیوں سے اپنے اوپر مصنوعی خوف کی کیفیت بھی
طاری کر لی۔ اس کی منت سماجت بھی کی۔ اس شخص نے اُسے معاف تو کر دیا لیکن اُسی روز چھ باڈی گارڈ لے
آیا۔ اُس دور میں امیر کبیر لوگ اپنے گھر میں باڈی گارڈ رکھنے کو عزت کی نشانی سمجھتے تھے۔ اس آدمی نے ماجد
حجازی سمیت سات باڈی گارڈ رکھ لیے اور ان میں سے ایک کو کمانڈر بنا دیا۔ اس کمانڈر نے ماجد کو یہ خصوصی
حکم سنایا کہ وہ چونکہ آقا کی نظروں میں مشتبہ ہے، اس لیے وہ مکان کے دروازے تک بھی نہیں جا سکتا اور رات
کو تھوڑی سی دیر کے لیے بھی غیر حاضر نہیں ہو سکتا۔ ماجد نے اس حکم کے آگے بھی سرِ تسلیم خم کر دیا اور اُس نے
ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے مر گیا ہو۔

دو تین راتیں ہی گزری ہوں گی، آدھی رات کے وقت یہ لڑکی باہر نکلی۔ بڑے دروازے پر ایک باڈی
گارڈ پہرے پر کھڑا تھا۔ لڑکی نے اس سے آقاؤں کے جلال اور رعب سے پوچھا — "تم یہیں کھڑے رہتے ہو
یا مکان کے اردگرد چکر بھی لگاتے ہو؟" — اس نے کچھ جواب دیا تو لڑکی نے کہا — "تم نئے آدمی ہو۔ ہمارے
دمشق والے محافظ بہت ہوشیلے اور چوکس تھے۔ تم اگر یہاں نوکری کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اسی طرح ہوشیار اور
چوکس بننا پڑے گا۔ آقا بڑی سخت طبیعت کے مالک ہیں۔" پہرے دار نے احترام سے سر جھکا لیا۔

لڑکی باڈی گارڈوں کو دیکھنے نکلی تھی۔ وہ اُن دو خیموں کی طرف چل پڑی جن میں دوسرے باڈی گارڈ
سوئے ہوئے تھے۔ دروازے والے پہرے دار نے دوڑ کر کمانڈر کو جگا دیا اور بتایا کہ مالکہ معائنے کے لیے آئی
ہے۔ کمانڈر گھبرا کر اٹھا اور لڑکی کے آگے جھک گیا۔ لڑکی نے اسے بھی ہدایات دیں اور ایک خیمے کے آگے رک
کر بلند آواز سے باتیں کرنے لگی۔ ماجد حجازی اسی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ باہر آ گیا۔ لڑکی نے
اُس سے یوں بات کی جیسے اسے اچھی طرح جانتی ہی نہ ہو۔ اس سے پوچھا — "تم شاید پہلے والے محافظ ہو؟" —
ماجد نے تعظیم سے جواب دیا تو لڑکی نے کمانڈر سے کہا — "اس آدمی کو جلدی تیار کرو۔ یہ میرے ساتھ قصرِ سلطنت
تک جائے گا۔ دو گھوڑے فوراً تیار کرو۔"

"اگر آقا آپ کے متعلق پوچھیں تو میں کیا جواب دوں؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"میں سیر سپاٹے کے لیے نہیں جا رہی۔" لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا — "آقا کے ہی کام سے جا رہی ہوں۔
حکومت کے کاموں میں مت دخل دو، جاؤ گھوڑے تیار کرو۔"

کمانڈر نے ایک آدمی کو اصطبل کی طرف دوڑا دیا۔ ماجد حجازی تلوار سے مسلح ہو کر تیار ہو گیا تھا۔ لڑکی اُسے



اصطبل کی طرف لے گئی۔ کمانڈر کو اس لڑکی کے خاوند نے بتا رکھا تھا کہ ماجد پر نظر رکھے اور اسے گھر کے اندر نہ
جانے دے۔ اب لڑکی نے ماجد کو ہی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ کمانڈر نے دیکھا کہ وہ دونوں اصطبل
کی طرف چلے گئے ہیں تو وہ دوڑ کر اندر لڑکی کے خاوند کو اطلاع دینے چلا گیا۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ خاوند کو
معلوم ہے کہ اس کی بیوی مشتبہ باڈی گارڈ کے ساتھ جا رہی ہے۔ وہ لڑکی کو روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ اس
کی مالکن تھی ۔۔۔۔ وہ اندر گیا اور ڈرتے ڈرتے اپنے آقا کے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر
قندیل جل رہی تھی اور کمرہ شراب کی بدبو سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آقا کو دیکھا۔ وہ بستر پر اس طرح پڑا تھا کہ اس
کا سر اور ایک بازو پلنگ سے لٹک رہا تھا۔ ایک خنجر اس کے سینے میں اترا ہوا تھا۔ اس کے سینے پر خنجر کے کئی
زخم تھے۔ کمانڈر نے اس کی نبض دیکھی۔ وہ مرا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔

ماجد حجازی کو لڑکی بتا چکی تھی کہ اُس نے اپنے خاوند سے سارا منصوبہ معلوم کر لیا ہے اور اب اس منصوبے
پر عمل شروع ہو رہا ہے۔ اس نے خاوند کو روز مرہ کی طرح شراب پلائی اور اتنی پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ لڑکی اُسے
بے ہوشی کی حالت میں ہی چھوڑ کر آ سکتی تھی لیکن انتقام کے جذبے نے اُسے پاگل کر دیا۔ اس نے اسی کے خنجر
سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا اور خنجر اس کے سینے میں ہی رہنے دیا ۔۔۔۔ ماجد حجازی گھبرایا نہیں۔ وہ تو ہر لمحہ کسی نہ
کسی اچانک پیدا ہونے والی صورتِ حال کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس نے لڑکی کے اس اقدام کو سراہا اور اسے
کہا کہ وہ اطمینان سے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔

وہ جونہی گھوڑوں پر سوار ہونے لگے رات کی خاموشی میں ایک آواز بڑی ہی بلند سنائی دینے لگی —
"گھوڑے مت دینا۔ انہیں روک لو۔ وہ آقا کو قتل کر کے جا رہی ہے۔"

چھ کے چھ باڈی گارڈ تلواریں اور برچھیاں اٹھائے باہر آ گئے۔ ماجد اور لڑکی گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔
انہیں اسی راستے سے گزرنا تھا جہاں باڈی گارڈ تھے۔ ماجد نے لڑکی سے کہا کہ گھوڑ سواری نہیں کر سکتی تو اُس
کے گھوڑے پر پیچھے بیٹھ جائے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑانا پڑے گا۔ لڑکی نے خود اعتمادی سے کہا کہ وہ گھوڑا دوڑا
سکتی ہے۔ ماجد نے اُسے کہا کہ وہ گھوڑا اس کے پیچھے رکھے۔ ماجد نے تلوار نکال لی۔ اُدھر باڈی گارڈوں کا شور
بڑھتا جا رہا تھا اور وہ اصطبل کی طرف دوڑتے آ رہے تھے۔ ماجد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے پیچھے لڑکی
نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ کمانڈر کی آواز گرجی — "رک جاؤ۔ مارے جاؤ گے" — چاندنی رات تھی۔ ماجد نے دیکھ لیا
کہ باڈی گارڈ برچھیاں اوپر کیے اس کی طرف آ رہے ہیں۔ اس نے گھوڑے کا رُخ ان کی طرف کر دیا اور آگے ہو کر
تلوار گھمانے لگا۔ گھوڑے کی رفتار اس کی توقع سے زیادہ تیز تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے سامنے آ گئے اور گھوڑے
تلے کچلے گئے۔ ایک برچھی اُس کی طرف آئی جو اُس نے تلوار کے وار سے بیکار کر دی۔

"کمانیں نکالو۔" کمانڈر نے چلا کر کہا۔ باڈی گارڈ تجربہ کار معلوم ہوتے تھے۔ ذرا سی دیر میں دو تیر ماجد حجازی
کے قریب سے گزر گئے۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھمانا شروع کر دیا تاکہ تیر انداز نشانہ نہ لے سکیں۔ اتنے میں
وہ تیروں کی زد سے نکل گئے۔ اب یہ خطرہ تھا کہ باڈی گارڈ گھوڑوں پر تعاقب کریں گے لیکن اُسے پکڑنے

اُس کے لیے دُور نکل
جانے کا ڈر نہیں تھا کیونکہ گھوڑوں پر زینیں کسنے کے لیے جو وقت صرف ہونا تھا وہ
جانے کے لیے کافی تھا اور ہُوا بھی یہی۔ آبادی سے دُور نکل جانے تک اُسے تعاقب میں آتے گھوڑوں کی آوازیں
سنائی نہ دیں۔ اس نے لڑکی سے کہا کہ اب گھوڑا اس کے پہلو میں کرلے۔

لڑکی کا گھوڑا جب اس کے پہلو میں آیا تو ماجد نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ گھبرائی یا ڈری تو نہیں؟ لڑکی
نے جواب دیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ لڑکی نے اُسے دوڑتے گھوڑوں کے ساتھ بلند آواز سے سنانا شروع
کردیا کہ اس نے کون سا راز اپنے خاوند سے حاصل کیا ہے۔ ماجد نے اسے کہا کہ آگے چل کر رکیں گے تو ساری
بات سنوں گا لیکن لڑکی بولتی رہی۔ ماجد نے جب بار بار اسے کہا کہ چپ ہوجائے، اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ
وہ کیا کہ رہی ہے تو لڑکی نے کہا۔ "پھر رُک جاؤ، میں زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکوں گی"۔ ماجد ابھی رُکنا نہیں
چاہتا تھا اور لڑکی بولتی جارہی تھی۔ آخر لڑکی نے ہاتھ لمبا کرکے ماجد کے گھوڑے کی باگیں پکڑلیں۔ اس کے
لیے اسے آگے جھکنا پڑا۔ تب ماجد نے دیکھا کہ لڑکی کے دوسرے پہلو میں تیر اُترا ہُوا ہے۔ ماجد نے فوراً گھوڑا
روک لیا۔

"یہ تیر مجھے وہیں لگ گیا تھا"۔ لڑکی نے کہا۔ "میں اسی لیے تمہیں دوڑتے گھوڑے سے اصل بات
سنا رہی تھی کہ مرنے سے پہلے یہ راز تمہیں دے دوں"۔ ماجد حجازی نے اسے گھوڑے سے اتارا اور زمین
پر بیٹھ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس نے تیر کو ہاتھ لگایا۔ وہ خاصا اندر چلا گیا تھا۔ نکالا نہیں جاسکتا تھا۔
یہ جراح کا کام تھا جو چھاچیر کر تیر نکال سکتا تھا۔ "اسے رہنے دو، میری بات سُن لو"۔ لڑکی نے کہا۔ اور
اس نے ماجد کو سارا منصوبہ سنادیا جو اس نے خاوند سے سنا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ شک کسی کو نہیں ہوگا کہ ہم
کوئی راز لے کر حلب سے بھاگے ہیں۔ وہ منصوبے میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ محافظوں تک کو معلوم ہے کہ میرے
خاوند کو شک ہے کہ میرے اور تمہارے درپردہ تعلقات ہیں۔ وہ یہی کہیں گے کہ میں تمہارے ساتھ محبت کی
خاطر بھاگی ہوں"۔

لڑکی ساری بات سنا چکی تو اس نے ماجد کا ہاتھ چوم کر کہا۔ "اب سکون سے مرسکوں گی"۔ اور اُس
پر غشی طاری ہونے لگی۔

ماجد نے دوسرے گھوڑے کو اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا۔ لڑکی کو اپنے گھوڑے پر ڈال کر اس
کے پیچھے بیٹھ گیا اور اسے ایسی پوزیشن میں ساتھ لگا لیا کہ تیر اُسے تکلیف نہ دے مگر تیر اپنا کام کرچکا تھا۔

☆

وہ جب دمشق میں اپنے کمانڈر حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچا اُس وقت لڑکی کو شہید ہوئے کم و بیش
بارہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس نے قصرِ حلب کا تمام تر منصوبہ سنا کر بتایا کہ یہ کارنامہ اس لڑکی کا ہے۔ حسن بن
عبداللہ اُسی وقت ماجد حجازی کو اور لڑکی کی لاش کو صلاح الدین ایوبی کے پاس لے گیا۔ ماجد حجازی نے بتایا
کہ لڑکی کیا تھی اور اسے باپ نے کس طرح ایک جاگیردار کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ ماجد نے لڑکی کی ساری



باتیں سلطان ایوبی کو سنائیں۔ بعد میں معلوم ہُوا تھا کہ لڑکی کا باپ بھی دمشق سے بھاگ گیا تھا۔ سلطان ایوبی
نے لڑکی کی لاش نورالدین زنگی کی بیوہ کے حوالے کردی اور حکم دیا کہ لڑکی کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے۔

لڑکی نے مرنے سے پہلے ماجد حجازی کو جو منصوبہ بتایا تھا وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان الملک الصالح تمام
مسلمان مملکتوں کے امراء کو سلطان ایوبی کے خلاف متحد کررہا تھا، اور ان کی فوجوں کو ایک کمانڈ کے تحت لانا
چاہتا تھا۔ تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو مدد کے لیے آمادہ کرلیا گیا تھا۔ یہ لڑکی جو خبر لائی تھی، یہ
تھی کہ ریمانڈ اپنی فوج کو اس طرح استعمال کرے گا کہ مصر اور شام کے درمیان سلطان ایوبی کے لیے رسد اور کمک
کے راستے روک دے گا۔ اس نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ سلطان ایوبی جنگ کی صورت میں مصر سے کمک منگوائے
گا۔ اس کے علاوہ ریمانڈ سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کے لیے اپنے تیز رفتار سوار دستے حرکت میں رکھے گا۔
ضرورت محسوس ہوئی تو ریمانڈ دوسرے صلیبی حکمرانوں کو بھی مدد کے لیے بلالے گا۔ حسن بن صباح کے پیروکار فدائیوں
کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا سودا طے کرلیا گیا تھا۔ فدائی فوری طور پر دمشق پہنچ رہے تھے۔ اس تمام
تر منصوبے کا ہر حصہ اہم تھا لیکن سلطان ایوبی نے اس کے جس حصے پر زیادہ توجہ دی وہ یہ تھا کہ دشمن سردیوں کا
موسم گزر جانے کے بعد جنگ شروع کرے گا۔ ان علاقوں میں سردی زیادہ پڑتی تھی، بارشیں ہوتی تھیں اور بعض جگہوں
پر برف بھی پڑتی تھی۔ ایسے موسم میں جنگ نہیں لڑی جاسکتی تھی اور نہ ہی کبھی لڑی گئی تھی۔ یہاں جس نے بھی
حملہ کیا کھلے موسم میں کیا۔

لڑکی کی حاصل کی ہوئی معلومات کے مطابق منصوبے میں شامل کیا گیا تھا کہ فوجیں قلعہ بند ہوجائیں، فوجوں
کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور حملے کی تیاری کی جائے۔ موسم کھلتے ہی ان فوجوں کو شام پر حملہ کرنا تھا۔ صلیبی
حکمران ریمانڈ کو جنگی مدد کا معاوضہ پیش کیا گیا تھا جو سونے کے سکوں کی صورت میں تھا۔ ریمانڈ نے شرط پیش کی
تھی کہ اسے یہ معاوضہ پہلے ادا کردیا جائے۔ الصالح کے حواری اُمراء نے فیصلہ کیا کہ معاوضہ فوراً بھیج دیا جائے۔

"مسلمانوں کی بدنصیبی"۔ سلطان ایوبی نے آہ لے کر کہا۔ "آج مسلمان کفار کے کندھے سے کندھا ملا
کر اسلام کے خلاف اٹھے ہیں۔ میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح کو اس سے زیادہ اور اذیت کیا ملے گی"۔
قاضی بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں۔ "میرا عزیز دوست صلاح الدین
ایوبی اتنا جذباتی کبھی نہیں ہُوا تھا جتنا اُس وقت ہُوا جب اسے بتایا گیا کہ سلطان الصالح جسے اسلام کی عظمت کی نشانی
سمجھا جاتا ہے اور مسلمان امراء مل کر اس کے اس عزم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبیوں کو سرزمینِ عرب سے نکال
کر سلطنتِ اسلامیہ کو وسعت دی جائے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آگئے تھے۔ وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔
رک گیا اور ایسے جوش میں بولا جس میں جذباتیت زیادہ تھی کہنے لگا: 'یہ ہمارے بھائی نہیں ہمارے دشمن ہیں۔ اگر
مرتد بھائی کا قتل گناہ ہے تو میں یہ گناہ کروں گا۔ اگلے جہان دوزخ کی آگ قبول کرلوں گا لیکن اس جہان میں اپنے رسولؐ کے
مذہب کو رُسوا نہیں ہونے دوں گا۔ میرا ضمیر پاک ہے۔ اس حکومت پر لعنت اُس حکمران پر لعنت جو کفار سے
دوستی کے معاہدے کرے اور کفار سے مدد مانگے۔ میں جانتا ہوں یہ سب دولت اور حکومت کا لالچ ہے۔ یہ لوگ

ایمان نیلام کرکے حکومت کا نشہ پورا کرنا چاہتے ہیں"۔۔۔ اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ مار کر کہا۔۔۔ "وہ سردی میں نہیں لڑنا چاہتے۔ وہ برفانی وادیوں میں لڑنے سے ڈرتے ہیں۔ میں سردی میں لڑوں گا، برف سے لدی چوٹیوں پر اور یخ دریاؤں میں لڑوں گا۔۔۔۔"

صلاح الدین ایوبی حقیقت پسند تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ جنگ کے متعلق اس نے کبھی نعرہ نہیں لگایا تھا۔ وہ ٹھوک ہدایات دیا کرتا تھا۔ ہر دستے کے کمانڈر کو دفتر میں کاغذ پر لکیریں ڈال کر اور میدانِ جنگ میں زمین پر انگلی سے لکیریں کھینچ کر ہدایات دیا کرتا تھا مگر اُس دن اسے اپنے اوپر قابو نہ تھا۔ اس نے ایسی باتیں بھی کہہ دیں جو وہ عام محفل میں نہیں کہا کرتا تھا۔ وہ شاید یہ جانتا تھا کہ اس محفل میں فوج کے قابلِ اعتماد سالاروں اور میرے سوا اور کوئی نہیں۔

"توفیق جواد!"۔۔۔ سلطان ایوبی نے دمشق کی فوج کے سالار جواد سے کہا۔۔۔ "میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ تمہاری فوج سردیوں میں لڑ سکے گی یا نہیں۔ جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لو کہ میں رات کو چھاپہ ماروں کو ایسی جگہوں پر چھاپے مارنے کے لیے بھیجوں گا جہاں انہیں دریا میں سے گزر کر جانا پڑے گا، بارش بھی ہوگی اور برف بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ میری فوج میں جذبہ ہے"۔۔۔ سالار توفیق جواد نے کہا۔۔۔ "اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فوج میرے ساتھ ہے۔ الصالح کے ساتھ بھاگ نہیں گئی۔ میرے سپاہی جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتے ہیں۔"

"اگر سپاہی میں جذبہ ہو اور وہ جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتا ہو تو وہ جلتے ہوئے ریگستان میں بھی لڑ سکتا ہے اور جمی ہوئی برف پر بھی"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "اللہ کے سپاہی کو نہ ریگزار کی تپش روک سکتی ہے نہ برف کی یخ سردی"۔۔۔ اس نے محفل کے حاضرین پر نگاہ دوڑائی اور کہا۔۔۔ "تاریخ شاید مجھے پاگل کہے گی لیکن میں اس فیصلے سے ٹل نہیں سکتا کہ میں دسمبر کے مہینے میں جنگ شروع کروں گا۔ اُس وقت موسمِ سرما کا عروج ہوگا۔ پہاڑیوں کا رنگ سفید ہوگا۔ یخ جھکڑ چلتے ہوں گے اور راتیں ٹھٹھری ہوں گی۔ کیا تم سب میرے اس فیصلے کو قبول کرو گے؟"

سب نے بیک زبان کہا کہ وہ اپنے سلطان کا ہر حکم بجا لائیں گے۔ تب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ ایسے احکام دینے لگا جن میں جذبات کا عمل دخل نہیں تھا۔ اس نے کہا۔۔۔ "آج ہی رات سے تمام فوج اس حالت میں جنگی مشقیں کرے گی کہ ہر ایک فرد سالار سے سپاہی تک، کپڑوں کے بغیر ہوگا۔ صرف کمر جامہ پہنا جائے گا جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوگی۔ باقی جسم ننگا ہوگا۔ عشاء کی نماز کے فوراً بعد تمام فوج کپڑے اتار کر باہر نکل جایا کرے گی۔ یہاں قریب ہی جھیلیں ہیں۔ فوج کو ان میں سے گزارا جائے گا۔ میں تمہیں اس تربیتی منصوبے کی تفصیلات دوں گا۔ تمام طبیب فوج کے ساتھ ہوں گے۔ ابتدا میں سپاہی ٹھنڈ سے بیمار پڑ جائیں گے۔ طبیب فوراً، اسی جگہ انہیں گرم کپڑوں میں لپیٹ کر اور آگ کے قریب لٹا کر علاج کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ بیماروں کی



تعداد زیادہ نہیں ہوگی۔ دن کے وقت طبیب سپاہیوں کا معائنہ کرتے رہیں گے۔ اگر طبیبوں کی تعداد کم ہو تو مصر سے بلا لو، یہاں سے یہ ضرورت پوری کرو۔"

یہ نومبر ۱۱۷۴ء کا آغاز تھا۔ رات کو سردی خاصی زیادہ ہو جاتی تھی۔ سلطان ایوبی نے راتوں کی ٹریننگ کا پروگرام مرتب کر لیا اور اپنے سالاروں اور جونیئر کمانڈروں کو بلایا۔ اس نے مختصر سا لیکچر دیا۔۔۔ "اب تم جس دشمن سے لڑو گے اسے دیکھ کر تمہاری تلواریں نیاموں سے باہر آنے سے گریز کریں گی کیونکہ تمہارا دشمن بھی اللہ اکبر کے نعروں سے تمہارے سامنے آئے گا۔ اس کے علَم پر بھی وہی چاند تارا ہے جو تمہارے علَم پر ہے۔ وہ بھی وہی کلمہ پڑھتا ہے جو تم پڑھتے ہو۔ تم انہیں مسلمان سمجھو گے مگر وہ مرتد ہیں۔ وہ اپنی نیاموں میں صلیب کی تلواریں لا رہے ہیں۔ ان کی ترکش میں صلیب کے تیر ہیں۔ تم ایمان کے پاسبان ہو اور وہ ایمان کے بیوپاری ہیں۔ خود ساختہ سلطان الصالح بیت المال کا سونا اور خزانہ اپنے ساتھ لے گیا ہے اور اُس نے قوم کی یہ دولت تریپولی کے صلیبی حکمران کو اس مقصد کے لیے دے دی ہے کہ وہ اسے جنگی مدد دے کہ تمہیں شکست دے۔ یہ شکست تمہاری نہیں اسلام کی شکست ہوگی۔ یہ خزانہ قوم کا ہے۔ قوم کی دی ہوئی زکوٰۃ کا ہے۔ یہ خزانہ شراب اور عیاشی میں بہہ رہا ہے اور اسی خزانے سے کفار کے ساتھ دوستانے گانٹھے جا رہے ہیں۔ کیا تم قومی خزانے کے چور کو اپنا سلطان تسلیم کرو گے؟"

"نہیں نہیں" کے ساتھ کچھ آوازیں "لعنت لعنت" کی بھی سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "میں نے جن اصولوں پر مصر کی فوج تیار کی ہے وہی اصول تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کے انتظار میں اپنے گھروں میں نہ بیٹھے رہو۔ یہ کوئی اصول نہیں کہ دشمن حملہ کرے تو تم حملہ روکو۔ تمہیں یہ اصول قرآن نے دیا ہے کہ جنگ ہو تو لڑو، جنگ نہ ہو تو جنگ کی تیاری میں مصروف رہو۔ جُوں ہی تمہیں پتہ چلے کہ دشمن تم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے اُس پر حملہ کر دو۔ یاد رکھو جو مسلمان نہیں وہ تمہارا دوست نہیں۔ کافر تمہارے قدموں میں آ کر سجدہ کرے تو بھی اسے اپنا دوست نہ سمجھو۔ دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ اور قوم کی آبرو کے پاسبان تم ہو۔ اگر تمہارے حکمران بے غیرت ہو جائیں، قوم بدکاری میں تباہ ہو جائے اور دشمن غالب آ جائے تو آنے والی نسلیں کہیں گی کہ اس قوم کی فوج نااہل اور کمزور تھی۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا کہ حکمرانوں کی بداعمالیاں فوج کے حساب میں لکھی جاتی ہیں کیونکہ فتح و شکست کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے۔ حکمرانوں کی عیش پسندی اور مفاد پرستی فوج کو کمزور کر چکی ہوتی ہے، پھر شکست کی ذمہ داری فوج کے کندھوں پر ڈال دی جاتی ہے۔۔۔۔

"پھر کیوں نہ تم ابھی سے اپنے خلیفہ اور حکمرانوں کو ٹھکانے لگا دو جو تمہاری اور قوم کی ذلت و رُسوائی کا باعث بن رہے ہیں۔ میں تمہیں بتا سکتا کہ میں جس جنگ کی تیاری کر رہا ہوں وہ کیسی ہوگی۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ بڑی ہی سخت جنگ ہوگی۔ سخت ان معنوں میں کہ میں تمہیں انتہائی دشوار حالات میں لڑا رہا ہوں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ تمہاری تعداد کم ہوگی۔ اس کمی کو تم جذبے اور ایمان کی قوت سے پورا کرو گے۔"

سلطان ایوبی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ دشمن کے جاسوس اُن کے درمیان موجود ہیں اور دان جاسوسوں

کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

☆

"اور تم یہ مت سوچو کہ صلاح الدین ایوبی مسلمان ہے۔ خلیفہ کا درجہ پیغمبر جتنا ہوتا ہے۔ نجم الدین ایوب کے اس مرتد بیٹے نے خلیفہ کو قصرِ خلافت سے نکال دیا ہے اور شام پر غاصبانہ قبضہ کر کے مصر اور شام کا بادشاہ بن گیا ہے۔ اگر تم خدا کے قہر سے بچنا چاہتے ہو، زلزلوں اور طوفانوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو صلاح الدین ایوبی کو شرمناک شکست دے کر سلطنت کی گدی بحال کرو" ـــ یہ آواز ایک امیر کی تھی جو حلب میں اپنی فوج کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اس نے کہا ـــ "سردیوں کا موسم نکل جائے گا تو ہم دمشق پر حملہ کریں گے۔ اس دوران ہم فوج میں اضافہ کریں گے اور تم جنگ کی تیاری کرتے رہو گے۔"

"ذہنی تخریب کاری کے بغیر جنگ جیتنا بہت مشکل ہے" ـــ یہ آواز صلیبی فوج کے ایک مشیر کی تھی جسے ریمانڈ نے الصالح کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ـــ "ہم تمہارے کسی شہر میں اگر نہیں لڑیں گے۔ ہم مصر سے آنے والی کمک کو روکیں گے اور موقع دیکھ کر سلطان ایوبی کو کہیں گھیرے میں لے لیں گے۔ آپ کی فوج دمشق پر حملہ کر سکے گی۔ سردیوں کے موسم میں نہ آپ حملہ کر سکتے ہیں نہ صلاح الدین ایوبی۔ آپ اس وقت سے فائدہ اٹھائیں۔ مجھے جو خطرہ نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قوم آپس میں لڑنے سے گریز کرے گی۔ آپ ان علاقوں میں جو آپ کے قبضے میں ہیں، اپنی قوم کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکائیں۔ اس کا بہترین حربہ آپ کا مذہب اور قرآن ہے۔ اس مقصد کے لیے مذہب، قرآن اور مسجد کو استعمال کریں۔ ہم نے مسلمانوں میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ مذہب کے نام پر جلدی بھڑکتے ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کریں تو ہم آپ کو یہ تخریب کاری دمشق میں بھی کر کے دکھا دیں گے۔"

"یہ دیکھ کر میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ پانچ سال گزر گئے ہیں ہم سے ابھی صلاح الدین ایوبی قتل نہیں ہوا" ـــ یہ آواز فدائی قاتلوں (حشیشین) کے مرشد شیخ سنان کی تھی۔ وہ اُن فدائیوں سے جنہیں سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا جا رہا تھا، کہہ رہا تھا۔ "ایوبی پر ہمارے چار حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ ناکام بھی ایسے کہ ہمارے آدمی مارے گئے اور زندہ بھی پکڑے گئے۔ حسن بن صباح کی روح مجھ سے جواب مانگ رہی ہے۔ کیا تم اسے زہر نہیں دے سکتے؟ کہیں چھپ کر اُسے تیر کا نشانہ نہیں بنا سکتے؟ کیا تم اپنی موت سے خوفزدہ ہو گئے ہو؟ اپنے حلف کے الفاظ بھول گئے ہو؟ میں اب یہ نہیں سننا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی ابھی زندہ ہے۔"

"وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا" ـــ ایک فدائی نے کہا اور اس کے ساتھیوں نے اس کی تائید کی۔

سلطان ایوبی کی جو فوج مصر میں تھی اس کی کمان سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے پاس تھی۔ سلطان ایوبی نے اُسے یہ حکم دے دیا تھا کہ بھرتی تیز کر دے اور جنگی مشقیں جاری رکھے۔ اس نے العادل کو سوڈان کی طرف سے خبردار کیا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ سوڈان کی طرف سے معمولی سی بھی فوجی حرکت ہو تو وسیع پیمانے پر جنگی کارروائی کرے اور سلطان ایوبی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کمک اور رسد تیار رکھے۔ دمشق کی مہم کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا



تھا کہ کیسی صورتِ حال پیدا کر دے۔ اب اس نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے لیے اسے کمک کی ضرورت تھی۔ جاسوس اور لڑکی نے اسے بتا دیا تھا کہ ریمانڈ مصر اور شام کے درمیان حائل ہو کر سلطان ایوبی کی کمک اور رسد روک لے گا۔ اس اطلاع کے پیشِ نظر اس نے کمک قبل از وقت منگوا کر اپنے ہاتھ میں رکھ لینا ضروری سمجھا۔ اس کمک کو سردیوں کی جنگ کی ٹریننگ کی بھی ضرورت تھی۔ اس نے ایک طویل پیغام کے ساتھ ایک قاصد قاہرہ بھیج دیا۔

اس نے العادل کو پیادہ اور سوار دستوں کی تعداد لکھی جو اُسے درکار تھی اور یہ ہدایت بھیجی کہ تمام فوج اکٹھی کوچ نہ کرے بلکہ چھوٹے چھوٹے دستے رات کے وقت ایک دوسرے سے مقررہ فاصلے پر نقل و حرکت کریں۔ دن کے وقت سفر نہ کیا جائے۔ حتی الامکان کمک کے کوچ کو خفیہ رکھا جائے..... العادل اپنے بھائی کا ہی تربیت یافتہ تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کمک روانہ کر دی اور اسے خفیہ رکھنے کا یہ انتظام کیا کہ فوج کے چند افراد کو عام مسافروں کے لباس میں اونٹوں پر سوار کر کے اس ہدایت کے ساتھ کمک کے راستے میں بھیج دیا کہ وہ دائیں بائیں، آگے پیچھے رہیں اور کوئی مشکوک آدمی نظر آئے تو اس کی چھان بین کریں اور ضرورت محسوس ہو تو اسے پکڑ لیں۔

کمک کے دستے چند دنوں بعد دمشق پہنچ گئے اور سلطان ایوبی نے انہیں بھی رات کی ٹریننگ میں شامل کر دیا۔ اس کے ساتھ نئی بھرتی کا حکم بھی دے دیا۔

☆

دمشق کے مضافات میں اُس دور میں جنگل اور کھنڈرات کا علاقہ ہوا کرتا تھا۔ وہاں ایک صدیوں پرانے قلعے کے کھنڈر تھے۔ اس کے اندر کبھی کوئی نہیں گیا تھا۔ رات کو لوگ اس کے قریب سے بھی نہیں گزرتے تھے۔ یہ چونکہ فوجی استعمال کے قابل نہیں رہا تھا اور تھا بھی بے موقعہ، اس لیے فوج نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ سلطان ایوبی کے دور میں دمشق کے دفاع کے لیے ایک اور جگہ قلعہ تعمیر کر لیا گیا تھا۔ وہ پرانا قلعہ ناگوں والا قلعہ کہلاتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس میں ناگوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ ناگ اور ناگن کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ قلعہ سکندرِ اعظم نے بنایا تھا اور یہ بھی کہ یہ دارا ایرانی کا بنایا ہوا ہے۔ بعض اسے بنی اسرائیل کی تعمیر کہتے تھے۔

اس میں تو اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ کس کی تعمیر تھی۔ ایک روایت کو سب سچ مانتے تھے۔ کہتے تھے صدیاں گزریں یہاں فارس کا ایک بادشاہ آیا تھا۔ یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ یہاں اس نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے اندر اپنے لیے ایک خوشنما محل بنایا مگر اسے آباد کرنے کو اس کی بیوی نہیں تھی۔ اسے کسی گڈریے کی بیٹی پسند آ گئی۔ اس لڑکی کا منگیتر بھی تھا۔ بادشاہ نے لڑکی کے ماں باپ کو بے بہا دولت دی اور ان سے لڑکی لے لی۔ منگیتر نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اس قلعے میں کبھی آباد نہیں ہو سکے گا۔ بادشاہ نے اسے قلعے میں لے جا کر قتل کر دیا اور لاش اندر ہی کہیں دفن کر دی۔ لڑکی نے بادشاہ سے کہا کہ اس نے اس کا جسم خرید لیا ہے، اس کی روح آزاد ہو گئی

کبھی کبھی طاری ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھا تو میں اس عالم میں تھا۔ کان میں ایک روح کی سرگوشی سنائی دی۔ "اس جوان کو دیکھو۔ شہزادہ ہے مگر اپنی لوحِ تقدیر سے بے خبر ہے اور سپاہیوں کے لباس میں دوسروں کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتا رہتا ہے'..... یہ کیفیت گزر گئی ہے۔ اب تم مجھے صرف سپاہی نظر آتے ہو۔"

یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ ہر کوئی خزانے اور جاہ و حشمت کے خواب دیکھتا ہے۔ یہ سپاہی تھا، اسے خزانے اور شہزادی کا اشارہ ملا تو سیاہ ریش کی منت کی کہ اسے اس کے متعلق کچھ اور بتائے۔ سیاہ ریش نے مسکرا کر کہا۔ "میرے پاس نجوم کا علم نہیں، غیب دان بھی نہیں ہوں۔ اللہ اللہ کرنے والا درویش ہوں۔ کوشش کروں گا کہ تمہیں کچھ بتا سکوں، لیکن جہاں تمہیں بلاؤں گا وہاں تم آؤ گے نہیں۔"

"جہاں آپ کہیں گے آجاؤں گا۔"

"ناگوں والے قلعے میں آجاؤ گے؟"

"ضرور آؤں گا۔"

"آج رات"۔۔۔ سیاہ داڑھی والے نے کہا۔ "غسل کر کے ذہن کو دنیا کے خیالوں سے خالی کر کے آجانا اور یاد رکھو، کسی سے ذکر نہ کرنا۔ کسی کو نہ بتانا کہ میں تمہیں ملا تھا اور تم رات کو کہیں جا رہے ہو یا نہیں... چوری چوری آنا۔"

☆

اگر خزانے کا، شہزادی اور تخت و تاج کا خیال نہ ہوتا تو یہ سپاہی کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہوتا رات کے وقت ناگوں کے قلعے میں نہ جاتا۔ سلطان ایوبی کے مکان کے پچھلے دروازے پر اس کا پہرہ رات کے آخری پہر تھا۔ اس وقت سے پہلے وہ گھوم پھر سکتا تھا۔ وہ جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو خوف نے اس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔۔۔ "میں آگیا ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟"۔۔۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک مشعل کہیں سے آئی اور اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دل پر خوف کا شکنجہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ مشعل ایک آدمی نے اٹھا رکھی تھی۔ اس نے قریب آ کر سپاہی سے پوچھا۔۔۔ "تم ہی ہو جسے حضرت نے آج راستے میں کہیں دیکھا تھا؟"۔۔۔ سپاہی نے بتایا کہ وہی ہے تو مشعل بردار نے کہا۔ "میرے پیچھے آؤ۔"

"کیا تم انسان ہو؟"۔۔۔ سپاہی نے اس سے پوچھا۔

"تمہیں جو کچھ نظر آ رہا ہوں وہی ہوں"۔۔۔ اسے جواب ملا۔۔۔ "دل سے خوف نکال دو۔ ذہن سے ہر خیال نکال دو۔ خاموشی سے چلتے آؤ"۔۔۔ مشعل بردار چلتا اور بولتا جا رہا تھا۔ "حضرت سے کوئی سوال نہ پوچھنا۔ وہ جیسے حکم دیں ویسے کرنا۔"

تاریک غلام گردشوں اور چھتوں سے ڈھکے کئی ایک راستوں سے گزر کر مشعل بردار ایک دروازے کے آگے رک گیا اور بلند آواز سے بولا۔۔۔ "یا حضرت! اجازت ہو تو اسے پیش کروں جسے آپ نے بلایا ہے"۔۔۔ اندر سے جانے کیا جواب آیا۔ مشعل بردار ایک طرف ہٹ گیا اور سپاہی کو اشارہ کیا کہ اندر چلا جائے۔ سپاہی اندر گیا تو اس قدر



ہیبت ناک کھنڈر میں ایسے خوشنما سامان سے آراستہ کمرے کو دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا اور ڈرا بھی۔ یہ انسانوں کو نظر نہ آنے والی مخلوق کا مسکن ہو سکتا تھا۔ قالین بچھا تھا جس پر گاؤ تکیے سے پیٹھ لگائے سیاہ ریش بیٹھا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے تسبیح کر رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے سپاہی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔ کمرے میں خوشبو تھی۔

سیاہ داڑھی والے حضرت نے آنکھیں کھولیں۔ سپاہی کو دیکھا اور تسبیح اس کی گود میں پھینک کر کہا۔ "گلے میں ڈال لو"۔۔۔ سپاہی نے تسبیح کو چوما اور گلے میں ڈال لی۔ کمرے میں ایک قندیل جل رہی تھی۔ حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو دوسرے کمرے سے جس کا دروازہ اس کمرے میں کھلتا تھا ایک لڑکی آئی۔ اس کے بال کھلے ہوئے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے اتنی خوبصورت لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوشنما پیالہ تھا جو اس نے سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ سیاہ داڑھی والا اٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سپاہی پیالہ ہاتھ میں لیے کبھی لڑکی کو اور کبھی پیالے کو دیکھتا تھا۔ لڑکی نے اس سے کہا۔ "حضرت کچھ دیر بعد آئیں گے۔ یہ پی لو"۔۔۔ لڑکی کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں اپنائیت اور بے تکلفی تھی۔

سپاہی نے پیالہ ہونٹوں سے لگایا اور ایک گھونٹ پی کر لڑکی کو دیکھا۔

"مجھے تم جیسا خوبصورت جوان کبھی کبھی نظر آتا ہے"۔۔۔ لڑکی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔ "بیٹھو۔ میں یہ شربت بڑے پیار سے لائی ہوں۔ حضرت نے کہا تھا کہ آج تمہاری پسند کا ایک جوان آ رہا ہے جسے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔"

سپاہی نے دو تین گھونٹ شربت پی لیا۔ اس کے بعد شربت گھونٹ گھونٹ اس کے حلق سے اترتا رہا اور لڑکی اس کے قریب ہوتی گئی اور پھر سپاہی نے یوں محسوس کیا جیسے لڑکی اپنے طلسماتی حسن اور سحر انگیز جسم کے ساتھ شربت کی طرح اس کے حلق میں اتر گئی اور رگ رگ میں سما گئی ہو۔ سیاہ ریش حضرت آگیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا ایک گولہ تھا جس کا سائز ناشپاتی جتنا تھا۔ اس نے گولہ سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا۔۔۔ "اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور اس میں سے قندیل کی لو کو دیکھو اور دیکھتے رہو۔"

سپاہی نے شیشے کے گولے میں سے قندیل کو دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کئی رنگ شعلوں کی طرح تھرکتے نظر آنے لگے۔ لڑکی کے ریشمی بال اس کے گالوں کو چھو رہے تھے اور لڑکی نے اس طرح اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے رکھا تھا کہ وہ لڑکی کے جسم کی حرارت اور خوشبو کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ایک سریلی اور پراثر آواز پڑنے لگی۔۔۔ "مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے۔ مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے"۔۔۔ تھوڑی دیر اسے اس کا احساس زندہ رہا کہ یہ آواز سیاہ داڑھی والے کی ہے۔ پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر وہ اس دنیا کا حصہ بن گیا جو اسے شیشے میں سے نظر آنے لگی تھی۔ اسے تخت سلیمان نظر آ رہا تھا جس پر نورانی چہرے والا ایک بادشاہ بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے چار پانچ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ وہ پریاں ہو سکتی تھیں۔

"ہاں۔ ہاں"۔ سپاہی نے کہا۔۔۔ "مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے۔"

لڑکی کے بکھرے ہوئے بال اس کے اوپر پھیل گئے۔ سپاہی کو شیشے میں سے نظر آتے ہوئے تخت کے

قریب کھڑے ایک آدمی کی آواز سنائی دی — "یہ بادشاہ تمہارا دادا ہے جو ہفت اقلیم کا بادشاہ ہے۔ شاہ سلیمان کی پریاں اور جنات اس دربار میں سجدے کرتے ہیں۔ اپنے دادا کو پہچانو۔ یہ تمہارا ورثہ ہے۔ تخت جا رہا ہے۔"

سپاہی نے ہڑبڑا کر کہا — "وہ تخت سے جا رہے ہیں۔ یہ دیو ہیں۔ بہت بڑے بڑے۔ بہت ڈراؤنے۔ انہوں نے تخت اٹھا لیا ہے۔"

اور شیشے کے گرے ہیں کئی رنگوں کے شعلے رہ گئے جو متحرک رہے تھے جیسے وجد میں آئے ہوئے رقص کر رہے ہوں۔ سپاہی نے محسوس کیا جیسے کوئی چیز اس کی ناک کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ شیشے کا گولا اس کی آنکھوں کے آگے سے خود ہی ہٹ گیا اور اُس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ وہ اُس وقت اپنے آپ میں آیا جب لڑکی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو قالین پر پڑے پایا۔ لڑکی کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور لڑکی اس کے پاس نیم دراز تھی۔ سپاہی اُٹھ بیٹھا۔ وہ حیران تھا اور پریشان بھی۔ اس کے منہ سے پہلی بات یہ نکلی — "وہ کہتے تھے۔ یہ تخت تمہارے دادا کا ہے اور یہ تمہارا ورثہ ہے۔"

"حضرت نے بھی یہی فرمایا ہے۔" لڑکی نے بڑی پیاری آواز میں کہا۔

"حضرت کہاں ہیں؟" سپاہی نے پوچھا۔

"وہ اب نہیں مل سکیں گے۔" لڑکی نے جواب دیا — "تم نے کہا تھا کہ رات کے آخری پہر تمہارا پہرہ ہے، اس لیے میں نے تمہیں جگا دیا ہے۔ رات آدھی گزر گئی ہے۔ تم اب چلے جاؤ۔"

وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ اس نے خواب دیکھا تھا یا یہ حقیقت تھی۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ یہ خواب نہیں تھا۔ یہ حضرت کی خصوصی کرامات تھی۔ ان کے لیے حکم ہے کہ وہ اس قسم کا کوئی راز اپنے پاس نہ رکھیں۔ یہ اُس تک پہنچا دیں جس کا یہ راز ہے۔ مگر یہ کیفیت حضرت پر کسی کسی وقت طاری ہوتی ہے۔ اب معلوم نہیں کب ہو۔ سپاہی نے لڑکی کی منت سماجت شروع کر دی۔ لڑکی نے اُسے کہا۔ "تم میرے دل میں اُتر گئے ہو۔ میں نے اپنی روح تمہارے حوالے کر دی ہے۔ تمہارے لیے اپنی جان بھی قربان کر دوں گی۔ میں تمہیں کبھی جانے نہ دوں لیکن تمہارے فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ اب چلے جاؤ۔ کل رات آ جانا۔ میں حضرت سے درخواست کروں گی کہ وہ تمہارا راز تمہیں دے دیں۔"

وہ جب قلعے سے نکلا تو اس کے قدم اٹھ نہیں رہے تھے۔ اس کے ذہن پر اپنے دادا کا تختِ سلیمان غالب تھا اور دل پر لڑکی کا قبضہ تھا۔ تاریک رات میں قلعے کے کھنڈر اسے محل کی طرح خوشنما نظر آ رہے تھے۔ وہ مسرور بھی تھا۔ دل میں کوئی خوف اور کوئی پریشانی نہیں تھی۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی تمام تر توجہ فوج کی ٹریننگ اور منصوبہ بندی پر مرکوز تھی۔ اُس نے اپنے لیے اور مرکزی کمان کے اعلیٰ فوجی حکام کے لیے آرام حرام کر رکھا تھا۔ انٹیلی جنس کا انچارج حسن بن عبداللہ جہاں اپنے کاموں میں مصروف تھا وہاں اسے یہ بھی فکر تھا کہ سلطان ایوبی اپنی حفاظت کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باڈی



گارڈ کے کمانڈر نے حسن بن عبداللہ سے کئی بار شکایت کی تھی کہ سلطان اسے بتائے بغیر پچھلے دروازے سے نکل جاتے ہیں، اور وہ ان کے تعاقب کرنے کا پہرہ اس خیال سے دیتا رہتا ہے کہ سلطان ناراض ہے۔ کمانڈر سلطان ایوبی کے ساتھ اپنے دو چار گارڈ سائے کی طرح لگائے رکھنا چاہتا تھا۔ کمانڈر کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اب فدائی پوری تیاری سے سلطان ایوبی کو قتل کرنے آ رہے ہیں۔ اس اطلاع نے کمانڈر کو اور زیادہ پریشان کر دیا تھا، مگر سلطان ایوبی کی بے پروائی کا یہ عالم تھا کہ حسن بن عبداللہ نے اُسے کہا کہ وہ باڈی گارڈز کے بغیر باہر نہ نکل جایا کریں تو سلطان ایوبی نے مسکرا کر اس کے گال پر تھپکی دی اور کہا — "ہم سب کی جان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ محافظوں کی موجودگی میں مجھ پر چار ناکام قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اللہ کو منظور تھا کہ میں زندہ رہوں۔ میں اللہ کی راہ پر چل رہا ہوں۔ اگر اس کی ذاتِ باری مجھے اس سے سبکدوش کرنا چاہے گی تو اس کی رضا کو نہیں روک سکیں گا نہ میرے محافظ۔"

"پھر بھی سلطانِ محترم!" حسن بن عبداللہ نے کہا — "میرے اور محافظ دستے کے فرائض ایسے ہیں کہ آپ کے عقیدے اور جذبے سے ہیں متاثر نہیں ہو سکتا۔ مجھے فدائیوں کے متعلق جو اطلاعیں مل رہی ہیں ان کے پیشِ نظر مجھے رات کو بھی آپ کے سرہانے کھڑا رہنا چاہیے۔"

"میں تمہارے اور محافظوں کے فرائض کا احترام کرتا ہوں حسن!" سلطان ایوبی نے کہا — "مگر میں محافظوں کے ساتھ باہر نکلتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں جیسے مجھے اپنی قوم پر بھروسہ نہیں۔ عموماً حکمران اپنی قوم سے ڈرا کرتے ہیں۔ وہ دیانت دار اور مخلص نہیں ہوتے۔"

"ڈر قوم کا نہیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا — "میں فدائیوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں احتیاط کروں گا۔" سلطان ایوبی نے ہنس کر کہا۔

ناگوں والے قلعے سے آ کر محافظ سپاہی اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ اس نے وہ دن اس ذہنی کیفیت میں گزارا کہ وہ تصوروں میں تختِ سلیمان اور لڑکی کو دیکھتا رہا۔ شام گہری ہوتے ہی وہ قلعے کی طرف چل پڑا۔ اس کے دل پر کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر اندھیرے میں کچھ دُور اندر چلا گیا اور رُک گیا۔ اس نے گزشتہ رات کی طرح پکارا — "میں آ گیا ہوں۔ کیا میں آگے آ سکتا ہوں؟" — اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ مشعل کی روشنی نظر آنے لگی اور مشعل اس سے کچھ دُور آ کر رُک گئی۔ مشعل بردار نے کہا — "حضرت کے قدموں میں سجدہ ضرور کرنا۔ وہ آج کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔ تم آ جاؤ۔"

گزشتہ رات کی طرح وہ غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتا مشعل بردار کے ساتھ حضرت کے دروازے پر جا رُکا۔ حضرت نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ سپاہی نے اس کے قدموں میں جا سر رکھا اور التجا کی — "یا حضرت! مجھے میرا راز دے دو۔ میں کون ہوں؟ مجھے آپ کیا دکھائیں گے؟"

سیاہ ریش حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو وہی لڑکی دوسرے کمرے سے آئی۔ وہ سپاہی کو دیکھ کر مسکرائی۔ سپاہی اُسے اپنے پاس بٹھانے کو بے تاب ہو گیا۔ سیاہ ریش نے لڑکی سے کہا — "یہ آج پھر آ گیا ہے۔ کیا میں پہلی

تماشہ دکھانے کے لیے بیٹھا ہوں؟"
بڑی دور سے اُمید لے کر آیا ہے۔"
"اس گناہگار کو بخش دیں یا حضرت!" لڑکی نے کہا۔ "بڑی دور سے اُمید لے کر آیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد گول والا شیشہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لڑکی نے اس سے پہلے اسے شربت پلایا تھا اور اس کے پیچھے بیٹھ کر اس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگالی اور بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے جیسے ماں نے اپنے بچے کو گود میں لے رکھا ہو۔ سپاہی کو سیاہ ریش حضرت کی سُریلی آواز سنائی دینے لگی۔۔۔ "مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آ رہا ہے۔ مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آ رہا ہے"۔۔۔ یہ آواز دور ہی چلی گئی جیسے بولنے والا دور ہی دور ہٹتا جا رہا ہو۔

"ہاں!"۔۔۔ سپاہی نے چونک کر کہا۔ "ایسا محل اس دنیا کے کسی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا"۔
"میں اس محل میں پیدا ہوا تھا"۔ اُسے کسی کی آواز سنائی دینے لگی جو یہی الفاظ دہرا رہی تھی۔ "میں اس محل میں پیدا ہوا تھا"۔۔۔ پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر اس نے یوں محسوس کیا جیسے اس کے وجود کے اندر بھی ایک آواز گونجنے لگی ہے۔ "میں اس محل میں پیدا ہوا تھا"۔ پھر وہ آوازوں سے لاتعلق ہو گیا۔ اسے ایک محل نظر آ رہا تھا اور وہ خود اس کے باہر ایک باغ میں گھوم پھر رہا تھا۔ اب یہ اسے شیشے کے گولے میں نظر نہیں آ رہا تھا بلکہ یہ محل حقیقت بن گیا تھا جس کی ہر چیز کو، باغ کو، پودوں اور پھولوں کو ہاتھ لگا کر محسوس کر سکتا اور سونگھ سکتا تھا۔ وہ وہاں سپاہی نہیں شہزادہ تھا۔

یہ محل فضا میں تحلیل ہو گیا اور سپاہی نے بہت دیر بعد اپنے آپ کو لڑکی کی آغوش میں پایا۔ اس نے لڑکی سے بہت کچھ پوچھا۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ حضرت کہہ گئے ہیں کہ یہ شخص شہزادہ تھا، اور یہ اب بھی شہزادہ بن سکتا ہے۔ حضرت یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سپاہی کے تخت و تاج پر کس کا قبضہ ہے۔ لڑکی نے اُسے کہا۔۔۔ "حضرت کہہ گئے ہیں کہ تم اگر سات آٹھ روز یہیں رہو تو وہ سب کچھ معلوم کر سکیں گے اور تمہیں سب کچھ دکھا دیں گے"۔

☆

اگلی رات وہ پھر قلعے کے اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس نے چار روز کی چھٹی لے لی تھی۔ اُسے لڑکی نے اسی پیالے میں شربت پلایا اور اس کے ہاتھ میں شیشے کا گولا دے دیا گیا۔ اس نے کسی کے بتائے بغیر گولا اپنی آنکھوں کے آگے رکھ لیا اور قندیل کی لَو کو دیکھتا رہا۔ اسے اس میں رنگا رنگ شعلے ناچتے نظر آئے۔ سیاہ ریش نے اپنے طلسماتی انداز سے کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے وہ دو بار اس عمل سے گزر چکا تھا۔ دونوں بار ایسے ہوا تھا کہ اسے شیشے کے گولے میں تختِ سلیمان اور اگلی رات شاہ سلیمان کا محل نظر آیا تھا مگر اس کے بعد گولا اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تھا۔ اسے جب گولے میں کوئی منظر نظر آنے لگتا تھا تو سیاہ ریش یا لڑکی سپاہی کے ہاتھ سے گولا لے کر الگ رکھ دیتی تھی۔ اب تیسری رات بھی یہی ہوا۔ سیاہ ریش اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُراثر لہجے میں جو دھیما دھیما سا تھا کہہ رہا تھا۔۔۔ "یہ پھول ہیں یہ باغ ہے۔ میں باغ میں موجود ہوں"۔۔۔ وہ یہی الفاظ دہرا رہا تھا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ لگی بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔



سپاہی کو ایک باغ نظر آ گیا۔ زمین اونچی نیچی تھی اور ہریالی سے ڈھکی ہوئی۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول تھے اور ان کی مہک نشہ طاری کرتی تھی۔ سپاہی نے باغ میں ایک ایسی لڑکی کو ٹہلتے اور گنگناتے دیکھا جو اس لڑکی سے بہت ہی زیادہ خوبصورت تھی جو اس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ اس کا لباس ایک ہی رنگ کا تھا اور یہ رنگ ان رنگوں میں سے نہیں تھا جو وہ اس دنیا میں دیکھا کرتا تھا۔ سپاہی اب ناگوں والے قلعے کے کمرے میں نہیں تھا۔ سیاہ ریش حضرت اور اس کے ساتھ کی لڑکی سے وہ بے خبر اور لاتعلق ہو چکا تھا۔ وہ قلعے سے نکل ہی گیا تھا۔ اس نے باغ میں لڑکی کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑا۔ لڑکی بھی دوڑی اور اس کے گلے کا ہار بن گئی۔ لڑکی کے جسم سے پھولوں کی مہک اٹھ رہی تھی۔ سپاہی شاہ سلیمان کے خاندان کا شہزادہ تھا۔ وہ دونوں باغ کے اس گوشے میں چلے گئے جو ایک غار کی مانند تھا لیکن یہ غار رنگا رنگ بیلوں اور ان کے پھولوں سے بنا رکھا تھا۔ اس کے فرش پر مخمل جیسی گھاس تھی۔

لڑکی نے پھولوں کے اس غار کے ایک کونے سے ایک خوشنما صراحی اٹھائی اور پیالہ بھر کر سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ میٹھی شراب تھی۔ سپاہی پر لڑکی کے حسن اور محبت کا نشہ تو پہلے ہی طاری تھا، شراب کے نشے نے اُسے اس سے بھی زیادہ حسین اور طلسماتی دنیا میں پہنچا دیا اور پھر لڑکی نے اسے کہا کہ وہ ابھی آتی ہے۔ وہ چلی گئی۔ سپاہی کو اس کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ باہر کو دوڑا۔ اسے لڑکی کہیں نظر نہ آئی۔ وہ دوڑتا ہی رہا۔ اسے لڑکی کی دلدوز چیخیں سنائی دیتی رہیں مگر وہ سپاہی کو کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے غصے سے پاگل ہو کر تلوار نکال لی اور لڑکی کی تلاش میں باؤلا ہوتا رہا۔ آخر اسے ایک بڑھیا ملی۔ اس نے اسے بتایا کہ لڑکی اب تمہیں نہیں مل سکے گی۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے، وہ تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ تم اب اسے کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے وہ اب اس تخت پر بیٹھے گا جس پر تمہیں بیٹھنا تھا۔ اس کے پیچھے مت بھاگو۔ زندہ رہو اور کبھی موقع پاؤ اُسے قتل کر دینا۔ لڑکی تمہاری یاد میں ہلکان ہوتی رہے گی۔

"وہ کون تھا جو اس لڑکی کو لے گیا ہے؟" سپاہی جب ناگوں والے قلعے کے اس کمرے میں لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا۔۔۔ "اور میں نے یہ کیا دیکھا تھا؟"

"تم نے اپنی گزری ہوئی زندگی دیکھی ہے"۔ سیاہ ریش نے اسے بتایا۔۔۔ "میں تمہیں واپس لے آیا ہوں"۔

"میں وہاں سے واپس نہیں آنا چاہتا"۔ سپاہی نے بے تابی اور بے چینی سے کہا۔ "مجھے وہیں بھیج دو"۔

"کیا کرو گے وہاں جا کر؟" سیاہ ریش نے اُس سے پوچھا۔۔۔ "جس کی خاطر جانا چاہتے ہو وہ کسی اور کے قبضے میں ہے۔ اسے جب تک قتل نہیں کرو گے وہ تمہیں نہیں مل سکے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی کو قتل کرو اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس انسان کو قتل کر بھی نہیں سکو گے"۔

"یا حضرت!" سپاہی نے کہا۔۔۔ "اگر قتل کرنے سے مجھے میرا ورثہ اور میری بیوی مل سکتی ہے تو میں سلطان صلاح الدین ایوبی سے بھی اونچے رتبے کے آدمی کو قتل کر دوں گا"۔

"پھر یہ خون میری گردن پر ہوگا میرے دوست!"۔۔۔ درویش نے کہا۔

سپاہی اس کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے پاؤں پر سر رگڑنے لگا۔ وہ "یا حضرت، یا حضرت" کا ورد کیے جا رہا تھا اور وہ رونے بھی لگا تھا۔

سیاہ ریش حضرت نے اُسے پھر اُسی دنیا میں پہنچا دیا جہاں تختِ سلیمانی تھا، محل اور باغ تھا۔ اس کے کانوں میں آوازیں پڑتی رہیں ــــ "یہ ہے تمہارے دادا کا قاتل، تمہارے باپ کا قاتل، تمہارے تخت و تاج کا غاصب اور اس لڑکی کو جو تمہیں چاہتی ہے اسی کی قید میں ہے"۔

"نہیں، نہیں" سپاہی نے گھبرا کر کہا ــــ "یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے"۔

"یہی تمہاری قسمت کا قاتل ہے"۔ اس کے کانوں میں آوازیں پڑ رہی تھیں ــــ "یہ تمہارا سلطان نہیں ہو سکتا۔ یہ لٹیرا ہے۔ تم عرب ہو۔ کہو ــــ صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے ــــ اب اسے قتل کر دو۔ انتقام لو۔ غیرت مند مرد انتقام لیا کرتے ہیں"۔

اور سپاہی اس طلسماتی ماحول میں گھومتے پھرتے یہی ورد کرتا رہا ــــ "صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے۔ میری محبت کا قاتل ہے۔ میری قسمت کا قاتل ہے"۔

پھر یوں ہوا کہ اس کی نظروں کے آگے صرف صلاح الدین ایوبی رہ گیا۔ وہ اسے چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ سپاہی ہاتھ میں خنجر لیے اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا مگر قتل کا موقع نہیں ملتا تھا۔ سپاہی کو لڑکی نظر آ گئی۔ وہ پنجرے میں بند تھی۔ صلاح الدین ایوبی پنجرے کے پاس کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لڑکی سپاہی کو اداس اور مظلوم نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر سفاکی اور بربریت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ سپاہی کی زبان خاموش ہوتی تھی تو اسے فضا سے سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں ــــ "صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل....."

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے کمرے میں اپنے مشیروں اور اعلیٰ فوجی حکام سے جنگ کی باتیں کر رہا تھا۔ جاسوس جو نئی اطلاعیں لائے تھے جن کے مطابق اپنے پلان پر نظرِ ثانی کر رہا تھا، اور اُس وقت یہی محافظ سپاہی باہر پہرے پر کھڑا تھا جسے سیاہ ریش بزرگ نے نئی زندگی دکھائی تھی۔ مشیر وغیرہ بہت دیر بعد کمرے سے نکلے اور سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا۔ سپاہی کمرے میں چلا گیا اور اس نے تلوار سونت کر کہا ــــ "تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو؟" ــــ سلطان ایوبی نے چونک کر اسے دیکھا ــــ "اُسے آزاد کر دو وہ میری ہے" ــــ اور اس کے ساتھ ہی اس نے قہر اور غضب سے سلطان ایوبی پر تلوار کا وار کیا۔ سلطان خالی ہاتھ تھا۔ وہ پھرتی سے وار بچا گیا۔ اس نے باڈی گارڈز کے کمانڈر کو آواز دی اور لپک کر اپنی تلوار اٹھا لی۔

سپاہی نے اور زیادہ غضب ناک ہو کر اس پر حملہ کیا۔ اگر اس کے مقابلے کا تیغ زن سلطان ایوبی نہ ہوتا تو اس تجربہ کار سپاہی کا وار خالی نہ جاتا۔ سلطان ایوبی نے اس کے وار صرف روکے وار ایک بھی نہ کیا اور جب کمانڈر



دوڑتا اندر آیا تو سلطان ایوبی نے اُسے کہا ــــ "اس پر وار نہ کرنا۔ زندہ پکڑو"۔

سپاہی نے گھوم کر کمانڈر پر وار کیا۔ اتنے میں تین چار باڈی گارڈ اندر آ گئے۔ سپاہی کے قہر کا یہ عالم تھا کہ اس نے تلوار کے وار پر وار کر کے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ وہ چونکہ سلطان ایوبی کو قتل کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ اسی کی طرف لپکتا اور للکارتا تھا ــــ "تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو، میرے تخت و تاج کے غاصب ہو" ــــ آخر اس کو پکڑ لیا گیا۔ اس سے تلوار چھین لی گئی۔

"زندہ باد میرے محافظ" ــــ سلطان ایوبی نے غصے کا اظہار کرنے کی بجائے اسے خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا ــــ "سلطنتِ اسلامیہ کو تم جیسے تیغ زنوں کی ضرورت ہے" ــــ باڈی گارڈ کمانڈر اور دوسرے سپاہی حیران تھے کہ یہ تعریف کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے کمانڈر سے کہا ــــ "طبیب کو اور حسن بن عبداللہ کو فوراً بلاؤ"۔

سپاہی کو چار باڈی گارڈز نے جکڑ رکھا تھا اور وہ چلا رہا تھا ــــ "یہ میری محبت کا قاتل ہے۔ یہ میری قسمت کا قاتل ہے"۔

ایک باڈی گارڈ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا لیکن سلطان ایوبی نے کہا ــــ "اسے بولنے دو۔ ہاتھ ہٹا لو"۔ اس نے سپاہی سے کہا ــــ "بولو میرے دوست! بتاؤ تم مجھے کیوں قتل کرنے لگے تھے؟"

"اسے آزاد کر دو" سپاہی نے چلا کر کہا ــــ "تم نے اُسے پنجرے میں بند کر رکھا ہے۔ حضرت نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں قتل نہیں کر سکوں گا۔ آؤ میرا مقابلہ کرو۔ بزدلوں کی طرح اتنے آدمیوں کو اپنی جان بچانے کے لیے تم نے بلا لیا ہے۔ تلوار نکالو۔ میری تلوار مجھے دو۔ میدان میں آؤ"۔

سلطان ایوبی اُسے بڑی غور سے دیکھتا رہا۔ باڈی گارڈ سلطان ایوبی کے اس حکم کا انتظار کر رہے تھے کہ اس سپاہی کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ اس کا جرم معمولی نہیں تھا۔ اس نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اگر سلطان ایوبی بے خبری میں بیٹھا ہوتا یا وہ اس محافظ کو اندر آتے دیکھ نہ لیتا تو اس کا قتل ہو رہا تھا یقینی تھا مگر سلطان ایوبی نے اسے قید میں ڈالنے کا حکم نہ دیا۔ محافظ ہذیانی کیفیت میں بول رہا تھا..... اتنے میں طبیب آ گیا اور اس سے ذرا بعد حسن بن عبداللہ آ گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

"اسے لے جائیں" سلطان ایوبی نے طبیب سے کہا ــــ "یہ غالباً اچانک پاگل ہو گیا ہے"۔

"یہ آج ہی چار روز چھٹی کاٹ کر آیا ہے" باڈی گارڈ کے کمانڈر نے کہا ــــ "جب سے آیا ہے خاموش ہے"۔

اسے گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ طبیب بھی ساتھ ہی چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو بتایا کہ اس سپاہی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے اس شک کا اظہار کیا کہ یہ فدائی ہو گا۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ سپاہی کسی وجہ سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ حسن بن عبداللہ کو سلطان ایوبی نے کہا کہ اس کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی جائے۔

☆

بہت دیر بعد طبیب سلطان ایوبی کے پاس آیا اور انکشاف کیا کہ اس سپاہی کو کئی روز مسلسل نشے کی

حالت میں رکھا گیا ہے اور اس پر عمل تنویم (ہپناٹزم) کیا گیا ہے۔ طبیب نے اس کی سانس سونگھ کر معلوم کر لیا تھا کہ اسے نشہ آور چیزیں کھلائی یا پلائی گئی ہیں۔ اس نے سلطان ایوبی کو بتایا ـــ یہ عمل طب کے لیے کوئی عجوبہ نہیں۔ اس کا موجد حسن بن صباح ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک نشہ آور شربت تیار کیا تھا جس میں یہ اثر تھا کہ جو پی لے اسے نہایت حسین اور دل نشین مناظر نظر آتے تھے۔ اس کیفیت میں اس کے کان میں جو بات ڈالی جائے وہ اسی کو حقیقی روپ میں دیکھنے لگتا تھا جو دراصل تصور ہوتا تھا۔ حسن بن صباح نے اسی نشے اور عمل تنویم کی بنیادوں پر ایک جنت بنائی تھی جس میں داخل ہونے والے وہاں سے نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ منہ میں مٹی اور کنکریاں ڈال کر سمجھتے تھے کہ مرغن کھانے کھا رہے ہیں۔ کانٹوں پر چلتے تو سمجھتے تھے کہ مخمل پر چل رہے ہیں۔ حسن بن صباح تو مر گیا اس کا یہ شربت اور عمل پیچھے رہ گیا۔ اس کا گروہ قاتلوں کا گروہ بن گیا۔ اپنے مقاصد کے لیے یہ گروہ حسین لڑکیوں اور اس شربت کا استعمال کرتا ہے۔ اس سپاہی کو آپ کے قتل کے لیے اس عمل کا شکار بنایا گیا ہے۔"

طبیب نے یہ تشخیص کر کے سپاہی کو دوائیاں پلا دی تھیں جنہوں نے اس کی ذہنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا اور وہ گہری نیند سو گیا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے پہلے ہی طبیب سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ سپاہی اپنی حقیقی حالت میں نہیں۔ وہ سراغ رساں تھا۔ اس نے باڈی گارڈوں سے معلوم کر لیا کہ یہ سپاہی چار روز کی چھٹی گیا تھا لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس نے چھٹی کہاں گزاری ہے۔ شہر میں ناگوں والے قلعے کے متعلق جو باتیں مشہور ہو گئی تھیں وہ حسن بن عبداللہ تک اس کے جاسوسوں کے ذریعے پہنچی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ قلعے میں ایک بزرگ نمودار ہوا ہے جو غیب کا حال بتاتا اور مرادیں پوری کرتا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اس قسم کے بزرگوں اور پیروں پیغمبروں کی آمد و رفت لگی ہی رہتی تھی۔ مجذوب اور دیوانے آدمی کو بھی لوگ برگزیدہ انسان کہہ کر ان سے مرادیں پوری کرانے لگتے تھے۔ حسن بن عبداللہ کو ایک جاسوس نے بتایا کہ اس نے ایک سیاہ ریش آدمی کو دو بار قلعے کے اندر جاتے دیکھا ہے۔

قلعے کے ارد گرد گھومنے پھرنے والوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو ایک آدمی نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور سفید چغے والا ایک آدمی قلعے کے اندر آتا جاتا دیکھا گیا ہے۔ ایسی چند اور شہادتیں حاصل کر کے حسن بن عبداللہ نے سورج غروب ہونے سے پہلے فوج کے ایک دستے سے چھاپہ مارا۔ مشعلیں ساتھ تھیں۔ قلعہ اندر سے کچھ پیچیدہ سا تھا۔ گری ہوئی دیواروں اور چھتوں کا ملبہ بھی تھا۔ کئی کمرے سلامت تھے۔ فوجیوں کو ہر طرف پھیلا دیا گیا۔ کسی گوشے سے شور اٹھا۔ کچھ سپاہی ادھر دوڑے گئے۔ وہاں دو سپاہی پڑے تڑپ رہے تھے۔ ان کے سینوں میں تیر اترے ہوئے تھے۔ کہیں سے تین چار تیر آئے۔ تین چار سپاہی اور گر پڑے۔ بعض سپاہی اس ڈر سے پیچھے ہٹ آئے کہ یہاں کوئی انسان نہیں ہو سکتا۔ یہ جن بھوت ہوں گے۔ حسن بن عبداللہ حقیقت پسند انسان تھا۔ اس نے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں بتایا کہ یہ تیر انسانوں کے چلائے ہوئے ہیں۔ اس نے گھیرے کی ترتیب بدل دی اور گھیرا تنگ کرنے لگا۔ وہاں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ کہیں سے دو چار تیر آتے اور دو چار سپاہی زخمی ہو جاتے تھے۔

حسن بن عبداللہ نے فوج کا ایک اور دستہ منگوا لیا۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ بے شمار مشعلیں منگوائی گئیں۔ ایک دستے کا کمانڈر اس کمرے تک پہنچ گیا جہاں سپاہی آ تا رہا تھا۔ اس کھنڈر نے کھنڈر میں ایسے سجے سجائے کمرے کو دیکھ کر سپاہی ڈر گئے۔ یہ جنوں کا ہی مسکن ہو سکتا تھا۔ حسن بن عبداللہ کو بلایا گیا۔ اس نے اندر جا کر سامان دیکھا تو اس پر راز کھلنے لگے۔ اتنے میں چند ایک سپاہیوں نے سیاہ ریش والے آدمی کو کہیں سے پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ ان کے بعد چھ اور آدمی کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے پکڑے گئے۔ ان کے پاس کمانیں اور تیر تھے۔ سیاہ ریش نے خدا کا برگزیدہ انسان اور تنہائی میں چلّہ کاٹنے والا تارک الدنیا بننے کی بہت کوشش کی لیکن اتنی حسین اور جوان لڑکی اور تیر و کمان سے مسلح افراد اور ان کا فوج کے ساتھ مقابلہ اسے جھٹلا رہا تھا۔ ان کے سامان پر قبضہ کر لیا گیا اور ان سب کو لے گئے۔

تین چار مرتبان، صراحیاں اور پیالے بھی برآمد ہوئے تھے۔ یہ چیزیں رات کو طبیب کو دے دی گئیں۔ اس نے مرتبانوں اور صراحیوں کو سونگھ کر ہی بتا دیا کہ ان میں وہ شربت ہے جو حسن بن صباح کی ایجاد تھا ـــ ان تمام آدمیوں اور لڑکی کو قید خانے میں لے گئے۔

☆

صبح طلوع ہو رہی تھی جب لڑکی نے اذیت کے پہلے مرحلے میں ہی بتا دیا کہ یہ گروہ فدائیوں کا ہے اور یہ لوگ نیا حلف لے کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کر کے لوٹیں گے ورنہ مر جائیں گے۔ لڑکی نے بتایا کہ اس محافظ سپاہی کو سیاہ ریش نے پھانسا تھا اور اسے نشہ پلا کر اس پر عمل تنویم کیا جاتا تھا۔ سپاہی کے ذہن میں اس نشے اور عمل کے ذریعے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایسی نفرت پیدا کی گئی کہ وہ سلطان کو قتل کرنے کے لیے چل پڑا۔ ان لوگوں کو توقع تھی کہ سلطان ایوبی اس سپاہی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا اس لیے وہ اطمینان سے قلعے میں بیٹھے رہے۔ سیاہ ریش جاسوسی کے لیے گیا تھا لیکن اسے کچھ پتہ نہیں چل سکا، نہ اسے وہ سپاہی کہیں نظر آیا۔ شام کے وقت اچانک فوج آ گئی۔

سیاہ ریش بڑا سخت جان نکلا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اس کھنڈر میں ایک وظیفے کا چلّہ کرنے آیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پہلے انکار کیا لیکن حسن بن عبداللہ نے جب انہیں تہہ خانے میں لے جا کر اذیت رسانی کے عمل میں ڈالا تو انہوں نے باری باری اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ سیاہ ریش کو جب ان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو اس کے لیے انکار کی کوئی صورت نہ رہی۔ اس نے جب اپنے ساتھیوں کی حالت دیکھی تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسے کہا گیا کہ وہ تمام تر واقعات پوری تفصیل سے سنا دے تو اسے باعزت طریقے سے رکھا جائے گا ورنہ اسے مسلسل اذیتوں میں ڈال کر مرنے بھی نہیں دیا جائے گا اور زندہ رہنے کے قابل بھی نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس نے تہہ خانے میں اذیت رسانی کا سامان اور طریقے دیکھے تو وہ سب کچھ بتانے پر رضامند ہو گیا۔

اس کے بیان کے مطابق وہ فدائی قاتلوں کے گروہ کا آدمی تھا۔ فدائیوں کے سرغنہ شیخ سنان کا

خصوصی تجربہ کار قاتل تھا لیکن وہ اپنے ہاتھوں قتل نہیں کرتا تھا۔ اُس کا طریقۂ کار اسی قسم کا تھا جو اس نے اس واردات میں استعمال کیا تھا۔ یہ حسن بن صباح کی ایجاد تھی۔ اگر اس فرقے کے متعلق کتابیں پڑھی جائیں تو ان میں اس طریقے کی تفصیلات واضح ہو جاتی ہیں۔ تمام مصنفین نے رائے دی ہے کہ حسن بن صباح کو خدا نے غیر معمولی عقل عطا کی تھی جو اس نے شیطانی کاموں میں استعمال کی۔ اس سپاہی کو جس طرح سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کیا گیا وہ اس فرقے کا ایک عام طریقۂ قتل تھا۔ اس سپاہی کی مثال سے اس فرقے کے طریقۂ قتل کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا جائے تو کسی کو بھی اپنا آلۂ کار بنانا حیران کن نہیں لگتا۔ اس سپاہی کے لاشعور پر قبضہ کر کے اس میں سلطان ایوبی کے خلاف نفرت ڈالی گئی پھر اسے جذبۂ انتقام میں بدلا گیا۔

سیاہ داڑھی والے نے بتایا کہ چونکہ سلطان ایوبی پر پہلے چار قاتلانہ حملے ناکام ہو چکے تھے اس لیے اس شخص کو بھیجا گیا تھا کہ وہ اپنا خصوصی طریقہ استعمال کرے۔ سلطان ایوبی پر پہلے چار حملے براہِ راست کیے گئے تھے۔ یہ دیکھ لیا گیا تھا کہ سلطان ایوبی کو سیدھے طریقے سے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ سیاہ ریش (جس کا نام وقائع نگاروں کے ہاں محفوظ نہیں) اپنے گروہ کے چھ تجربہ کار آدمیوں اور ایک لڑکی کو دمشق لے گیا۔ اس نے ناگوں والے ویران قلعے کو اپنا مسکن بنایا۔ اس میں یہ گروہ رات کے اندھیرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے اپنا سامان بھی رات کو وہاں پہنچایا۔ اس گروہ کے آدمیوں نے شہر میں یہ افواہ پھیلائی کہ قلعے میں ایک درویش نمودار ہوا ہے جس کے ہاتھ میں غیبی طاقت ہے اور وہ مستقبل کی باتیں بتاتا ہے۔ ان افواہوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگ قلعے میں آئیں اور سیاہ ریش کو غیب سے نمودار ہونے والا درویش یا پیغمبر تسلیم کریں۔ اپنی یہ حیثیت منوا کر وہ کسی ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کو قبضے میں لے کر سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر خلافِ توقع لوگ قلعے میں نہ آئے جس کی وجہ یہ تھی کہ قلعے کے متعلق بڑی ہی ڈراؤنی روایات مشہور تھیں۔ ان میں یہ روایت سب سے زیادہ خطرناک تھی کہ دونوں ناگوں کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے اور اب انسانوں کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں، اور کوئی ان کے قریب جائے تو اُسے نگل لیتے ہیں۔

گروہ کا سرغنہ منجھا ہوا قاتل تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سکیم آئی کہ سلطان ایوبی کے دستے کے کسی سپاہی کو استعمال کیا جائے۔ چنانچہ وہ کئی روز یہ دیکھتا رہا کہ محافظ دستے کے سپاہی کہاں رہتے ہیں اور ان کی ڈیوٹی کس طرح لگتی ہے۔ وہ سلطان ایوبی کے دفتر تک اور گھر تک نہ پہنچ سکا کیونکہ ان دونوں جگہوں کے قریب کوئی شہری یا فوجی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ ممنوعہ علاقہ تھا۔ تاہم اس استاد نے اس محافظ سپاہی کو دیکھ لیا اور کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کے دفتر کے محافظوں میں سے ہے۔ یعنی یہ آسانی سے سلطان ایوبی تک پہنچ سکتا تھا۔ اُس نے اس سپاہی پر نظر رکھی۔ اُس وقت سیاہ ریش کا حلیہ کچھ اور تھا۔ ایک روز یہ سپاہی اسے باہر جاتا نظر آ گیا۔ سیاہ ریش نے اسے راستے میں روک لیا اور اس کے ساتھ ایسی باتیں کیں جنہیں کوئی انسان خواہ وہ کتنی ہی مضبوط شخصیت کا ہو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کے لیے جو لب و لہجہ اختیار کیا گیا اور جو اداکاری کی گئی وہ انسانی فطرت پر طلسماتی اثر کرتی ہے۔ یہ سپاہی معمولی سے ذہن کا پسماندہ آدمی تھا، جال میں آ گیا اور رات کو قلعے میں پہنچ گیا۔



قلعے کے ایک کمرے میں جو اہتمام کیا گیا تھا وہ پتھروں کو موم کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایک تو کمرے کی سجاوٹ تھی، اور بیش قیمت قالین۔ دوسرے یہ لڑکی تھی جس کے حسن میں اور جسمانی ساخت میں جادو تھا۔ اس کا لباس ایسا تھا جس میں وہ نیم عریاں تھی اور اس کے کھلے ہوئے ریشمی بالوں کا تاثر نشہ طاری کرتا تھا۔ سیاہ ریش کے کہنے کے مطابق یہ لڑکی، اس کا لباس اور انداز زاہدوں اور پرہیزگاروں میں بھی حیوانی جذبہ بیدار کر دیتا ہے۔ تیسری اور اصل چیز وہ شربت تھا جو وہ لوگ اپنے شکار کو پلاتے تھے۔ شیشے کا گولا فریبِ نظر پیدا کرنے کے لیے تھا۔ اس سپاہی کے ذہن میں یہ ڈالا گیا کہ وہ شاہی خاندان کا فرد ہے اور اس کا خاندان تختِ سلیمان کا وارث ہے۔ تختِ سلیمان کا وجود تھا یا نہیں، دلچسپ کہانیوں میں اس کا بہت ذکر آتا ہے اور ایسے انداز سے آتا ہے کہ یہ ایک حسین اور پُراسرار تصور کی طرح لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہو جاتا ہے۔

یہ سپاہی جب اس کمرے میں داخل ہوا تو کمرے کی زیبائش اور قیمتی سامان نے اسے متاثر کیا۔ سیاہ ریش مراقبے کی حالت میں تھا۔ اس کا بھی اثر تھا۔ اس نے جب اتنی حسین لڑکی دیکھی تو مرعوب ہو گیا۔ لڑکی نے اسے جو شربت پلایا اس میں نشہ تھا۔ اس نشے کا اثر یہ تھا کہ انسان حقیقی دنیا سے لاتعلق ہو کر حسین تصورات کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اس پر عملِ تنویم کیا جاتا تھا یعنی اسے ہپناٹائز کر لیا جاتا اور اس کے ذہن میں اپنے مطلب کے تصورات ڈالے جاتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا جو گولا دیا جاتا تھا اس میں سے قندیل کی لو کے کئی رنگ نظر آتے تھے۔ جو کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ شیشے کی ساخت ایسی تھی کہ اس میں سے گزرتی روشنی اپنے ساتوں رنگوں میں نظر آتی تھی۔ ان رنگوں کا ذہن پر اثر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انتہائی حسین لڑکی سپاہی کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتی اور باتوں میں یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے۔ سیاہ ریش سریلی اور پُراثر آواز میں بولنے لگتا تھا۔ اس کے الفاظ سپاہی کے کان میں پڑتے تو اس کے ذہن میں مطلوبہ تصور آراستہ کرتے تھے۔ سیاہ ریش بھانپ لیتا تھا کہ سپاہی اپنے آپ میں نہیں رہا۔ اس وقت وہ اس کے ہاتھ سے شیشے کا گولا لے کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتا اور اسے ہپناٹائز کر لیتا تھا۔

سپاہی جسے اپنی آواز سمجھتا تھا وہ سیاہ ریش کی آواز ہوتی تھی۔ پھر وہ اُس مرحلے میں داخل ہو جاتا تھا جہاں وہ اپنے تصور کو حقیقی سمجھ کر اس کا حصہ بن جاتا تھا۔ کمزور شخصیت کے سپاہی نے یہ اثرات قبول کر لیے۔ سیاہ ریش نے حقیقی دنیا میں واپس لے آیا۔ اس مقصد کے لیے اسے کچھ سونگھایا جاتا تھا۔ سیاہ ریش دوسرے کمرے میں چلا جاتا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ اکیلی رہ جاتی۔ وہ سپاہی کے اعصاب اور دماغ پر غالب آ جاتی۔ اس مقصد کے لیے وہ ایسی حرکات اور ایسی باتیں کرتی تھی جس کے اثر سے کم از کم یہ سپاہی بچ نہیں سکتا تھا۔ سپاہی کو صرف تختِ سلیمان دکھا کر رخصت کر دیا گیا اور اس کے ذہن میں یہ ڈال دیا گیا کہ راز ابھی باقی ہے۔ سپاہی کے دل میں تجسس پیدا ہو گیا۔ دوسری بار اس پر یہی عمل کیا گیا اور اسے کچھ اور دکھا دیا گیا۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سپاہی پوری طرح اُن کے جال میں آ گیا اور وہ اس کے ذہن پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ اب ان کی منت سماجت کرتا تھا کہ اسے سارا راز بتایا جائے۔ اسے کہا گیا کہ وہ کئی روز ان کے پاس رہے۔ اس نے چھٹی لے لی۔ وہ یہی

چاہتے تھے۔

ان چار دنوں اور چار راتوں کے عرصے میں مسلسل نشے اور ہپناٹزم کے زیر اثر رکھا گیا اور اس کے ذہن لاشعور میں صلاح الدین ایوبی کا تصور پیدا کر کے یہ بات ڈال گئی کہ سلطان ایوبی سپاہی کے دادا اور باپ کا قاتل ہے اور اس کے تخت پر بھی اس نے قبضہ کر رکھا ہے۔ سپاہی کو ایک حسین لڑکی کا تصور دکھایا گیا، پھر یہ دکھایا گیا کہ سلطان ایوبی نے اس لڑکی کو پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ چار روز بعد اسے اسی حالت میں قلعے سے نکال دیا گیا۔ وہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ اسے جوں ہی موقع ملا اس نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔

☆

سپاہی بیہوش پڑا تھا۔ طبیب نے اس کے ذہن سے نشے اور شربت کا اثر زائل کرنے کے لیے دوائی دی تھی۔ وہ حقیقت اور تصورات کے درمیان بھٹک رہا تھا۔ معلوم نہیں اس کے اعصاب پر کیسے کیسے اثرات تھے کہ اثرات اترتے ہی اعصاب جواب دے گئے۔ طبیب نے اسے ہوش میں لانے کے کچھ طریقے اختیار کیے اور دو روز بعد سپاہی نے آنکھ کھولی۔ وہ اس طرح اٹھا جیسے گہری نیند سو گیا تھا اور خواب دیکھتا رہا تھا۔ اپنے ارد گرد کھڑے آدمیوں کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ طبیب نے اسے پوچھا کہ وہ کہاں تھا؟ — اس نے کہا کہ وہ سویا ہوا تھا۔ بہت دیر بعد وہ اپنے آپ میں آیا تو وہ زیادہ کچھ نہ بتا سکا۔ اس نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور چغے والا ایک آدمی اسے قلعے میں لے گیا تھا۔ وہاں کی اس نے کچھ اور باتیں بھی بتائیں لیکن اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ اس نے حشمت سلیمانی وغیرہ دیکھا ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے سلطان ایوبی پر تلوار سے حملہ کیا تھا۔

یہ یقین کرنے کے لیے کہ سپاہی دھوکہ نہیں دے رہا، اسے سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے فوجیوں کی طرح سلطان کو سلام کیا۔ سلطان ایوبی نے اس کے ساتھ شفقت اور پیار سے بات کی مگر وہ حیران تھا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے اور یہ کیا کر رہے ہیں۔ آخر اسے بتایا گیا کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ چلا اٹھا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میں اپنے سلطان پر حملہ نہیں کر سکتا" — سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ بے گناہ ہے۔ اسے یاد ہی نہ کرایا جائے کہ اس نے کیا کیا ہے۔

☆ ☆

# صلیب کے سائے میں

قتل کا یہ طریقہ صلاح الدین ایوبی کے فوجی حاکموں وغیرہ کے لیے بڑا ہی عجیب تھا کہ سلطان ایوبی پر جان قربان کرنے والے ایک محافظ کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے کر سلطان ایوبی پر ہی قاتلانہ حملہ کرا دیا۔ اللہ نے کرم کیا کہ سلطان ایوبی بال بال بچ گیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے جو کانفرنس بلائی اس میں دمشق کی انتظامیہ اور فوج کے حکام بلائے گئے تھے۔ ان سب کے مزاج اُکھڑے ہوئے تھے۔ سب غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ سب الصالح اور اس کے اُمراء وزراء سے بہت جلد انتقام لینے کو بے تاب ہوئے جا رہے تھے جنہوں نے سلطان ایوبی کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ سلطان نے انہیں قاتلانہ حملے پر غور و خوض کرنے کے لیے بلایا ہے لیکن سلطان آیا تو اس نے اس واقعہ کا ذکر ہی نہ کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اسے اس وقت تک جاسوسوں نے دشمن کی سرگرمیوں کی جو اطلاعات دی تھیں وہ ان کے مطابق اپنے پلان کی تبدیلی کے متعلق سب کو آگاہ کر رہا تھا۔ اس کا رویہ اور انداز سرد سا تھا۔

جونہی اس نے اپنا لیکچر ختم کیا سب بھڑک اٹھے۔ وہ انتقام کی باتیں کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے بے نیازی سے مسکرا کر وہی بات کہی جو وہ پہلے بھی کئی بار کہہ چکا تھا "اشتعال، غصے اور جذباتیت سے بچو۔ دشمن آپ کو مشتعل کر کے ایسی کارروائی پر مجبور کرنا چاہتا ہے جس میں عقل کی بجائے جذبات اور غصہ ہو۔ میرا تمام تر منصوبہ ایک قسم کی انتقامی کارروائی ہے لیکن انتقام اپنی ذات کا نہیں اپنے مذہب کا۔ میری جان اور میری ذات اور تم میں سے ہر کسی کی جان اور ذات کی اس سے بڑھ کر کوئی اہمیت نہیں کہ تم اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے پاسبان ہو۔ تم سب کو جانیں قربان کرنی ہیں۔ خواہ میدانِ جنگ میں مارے جاؤ، خواہ دھوکے میں دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔ حکمران اور مجاہد میں یہی فرق ہے۔ حکمران اپنی حکومت کی اور اپنی ذات کی حفاظت کرتا ہے اور مجاہد اپنے ملک و ملت پر قربان ہوتا ہے۔ الصالح اور اس کے امیر وزیر اپنی بادشاہی کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی ہے اس لیے وہ ناکام ہوں گے۔"

اس نے اپنی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ ایسے تمام کھنڈر نما اور پرانی عمارتوں کو جن کا کوئی مصرف نہیں مسمار کرا دے۔ اس نے یہ ہدایات بھی جاری کیں کہ مسجدوں میں اس موضوع پر خطبے دیے جائیں کہ دونوں جہان کا حاکم خدا ہے اور غیب کا حال اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ خدا کا کوئی بندہ

خدا اور بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ خدا ہر کسی کی سنتا ہے اور کسی انسان کے آگے سجدہ ناجائز ہی نہیں گناہ ہے۔ تم بت پرستی سے لوگوں کو بچاؤ۔ اس نے کہا۔ اپنے سپاہیوں کو بتاؤ کہ جس طرح میدانِ جنگ میں اپنے جسم کو دشمن کی تلوار سے بچاتے ہو اور وار روکتے ہو، اسی طرح ذہن اور دل کو بھی دشمن کے وار سے بچاؤ۔ یہ وار تلوار کا نہیں زبان کا ہوتا ہے۔ جسم کے زخم مل جاتے ہیں، جسم زخمی ہو کر بھی لڑتا رہتا ہے مگر ذہن اور دل پر زخم آ جائے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے۔ تم نے نشے کا اثر دیکھ لیا ہے۔ میرے اپنے محافظ نے مجھ پر ہی حملہ کر دیا۔ جب نشہ اترا تو وہ مان نہیں رہا تھا کہ اس نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ اس نشے میں ایک خوبصورت لڑکی کا نشہ بھی شامل تھا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ حالت صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں تم اپنا غلام اور مویشی بنا لیتے ہو۔ ان میں ذمہ داری کا اور مسلمان کی عظمت کا احساس بیدار کرو۔ ان پر ذمہ داریوں اور قومی وقار کا نشہ طاری کر دو۔ ملک و ملت کا وقار اور اس وقار کا دفاع ان کے ایمان میں شامل کر دو، پھر ان پر کوئی اور نشہ طاری نہیں ہو سکے گا۔“

سلطان ایوبی نے حملے کا جو پلان بنایا تھا اس کے مطابق قلعہ بہ قلعہ آگے بڑھنا تھا۔ مضبوط اور مشہور قلعے حمص، حلب اور حماۃ کے تھے۔ حلب شہر الگ تھا۔ اس کے دفاعی انتظامات مضبوط تھے اور شہر سے کچھ دور قلعہ تھا جسے قلعہ حلب کہا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ کئی اور قلعہ بندیاں تھیں جن میں زیادہ تر پہاڑی اور دشوار گزار علاقے میں تھیں۔ سب سے بڑی دشواری اس علاقے کی سردی تھی۔ پہاڑیوں پر برف باری بھی ہوتی تھی جو سردی میں اضافہ کر دیتی تھی۔ چونکہ وہاں سردیوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی اس لیے مخالفین نے اپنی فوج جو مختلف امراء کے زیرِ کمان تھی قلعہ بند کر دی تھی۔ ان کے صلیبی مشیروں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا۔ ادھر سلطان ایوبی نے سردیوں میں ہی لڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اسے جاسوس مسلسل خبریں دے رہے تھے۔

ان خبروں میں ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ حلب کی مسجدوں میں امام اور خطیب لوگوں کو اس موضوع پر وعظ اور خطبے دے رہے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی وہ گناہگار انسان ہے جس نے بادشاہی کے لالچ اور نشے میں اور جنگی طاقت کے گھمنڈ میں خلیفہ کا نام خطبے سے نکال دیا ہے۔ سلطان ایوبی کو عیاش اور بدکار کہا جا رہا تھا، اور یہ بھی کہ خطبے میں خلیفہ کا نام نہ لیا جائے تو خطبہ مکمل نہیں ہوتا اور نامکمل خطبہ گناہ ہے۔ سراؤں، مسافر خانوں اور بازاروں میں بھی یہی الفاظ سنے اور سنائے جا رہے تھے کہ صلاح الدین ایوبی عیاش اور بدکار ہے اور نام کا مسلمان۔

اس کے ساتھ ہی جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق لوگوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی جنون پیدا کیا جا رہا تھا۔ الصالح کی فوج تھوڑی تھی۔ آدھی فوج سپہ سالار توفیق جواد کے زیرِ کمان سلطان ایوبی کے ساتھ مل گئی تھی۔ لہٰذا الصالح کے مفاد پرست مسلمان امراء اور حکمران شہریوں کو لڑنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ ان منصوبوں میں صلیبیوں نے اس طرح جان ڈال دی تھی کہ جن علاقوں پر اُن کا قبضہ تھا وہاں کے صلیبی باشندوں کی خاصی تعداد کو حلب، موصل اور دیگر قصبوں اور دیہات میں ان ہدایات کے ساتھ آباد کر دیا تھا کہ وہ وہاں کے مسلمانوں کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکاتے اور اکساتے رہیں۔



جاسوسوں نے بتایا تھا کہ حلب میں شہریوں نے جنگی تربیت کا انتظام کر لیا ہے۔ ہر کوئی ہتھیاروں کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ جنگی جنون کے ساتھ لوگوں پر اضطراری اور ہیجانی کیفیت بھی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ البتہ پرانی عمر کے مسلمان بہت ہی پریشان تھے اور کہتے تھے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے کہ مسلمان مسلمان سے ٹکرائے گا مگر ان کی آواز صلاح الدین ایوبی کے خلاف تحریروں اور بہتان تراشی کے شور و غوغا میں دبتی جا رہی تھی۔ یہ آواز صلیبیوں کے عزائم کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے اسے دبانے کا خاص اہتمام کیا تھا۔ یہ سارا منصوبہ دراصل تھا ہی صلیبیوں کا۔ کسی ایک مسجد سے پرانے اماموں اور خطیبوں کو نکال دیا گیا تھا کیونکہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر مسلمان کو مسلمان کے خلاف بھڑکانے کا گناہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الصالح نے تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو زر و جواہرات اور بے انداز خزانہ اس کام کی اجرت کے لیے بھیج دیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ جنگ کی صورت میں وہ اُسے جنگی مدد دے گا۔ ریمانڈ نے یہ اجرت وصول کر کے اپنے چند ایک فوجی کمانڈر مشیروں کی حیثیت سے حلب بھیج دیئے تھے۔ ان میں انٹیلی جنس کا ایک ماہر بھی تھا جو تخریب کاری میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ ان مشیروں نے آتے ہی حلب میں مسلمان فوجوں کی مشترکہ ہائی کمانڈ بنا دی تھی۔ فوجیں مختلف قلعوں میں تھیں۔ ان فوجوں کے کمانڈروں میں سیف الدین والیٔ موصل، ایک قلعہ دار گمشتگین جسے گورنر کا درجہ حاصل تھا، الملک الصالح اور عزالدین قابلِ ذکر ہیں۔ ریمانڈ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جنگ کی صورت میں وہ عقب سے صلاح الدین ایوبی کی کمک اور رسد کو روکے رکھے گا اور وہ جہاں کہیں محاصرہ کرے گا، صلیبی فوج باہر سے حملہ کر کے محاصرہ توڑ دے گی۔

☆

دمشق میں سلطان ایوبی دوسرے تیسرے دن تمام کمانڈروں کی کانفرنس بلاتا تھا۔ فوجوں کی ٹریننگ خود بھی دیکھتا اور کمانڈروں سے رپورٹیں بھی لیتا تھا۔ راتوں کو کپڑوں کے بغیر ٹریننگ دے کر اس نے اپنی فوج کو سردیوں میں لڑنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ قریب چٹانیں تھیں۔ اس نے صحرا میں بھاگنے دوڑنے والے گھوڑوں کو چٹانوں پر چڑھنے اور اترنے کا عادی بنا دیا تھا۔ ادھر حلب میں بھی دو تین کانفرنسیں ہو چکی تھیں۔ وہاں کے کمانڈروں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج رات کو جنگی مشقیں کرتی ہے لیکن انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ایوبی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہمارے سامنے آئے گا تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ ان کمانڈروں میں کوئی ایک بھی انٹیلی جنس کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا تھا۔ یہ اہتمام بھی صلیبیوں نے کیا تھا کہ دمشق میں جاسوس بھیجے تھے اور شیخ سنان نے فدائی قاتل اور تخریب کار بھیجے تھے، مگر ریمانڈ نے اپنا ایک ماہر بھیج دیا تو اس نے اس اطلاع پر توجہ دی کہ سلطان ایوبی راتوں کو کیوں جنگی مشقیں کرا رہا ہے۔ اس نے حلب کے کمانڈروں کی کانفرنس میں ابھی یہ مسئلہ پیش نہیں کیا تھا۔ وہ ابھی اس کی وجہ معلوم نہیں کر سکا تھا۔

سلطان ایوبی نے تو حلب اور موصل وغیرہ میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا۔ ان کی زمین دوز مرکزی کمانڈ حلب میں تھی اور کمانڈر ایک عالم فاضل کے بہروپ میں تھا جو تمام جاسوسوں سے خبریں لیتا اور دمشق بھیجنے کا

انتظام کرتا تھا۔ وہ اپنے جاسوسوں کی حفاظت کا اور انہیں خطرے کے وقت روپوش کرنے کا بندوبست بھی کرتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہنے میں وہ پیش پیش تھا۔ جہاں لوگ اس کا احترام کرتے تھے وہاں امیر و وزیر اور اونچی حیثیت کے شہری بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے جاسوسوں کا گروہ ہر ضروری جگہ موجود تھا۔ الملک الصالح کے محل کے باڈی گارڈز میں بھی جاسوس موجود تھے۔ دو جاسوس خصوصی پہرہ داروں کی حیثیت سے خلیفہ کی مرکزی کمانڈ کی اس عمارت تک بھی پہنچ گئے تھے جہاں اُن کی جنگی کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ صلیبی جاسوسوں کے کمانڈر نے آتے ہی ایک تو اس پر توجہ دی کہ دمشق میں جاسوسی کے نظام کو مضبوط اور کارگر بنایا جائے اور حلب میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس ہیں ان کا سراغ لگایا جائے۔

سلطان ایوبی کے ان دو جاسوسوں میں جو حلب کی ہائی کمانڈ کے پہرہ داروں میں شامل ہو گئے تھے ایک خلت نام کا جاسوس تھا۔ ایک عمارت کے کئی چھوٹے کمرے تھے اور اس میں ایک ہال تھا جو ضیافتوں، ناچ گانے اور دربار منعقد کرنے کے کام آتا تھا۔ خوب سجا ہوا تھا۔ جب سے حلب کے امیروں وزیروں نے صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھا تھا، اس ہال کو اور زیادہ سجایا گیا تھا۔ ناچ گانے کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ ناچنے والیاں جو رکھی گئی تھیں وہ چُنی ہوئی خوبصورت، جوان اور فن کی ماہر تھیں۔ ان رقاصاؤں میں صلیبیوں نے اپنی لڑکیوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ یہ پیشہ ور لڑکیاں تھیں جو حلب کے امیروں وزیروں کو انگلیوں پر نچاتی رہتی تھیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ امیروں کے خصوصی درباریوں، امراء اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں پر نظر رکھیں اور بھانپتی رہیں کہ ان میں کوئی سلطان ایوبی کا وفادار تو نہیں۔ اس کے علاوہ یہ لڑکیاں ان اعلیٰ حکام وغیرہ کے دلوں میں صلیبیوں کی محبت اور صلیب کی وفاداری پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

کبھی کبھی اس ہال میں ضیافت ہوتی تھی جس میں شراب کے مٹکے خالی ہوتے، رقص ہوتا اور جب شراب اپنا رنگ دکھاتی تو بدکاری انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔ اس بڑے کمرے میں جنگی کانفرنسیں بھی ہوتی تھیں۔ اس کے بڑے دروازے پر باڈی گارڈز کے دو پہریدار کمرے تلواریں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیے مستعد کھڑے رہتے تھے۔ تین چار گھنٹوں بعد پہریدار بدلتے تھے۔ خلت سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور پہرہ دار بھی جاسوس تھا۔ ان دونوں کا پہرہ اکٹھا لگا کرتا تھا۔ انہوں نے یہاں سے بہت سی معلومات حاصل کیں اور دمشق بھیجی تھیں۔ ایک شام ایک نئی رقاصہ آئی۔ اُس شام ہال میں ضیافت تھی۔ مہمان بھی آ رہے تھے۔ ناچنے گانے والیاں اور دوسری لڑکیاں بھی آ رہی تھیں۔ خلت اور اس کا ساتھی ان سب کو جانتے پہچانتے تھے۔ دُور دُور کے قلعہ دار بھی آئے ہوئے تھے۔ مہمانوں میں ایک آدمی نیا تھا۔ یہ ریمانڈ کا بھیجا ہوا جاسوسوں کا کمانڈر تھا۔ خلت نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ کون ہے۔ اسے اب اس کی سرگرمیاں دیکھنی تھیں۔

اس کے علاوہ اس نے ایک اور نیا چہرہ دیکھا۔ یہ ایک لڑکی تھی جسے وہ تین چار دنوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ نئی آئی تھی۔ خلت اپنے ساتھی کے ساتھ ڈیوٹی ختم کر کے جا رہا تھا کہ یہ لڑکی سامنے آگئی۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ چہرہ اسے جانا پہچانا لگا مگر وہ سمجھا کہ چہروں میں مشابہت بھی ہوتی ہے۔ اس نے توجہ ہٹالی لیکن اس لڑکی نے اُسے کچھ زیادہ ہی غور



سے دیکھا اور اُسے دیکھتی آگے نکل گئی۔ خلت نے گھوم کر دیکھا تو لڑکی رُک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے دن بھی ایسے ہی ہوا۔ خلت نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ رقاصہ ہے۔ وہ کوئی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ خلت سپاہی تھا۔ اس کا ایسی لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ شہزادی قسم کی رقاصہ تو امیروں کی ملکیت تھی۔ البتہ خلت کو ایک اور لڑکی یاد آ گئی تھی جس کی شکل و صورت اس رقاصہ سے ملتی جلتی تھی۔

☆

وہ گیارہ بارہ سال پہلے کی بات تھی جس کی یاد بھی خلت کے ذہن سے محو ہوتی جا رہی تھی۔ اُس وقت خلت سترہ اٹھارہ سال کا نوجوان تھا۔ وہ دمشق سے تھوڑی ہی دُور ایک گاؤں میں رہتا تھا اور اپنے باپ کے ساتھ کھیتی باڑی کیا کرتا تھا۔ وہ خوبرو بھی تھا اور اس کی طبیعت بہت شگفتہ تھی۔ ہنسی مذاق زیادہ کرتا تھا اور حاضر جواب بھی تھا۔ اسی لیے گاؤں میں بچے سے بوڑھے تک اُسے سب بہت چاہتے تھے۔ ہجرت کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا تھا۔ جن علاقوں پر صلیبی قابض تھے وہاں سے مسلمان کنبے صلیبیوں کے جور و ستم سے تنگ آکر مسلمانوں کی عملداری کے علاقوں میں آتے رہتے تھے۔ مقامی لوگ ان کی مدد امداد کرتے اور انہیں آباد کر لیتے تھے۔ ایسا ہی ایک کنبہ کہیں سے ہجرت کر کے خلت کے گاؤں میں آگیا۔ اس میں حمیرہ نام کی ایک بچی تھی جس کی عمر اُس وقت گیارہ بارہ سال تھی۔ خوبصورت بچی تھی۔

گاؤں والوں نے اس کنبے کو آباد کر لیا اور کھیتی باڑی کے لیے زمین اور سامان بھی مہیا کر دیا۔ حمیرہ کے بہن بھائی چھوٹے تھے۔ کام کرنے کے قابل صرف باپ تھا۔ خلت نے اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ حمیرہ کو خلت کی باتیں اچھی لگتی تھیں اور خلت کو یہ بچی اچھی لگتی تھی۔ وہ خلت کے گھر آ جایا کرتی۔ گھر ہوتا یا کھیت حمیرہ اس سے کہانیاں ضرور سنتی تھی۔ خلت دلچسپ قصے گھڑ لیا کرتا تھا۔ دو چار ماہ بعد حمیرہ کے باپ نے کھیتی باڑی میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ دمشق قریب تھا۔ وہ شہر میں چلا جاتا اور شام کو واپس آتا تھا۔ ایک سال گزرا تو اس نے کھیتی باڑی ختم کر دی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے کون سا ذریعہ معاش اختیار کر لیا ہے۔ البتہ اس کنبے کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

حمیرہ خلت میں گھل مل گئی تھی۔ وہ کھیتوں میں کام کرنے جاتا تو حمیرہ وہاں چلی جاتی۔ گھر میں ہوتا تو وہاں آ جاتی۔ اب وہ تیرہ سال کی ہو گئی تھی اور اچھا برا سمجھنے لگی تھی۔ ایک روز خلت نے اس سے پوچھا کہ اس کا باپ کیا کام کرتا ہے۔ حمیرہ نے بتایا کہ اُسے یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور پیسے کہاں سے لاتا ہے۔ اُسے صرف یہ پتہ ہے کہ اس کا باپ اچھا آدمی نہیں۔ وہ شہر سے کوئی نشہ کر کے آتا ہے۔ حمیرہ نے ایک نئی بات بتائی۔ اس نے کہا ــــ "یہ شخص میرا باپ نہیں ہے۔ میرے اصل باپ مر گئے تھے۔ میں پانچ چھ سال کی تھی۔ اس نے مجھے سنبھال لیا اور اپنے گھر لے آیا۔ پھر میں اسی کو اپنا باپ کہنے لگی۔ میرے ساتھ یہ اپنی بیٹیوں جیسا سلوک کرتا ہے، مگر اچھا آدمی نہیں۔"

ڈیڑھ دو سال گزر گئے۔ خلت میں حمیرہ کی بچپنے کی دلچسپی محبت میں بدل گئی۔ شباب نے حمیرہ کے چہرے

پر بڑا ہی دلکش نکھار پیدا کر دیا تھا اور قد بھی بڑھ کر جاذبِ نظر ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ خلت سے ملی بہت پریشان تھی۔ اس نے خلت کو بتایا کہ اسے شک ہے کہ اس کا باپ اسے شادی کے بہانے کسی اجنبی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ یہ شک اُسے اس طرح ہوا تھا کہ اس کے باپ کے ساتھ ایک آدمی آیا تھا۔ باپ نے اس آدمی کی بہت خاطر تواضع کی تھی اور کچھ دیر بعد حمیرو کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اس اجنبی نے حمیرو کو بڑی غور سے دیکھا تھا۔ حمیرو نے باپ سے پوچھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے تو باپ نے کوئی ایسا بہانہ پیش کیا تھا جس نے حمیرو کے دل میں شک پیدا کر دیا تھا۔ حمیرو نے خلت سے کہا کہ وہ اس کے سوا کسی اور کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ خلت نے اُسے کہا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بات کرکے اس کے ساتھ شادی کی کوشش کرے گا۔

یہ تو الگ بات ہے کہ حمیرو جسے باپ کہتی تھی وہ اس کا باپ نہیں تھا، لہٰذا اس شخص کو حمیرو کے مستقبل کے متعلق کوئی فکر نہیں تھا لیکن اُس دور میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بہت سی رقم لے کر لڑکیوں کو کسی کے ساتھ بیاہ دینے کا رواج عام تھا۔ امیر کبیر لوگوں نے حرم بنا رکھے تھے جن کے لیے وہ نئی سے نئی لڑکیاں خریدتے رہتے تھے۔ اگر حمیرو کو اس کا باپ فروخت کر رہا تھا تو یہ کوئی جرم یا کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا۔ خلت امیر ماں باپ کا بیٹا نہیں تھا۔ وہ یہی کر سکتا تھا کہ حمیرو کو بھگا لے جائے اور کہیں غائب ہو جائے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے۔ حمیرو کے ساتھ اُسے محبت اتنی زیادہ تھی کہ وہ آسانی سے اُس سے نظریں نہیں پھیر سکتا تھا۔

اس نے سوچنے میں زیادہ ہی وقت صرف کر دیا۔ تیسرے دن وہ کھیتوں میں تھا کہ حمیرو اُسے پکارتی اور دوڑتی آ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ تین آدمی اس کے پیچھے دوڑے آ رہے تھے جن میں ایک حمیرو کا باپ تھا۔ دوسرے دونوں کو وہ نہیں پہچانتا تھا۔ گاؤں کے بہت سے آدمی باہر آ گئے تھے مگر وہ سب تماشائی تھے۔ وہ اس لیے حمیرو کی مدد کو آگے نہیں آتے تھے کہ اس کے پیچھے بھاگنے والوں میں اس کا باپ بھی تھا۔ حمیرو خلت کے پیچھے ہو گئی۔ اس نے روتے ہوئے اسے بتایا کہ یہ دو آدمی اسے اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں اور اس کے باپ نے ان کے ساتھ سودا کر لیا ہے۔

حمیرو کے باپ نے خلت کے پیچھے سے حمیرو کو پکڑنے کی کوشش کی تو خلت نے اُسے دھکا دے کر کہا۔

"خبردار، اسے ہاتھ نہ لگانا۔ پہلے میرے ساتھ بات کرو۔"

"یہ میری بیٹی ہے۔"۔۔۔ باپ نے کہا۔ "تم کون ہو مجھے روکنے والے؟"

"یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔" خلت نے کہا۔

دوسرے دو آدمی حمیرو کی طرف بڑھے۔ ایک نے تلوار نکال لی تھی۔ خلت کے ہاتھ میں کدال کی قسم کی کوئی چیز تھی۔ اس نے گھما کر ماری تو یہ ہتھیار تلوار والے کے سر پر پڑا۔ اس کی تلوار گر پڑی، پھر وہ خود بھی چکرا کر گرا۔ خلت نے تلوار اٹھا لی۔ دوسرے آدمی نے بھی تلوار نکال لی۔ خلت کو تیغ زنی کی کوئی مشق نہیں تھی، پھر بھی اس نے وار روکے۔ دوسرا آدمی تیغ زن معلوم ہوتا تھا۔ خلت کو لڑنے کا زیادہ موقعہ نہ ملا۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز پڑی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ گر پڑا۔۔۔۔ اس کے ہوش ٹھکانے آئے تو وہ اپنے گھر میں تھا۔ وہ





جوش میں اُٹھا لیکن اس کے باپ اور دو تین آدمیوں نے اسے جکڑ لیا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ بہت دیر سے بےہوش پڑا ہے اور حمیرو اس گاؤں سے رخصت ہو چکی ہے۔ خلت چلاّنے لگا کہ لڑکی کو فروخت کیا جا رہا ہے، مگر اُسے بتایا گیا کہ اُس کا نکاح پڑھا کر رخصت کر دیا گیا ہے۔

خلت کے سر کی حالت یہ تھی کہ وہ اٹھتا تھا تو اس کا سر چکرا جاتا تھا۔ اُسے شدید چوٹ آئی تھی۔ بڑوں نے اُسے نصیحت کی کہ حمیرو کے معاملے میں اس کا لڑنا جائز نہیں کیونکہ اگر بیچا بھی گیا ہے تو اس کا باقاعدہ نکاح کیا گیا ہے۔ بہرحال خلت کے لیے یہ حادثہ تھا۔ وہ جب ٹھیک ہو کر باہر نکلا تو حمیرو کا باپ اپنے سارے کنبے کے ساتھ گاؤں سے ہمیشہ کے لیے جا چکا تھا۔

☆

خلت پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ اُسے حمیرو کی محبت اور انتقام کا جذبہ پریشان رکھتا تھا۔ کام کاج سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ وہ کبھی کبھی دمشق چلا جاتا اور حمیرو کے باپ کو ڈھونڈتا رہتا۔ ماں باپ نے اسے اچھی اچھی لڑکیاں دکھائیں لیکن اس نے کسی کو بھی قبول نہ کیا۔ اس کے دل و دماغ پر حمیرو غالب رہی۔۔۔۔ ڈیڑھ ایک سال تک اس کی یہی حالت رہی۔ ایک روز دمشق میں گھومتے پھرتے اُسے پتہ چلا کہ فوج کی بھرتی ہو رہی ہے۔ اس نے اس خیال سے کہ اس بہانے وہ گاؤں سے دور رہے گا فوج میں بھرتی ہو جانا بہتر سمجھا اور بھرتی ہو گیا۔ اسے ٹریننگ دی گئی۔ گھوڑ سواری سکھائی گئی۔ تیر اندازی اور مختلف ہتھیاروں کا استعمال سکھایا گیا۔ اس کے ذہن کو مصروفیت مل گئی تو اس کے دل سے حمیرو کا دکھ کم ہونے لگا۔ اپنے جیسے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ رہتے، گپ شپ لگاتے اور ہنستے کھیلتے اس کے دل کی زندگی عود کر آئی اور وہ ایک بار پھر شگفتہ مزاج جوان بن گیا۔

یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب صلاح الدین ایوبی کا نام ابھی مشہور نہیں ہوا تھا۔ لوگ ابھی نورالدین زنگی کو جانتے تھے۔ اُسے ایک بار جنگ میں جانے کا موقعہ ملا۔ یہ ایک خونریز لڑائی تھی۔ اس نے پہلی بار اپنے دشمن کو دیکھا۔ اس نے وہ لٹے پٹے مسلمان کنبے دیکھے جو صلیبیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔ اُسے یہ بھی بتایا گیا کہ صلیبی بہت سی مسلمان لڑکیوں کو اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ سن کر اس کے اندر قومی جذبہ اور اسلام کی لگن بیدار ہو گئی۔ اس جذبے اور لگن نے جنون کی صورت اختیار کر لی اور اس جنون نے اُسے ان سپاہیوں کی صف میں کھڑا کر دیا جو تنخواہ اور مالِ غنیمت کی خاطر نہیں اللہ کے نام پر لڑا اور جانیں قربان کیا کرتے ہیں۔

تین چار سال بعد جب صلاح الدین ایوبی کو مصر کا امیر بنا کر قاہرہ بھیجا گیا تو صلیبیوں نے سوڈانیوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کرکے سمندر کی طرف سے مصر پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی سے کمک مانگی۔ زنگی نے اپنے منتخب دستے قاہرہ روانہ کر دیئے۔ ان میں خلت بھی تھا۔ اس کا شمار اُن ذہین عسکریوں میں ہوتا تھا جو تلوار کے ساتھ دماغ بھی استعمال کرتے تھے۔ اُسے پچاس سپاہیوں کے ایک جیش کا کمانڈر بنا دیا گیا تھا۔ مصر میں اُس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا کہ وہ لڑاکا دکھانے والا جاسوسوں کا انتخاب کرے تو خلت کو حاضر دماغی، ذہانت، جسم اور زبان کی ستھری اور پھرتی، جسم اور شکل و

صورت کی دلکشی کی بدولت اسے جاسوسوں میں لے لیا گیا۔ اسے کمانڈو اور گوریلا قسم کے شبخون مارنے کے لیے چند بار بھیجا گیا تھا لیکن جاسوسی کے لیے ملک سے باہر نہ بھیجا گیا۔ ملک کے اندر جاسوسوں کی سراغرسانی، تعاقب اور گرفتاری کے لیے اسے استعمال کیا جاتا رہا۔ جاسوسوں کو وہ خوب پہچانتا تھا۔

اب ۱۱۷۴ء میں جب سلطان ایوبی نور الدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سواروں کے ساتھ دمشق پر قبضہ کرنے اور الملک الصالح کی معزولی کی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے اپنے جاسوسوں کو پہلے ہی دمشق بھیج دیا تھا جو مختلف بہروپ دھار کر دمشق میں داخل ہوئے اور پھیل گئے تھے اور جب دمشق پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو گیا اور الصالح، اس کے امیر وزیر اور اس کے باڈی گارڈز دمشق سے بھاگ گئے تو علی بن سفیان کے معاون حسن بن عبداللہ نے جو جاسوسوں کے ساتھ دمشق گیا تھا، کئی ایک جاسوس دمشق سے اسی طرح روانہ کیے جس طرح الصالح اور اس کے باڈی گارڈز دستے گئے تھے۔ ان جاسوسوں کو خصوصی ہدایات اور مختلف مشن دیئے گئے تھے۔ خلت کو بھی ان کے ساتھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا۔

حلب میں پہنچے تو وہاں افراتفری کا عالم تھا۔ الصالح کے حواریوں کو فوری طور پر فوج کی ضرورت تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ سلطان ایوبی ان کا تعاقب کرے گا اور حملہ کرے گا۔ اس صورت حال میں انہیں جیسا کیسا سپاہی ملا انہوں نے رکھ لیا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے اپنے آپ کو اس کی فوج کے سپاہی ظاہر کیا جو دمشق سے بھاگ آئے تھے۔ کمانڈروں میں سے کسی کو ہوش نہیں تھی کہ چھان بین کرتے کہ کوئی مشکوک افراد فوج میں نہ آ گئے ہوں۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے کئی اہم جگہیں سنبھال لیں اور حلب میں زمین دوز اڈہ بھی قائم کر لیا۔ خلت چونکہ خوبرو اور تنومند جوان تھا اور زبان کی چاشنی سے بھی مالا مال تھا اس لیے اسے قصرِ سلطنت کے محافظوں کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔

☆

اسلام کا عسکری جذبہ اس کی روح میں اتر گیا تھا۔ اس نے حمیرہ کو کبھی یاد نہیں کیا تھا۔ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملتی تھی، مگر اس نئی رقاصہ نے اسے حمیرہ یاد دلا دی۔ حمیرہ سے جدا ہوئے سات آٹھ سال گزر گئے تھے۔ اس وقت حمیرہ پندرہ سولہ سال کی تھی۔ یہ رقاصہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کے چہرے پر حمیرہ والی معصومیت اور سادگی نہیں تھی۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اتنا سا ہی تھا کہ سینے کا تھوڑا سا حصہ اور ستر ڈھانپا ہوا تھا۔ آدھے سے زیادہ جسم عریاں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ یہ رقاصہ حمیرہ ہو۔ تیسری بار رقاصہ اس کے قریب سے گزری تو بھی خلت نے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ رقاصہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب کے وہ رک گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" رقاصہ نے پوچھا۔

خلت نے اپنا وہ فرضی نام بتایا جو اس نے وہاں لکھوا رکھا تھا، اور پوچھا — "آپ نے نام کیوں پوچھا ہے؟"

"تم مجھے گھور گھور کر دیکھا کرتے ہو اس لیے نام پوچھ رہی ہوں۔" حمیرہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں شریف



عورتوں والی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی۔ کہنے لگی — "تم سپاہی ہو۔ اپنے کام پر توجہ رکھا کرو۔"

خلت کو کوفت تو ہوئی لیکن اسے خوشی بھی ہوئی کہ یہ حمیرہ نہیں۔ حمیرہ تو بھولی بھالی لڑکی تھی۔

اسی شام ہال میں ضیافت تھی۔ ریجنالڈ کے جاسوسوں کا کمانڈر تین چار روز پہلے آیا تھا۔ اس کا نام ونڈسر تھا۔ یہ ضیافت اسی کے اعزاز میں دی جا رہی تھی۔ خلت نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ جاسوسی کا ماہر ہے اور جاسوسی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے آیا ہے۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ ہال میں مہمان آ رہے تھے۔ کھانے چنے جا رہے تھے اور شراب کے دور چل رہے تھے۔ ابھی ونڈسر نہیں آیا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی کی ڈیوٹی ہال کے دروازے پر تھی۔ کچھ دیر بعد ونڈسر آ گیا۔ اس نے دونوں پہرہ داروں کو غور سے دیکھا پھر اس نے خلت کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"تم خلیفہ کے محافظ دستے میں کب آئے ہو؟" ونڈسر نے خلت کی زبان میں پوچھا۔

"یہاں آ کر مجھے محافظ دستے میں لیا گیا ہے۔" خلت نے جواب دیا — "اس سے پہلے میں دمشق کی فوج میں تھا۔"

"تم مصر بھی گئے تھے؟" ونڈسر نے پوچھا۔

"نہیں!"

ونڈسر نے دوسرے پہرہ دار سے خلت کے متعلق پوچھا۔ "تم اسے کب سے جانتے ہو؟"

"ہم دونوں دمشق کی فوج میں اکٹھے رہے ہیں" — اس نے جواب دیا — "ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اور میں شاید تم دونوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" ونڈسر نے مسکرا کر کہا — "ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

وہ انہیں پہرے سے ہٹا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ گھاگ سراغرساں اور جاسوس تھا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے باڈی گارڈز کی خفیہ چھان بین شروع کر دی تھی۔ خلت کو دیکھتے ہی اسے کچھ یاد آ گیا تھا اور اس نے جب اس کے ساتھی کو دیکھا تو اس کا شک پکا ہو گیا۔ شک غلط بھی نہیں تھا۔ خلت اور اس کا ساتھی تین چار سال سے انٹیلی جنس میں تھے اور وہ اکٹھے رہتے تھے۔ ان کی جوڑی پکی ہو گئی تھی۔ ونڈسر انہیں اپنے کمرے میں لے گیا جو اسی عمارت میں بڑے ہال سے تھوڑی ہی دور تھا۔ کمرے میں لے جا کر اس نے مشعل کی روشنی میں دونوں کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

"اگر تم مجھے یقین دلا دو کہ تم یہاں کے وفادار ہو اور صلاح الدین ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہو تو میں تمہیں چھوڑ ہی نہیں دوں گا بلکہ ایسے کام پر لگاؤں گا جہاں عیش کرو گے۔" ونڈسر نے کہا۔ "جھوٹ نہ بولنا، پچھتاؤ گے۔"

"ہم خلیفہ کے وفادار ہیں۔" خلت نے کہا۔

"تم نے وفاداری کب سے بدلی ہے؟" ونڈسر نے پوچھا۔ "اور کیوں بدلی ہے؟"

"خدا اور رسولﷺ کے بعد خلیفہ کا رتبہ ہے۔" خلت نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کا کوئی رتبہ نہیں۔"

"مصر سے کب آئے ہو؟" ونڈسر نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔ "تم شاید مجھے نہیں جانتے، میں

بھی تمہاری طرح جاسوس ہوں۔ نام شاید بھول جاؤں چہرے نہیں بھولا کرتا۔ علی بن سفیان کہاں ہے؟ مصر میں یا دمشق میں؟"

"ہم اُسے نہیں جانتے" خلت کے ساتھی نے جواب دیا۔ "ہم سیدھے سادے سپاہی ہیں۔"

ونڈسر نے دروازے میں جا کر دیکھا اور کسی ملازم کو آواز دی۔ ملازم آیا تو اس نے کسی لڑکی کا نام لے کر ملازم سے کہا کہ اُسے بلا لاؤ۔ وہ لڑکی قریب ہی کسی کمرے میں تھی۔ ذرا سی دیر میں ایک بڑی ہی حسین لڑکی آگئی۔ خلت کو معلوم تھا کہ یہ صلیبی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ نئی رقاصہ تھی جسے دیکھ خلت کو حیرو یاد آجایا کرتی تھی۔ ونڈسر نے صلیبی لڑکی سے عربی زبان میں بات کی۔ اس سے جلس کر پوچھا کہ اس رقاصہ کو کیوں ساتھ لے آئی ہو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ میرے کمرے میں تیار ہو کر آگئی تھی اور میں تیار ہو رہی تھی۔ آپ کا بلاوا آیا تو سمجھی کہ آپ نے مجھے ضیافت میں ساتھ چلنے کے لیے بلایا ہے۔ میں اسے بھی ساتھ لے آئی۔"

"کوئی بات نہیں" ونڈسر نے کہا۔ "اچھا ہوا یہ بھی آگئی ہے۔ تماشہ دیکھ لے گی۔" اس نے صلیبی لڑکی سے کہا۔ "میں نے تمہیں کسی اور کام کے لیے بلایا ہے۔" دونوں پہرہ داروں کی طرف اشارہ کر کے اُس نے لڑکی سے کہا۔ "ان دونوں کے چہروں کو دیکھو، شاید تمہیں کچھ یاد آجائے۔"

لڑکی نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ ماتھے پر شکن ڈال کر سوچا۔ پھر دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے خلت اور اس کے ساتھی سے پوچھا۔ "تم کس وقت ہوش میں آئے تھے؟"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر لڑکی کو دیکھا۔ خلت حاضر دماغ تھا۔ وہ جان گیا کہ انہیں پہچان لیا گیا ہے۔ وہ بچنے کے طریقے سوچنے لگا۔ یہ اب عقل اور ہوش کا کھیل تھا۔ اس نے بھولا بن کر کہا۔ "میں سمجھ نہیں سکتا کہ پہرے سے ہٹا کر آپ نے ہمارے ساتھ کیوں مذاق شروع کر دیا ہے۔ ہمارے کماندار نے دیکھ لیا تو ہمیں سزا دے گا۔"

"تم پہرہ دار نہیں ہو" ونڈسر نے کہا۔ "تم دونوں کو وہاں کھڑا کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ وہاں کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ وہاں تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے خلت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہاں آکر اپنا حلیہ ذرا سا تو بدل لیا ہوتا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان جاسوسی کے ماہر ہیں لیکن ہم بھی اناڑی نہیں۔ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ فوراً بتا دو کہ تم دونوں مصر سے آئے ہوئے جاسوس ہو۔ تمہارے ساتھ میری اور اس (صلیبی) لڑکی کی ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔ تم مجھے نہیں پہچان سکے کیونکہ میں بگاڑے ہوئے حلیے میں تھا۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے کیونکہ تم آج بھی اسی حلیے میں ہو جس میں اڑھائی سال پہلے تھے۔ ذرا ذہن پر زور دو، تمہیں یاد آجائے گا۔ مصر کے شمال میں تم دونوں ایک قافلے کے ساتھ چل پڑے تھے کیونکہ تمہیں شک تھا کہ یہ قافلہ مشکوک ہے۔ تم نے ایک قافلے کے ساتھ سفر کیا تھا۔ ایک رات بھی قافلے کے ساتھ گزاری تھی، مگر تمہاری بدقسمتی کہ تمہاری جب آنکھ کھلی تو تم صحرا میں اکیلے پڑے تھے۔ قافلہ بہت دور نکل گیا تھا۔"

✡

ونڈسر نے انہیں یاد دلایا ___



خلت اور اس کا یہی ساتھی جاسوسوں کی سراغرسانی کی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ اڑھائی تین سال پہلے کا واقعہ ہے......

سوڈانیوں کو شکست تو دی جا چکی تھی لیکن وہ صلیبیوں کی مدد سے مصر پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مصر کے اندر صلیبی جاسوس اور تخریب کار سرگرم تھے۔ ان کی سراغرسانی کے لیے علی بن سفیان کا جاسوسی کا نظام کام کر رہا تھا۔ سرحدوں پر گشتی دستے بھی تھے۔ مصر کے اپنے جاسوس مسافروں وغیرہ کے بھیس میں سرحدی علاقوں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ایک بار خلت اپنے اس ساتھی کے ساتھ مصر کے شمال میں گشت پر تھا۔ دونوں اونٹوں پر سوار تھے اور دونوں غریب سے صحرائی مسافروں کے بھیس میں تھے۔ انہیں ایک قافلہ جاتا نظر آیا جس میں بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ قافلے والوں میں بوڑھے بھی تھے، جوان بھی تھے، بچے اور عورتیں بھی تھیں۔

خلت اور اس کا ساتھی جاسوس تھے۔ وہ قافلے کو روک کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہیں ہدایت یہ تھی کہ آتے جاتے قافلوں کو دیکھیں اور ذرا سا بھی شک ہو تو قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع دیں۔ یہ چوکی والوں کا فرض تھا کہ قافلے کو روک کر چھان بین کریں اور سامان کی تلاشی بھی لیں۔ سرحدی دستے فوجی طاقت کے زور پر یہ کام کر سکتے تھے۔ دو جاسوسوں سے اتنی زیادہ تعداد کا قافلہ نہیں رک سکتا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے ہدایات اور ٹریننگ کے مطابق قافلے والوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مسافر ہیں اور آگے جا رہے ہیں۔ اُس زمانے میں یہی طریقہ تھا کہ مسافر اکٹھے چلا کرتے تھے کیونکہ سفر بہت طویل اور لوٹ مار کا خطرہ زیادہ تھا۔ قافلے والوں نے ان دونوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

ان دونوں نے گپ شپ کے انداز سے معلوم کرنا شروع کر دیا کہ یہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگلی سرحدی چوکی کہاں ہے، مگر انہوں نے دیکھا کہ قافلہ ایسی سمت کو جا رہا تھا جس طرف کوئی چوکی نہیں تھی۔ وہ علاقہ ہی ایسا تھا کہ گشتی پہرے اور چوکی سے بچ کر نکلا جا سکتا تھا۔ اونٹوں پر جو سامان لدا ہوا تھا وہ بھی مشکوک سا معلوم ہوتا تھا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان بڑے بڑے مشکوں اور لپٹے ہوئے خیموں وغیرہ میں کیا ہے۔ بہرحال سامان اصلی نہیں تھا۔

خلت اور اُس کے ساتھی صحرائی خانہ بدوشوں کے انداز سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قافلے میں چار جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ ان کے لباس تو خانہ بدوشوں بلکہ بدوؤں کی طرح تھے۔ ان کے بالوں کا انداز بھی بتاتا تھا کہ تہذیب و تمدن سے دور رہنے والی لڑکیاں ہیں لیکن اُن کے چہروں اور آنکھوں کے رنگ اور خدوخال کی دلکشی بتا رہی تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے اور یہ بہروپ ہے۔

قافلے میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کا رنگ گورا تھا اور چہرے پر جھریاں مگر اس کے دانت بتاتے تھے کہ اس کی عمر اتنی زیادہ نہیں جتنی چہرہ بتا رہا تھا۔ اس بوڑھے نے خلت اور اس کے ساتھی کو اپنے ساتھ کر لیا اور بڑے پیار سے انداز سے ان سے پوچھنے لگا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ خلت اپنے متعلق غلط باتیں بتاتا رہا اور اس سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے اور سامان کیا ہے۔ وہ بوڑھا اتنی اچھی باتیں کرتا تھا کہ خلت اور اس کا ساتھی اس کی باتوں میں اُلجھ گئے۔ چلتے چلتے شام ہو گئی پھر رات گہری ہو گئی اور قافلہ چلتا رہا۔ خلت نے قافلے کا رُخ بدلنے کے لیے بوڑھے سے کہا کہ فلاں طرف سے چلیں تو منزل قریب آجائے گی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قافلے کو چوکی کے قریب سے گزارا جائے۔ صاف پتہ

چل رہا تھا کہ قافلہ چوکی سے بچنے کی کوشش میں ہے۔

شکوک پختہ ہوتے گئے۔ کچھ اور آگے گئے تو پڑاؤ کرنے کے لیے نہایت موزوں جگہ آگئی۔ قافلہ رک گیا اور پڑاؤ کر لیا گیا۔ خلت اور اس کا ساتھی ذرا الگ ہٹ کر بیٹھے اور سوچنے لگے کہ سب سو جائیں تو سامان کی تلاشی لیں یا ان دونوں میں سے ایک خاموشی سے نکل جائے اور کسی قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع کر دے، تاکہ قافلے پر چھاپہ مارا جائے مگر خطرہ یہ تھا کہ قافلے والوں کو شک ہو جائے گا اور وہ پیچھے رہنے والے اکیلے جاسوس کو قتل کر کے یا اغوا کر کے تیز رفتاری سے غائب ہو جائیں گے۔ انھوں نے سونے کی نہیں بلکہ جاگتے رہنے کی کوشش کی۔ قافلے والے کھاپی کر سو گئے۔

اتنے میں دو لڑکیاں جو قافلے کے ساتھ تھیں اس طرح اُن کے پاس آئیں جیسے چوری چھپے آئی ہوں۔ وہ اس علاقے کی صحرائی زبان بول رہی تھیں۔ انھوں نے خلت اور اس کے ساتھی سے کہا کہ اگر وہ انھیں راز کی ایک بات بتائیں تو کیا وہ ان کی مدد کریں گے؟ — "راز" ایک ایسا لفظ تھا جس نے صلاح الدین ایوبی کے ان دونوں جاسوسوں کو چونکا دیا۔ وہ راز حاصل کرنے کے لیے ہی ریگزاروں میں مارے مارے پھر رہے تھے اور اس قافلے کے ساتھ وہ راز کی خاطر ہی چلے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ قافلہ بردہ فروشوں کا ہے اور یہ چاروں لڑکیاں اغوا کر کے لائی جا رہی ہیں۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ انھیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور ان لوگوں سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔

باتوں باتوں میں ایک لڑکی خلت کو الگ لے گئی۔ لڑکی کی باتوں میں سادگی بھی تھی اور جاذبیت بھی۔ اس نے خلت سے کہا کہ وہ اگر اسے اپنے ساتھ لے جائے تو اس کے ساتھ شادی کرے گی اور ساری عمر اس کی وفادار رہے گی۔ اس نے کچھ ایسی باتیں بھی کیں جیسے وہ خلت کو دل دے بیٹھی ہو۔ اس نے محبت اور مظلومیت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ خلت اس کی اور باقی لڑکیوں کی رہائی کے متعلق سوچنے لگا۔ دوسری لڑکی خلت کے ساتھی کے ساتھ الگ بیٹھی تھی اور وہ بھی اسی قسم کی باتیں کر رہی تھی۔ کسی عورت کا محض عورت ہونا اس کی قوت ہوتی ہے اور جب عورت خوبصورت اور جوان ہو اور وہ مظلوم بھی ہو تو مرد پگھل جاتے ہیں۔ یہ کیفیت ان دونوں مردوں کی ہو گئی۔ دونوں میں جوانی کا جوش تھا۔ ان میں غیرت بھی تھی اور اپنی فوج کا یہ اصول بھی کہ عورت کی پاسبانی کرنی ہے، خواہ وہ اپنی ہو خواہ کسی اور کی۔

دونوں لڑکیوں نے الگ الگ، ان دونوں مصری جاسوسوں کو خوش کرنے کے لیے انھیں کوئی بڑی ہی لذیذ چیز کھانے کو دی۔ ایک لڑکی دبے پاؤں گئی اور چھوٹا سا ایک مشکیزہ اٹھا لائی۔ اس میں سے اُس نے دونوں کو کچھ پلایا جو کوئی شربت تھا۔ اس کا ذائقہ اتنا اچھا تھا کہ دونوں خاصا زیادہ پی گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کی آنکھ لگ گئی اور جب ان کی آنکھ کھلی تو اگلے دن کا سورج افق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا۔ وہ ساری رات اور سارا دن سوئے رہے۔ ریگزار کی جھلسا دینے والی تپش بھی انھیں نہیں جگا سکی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھے۔ وہاں قافلہ بھی نہیں تھا اور ان دونوں کے اونٹ بھی نہیں تھے اور وہ اس جگہ بھی نہیں تھے جہاں



انھوں نے رات پڑاؤ کیا تھا۔ یہ کوئی اور جگہ تھی۔ ارد گرد مٹی اور ریت کے ٹیلے تھے۔ دونوں دوڑتے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر چڑھے۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ انھیں ٹیلوں کی چوٹیوں اور ان سے دور صحرا کی ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆

"وہ بوڑھا آدمی میں تھا جس کے ساتھ تم سفر کے دوران باتیں کرتے رہے تھے" — ریمانڈ کے جاسوسوں کے کمانڈر ونڈسر نے انھیں کہا — "میں تمہاری باتوں سے جان گیا تھا کہ تم جاسوس ہو اور معلوم کرنا چاہتے ہو کہ ہم کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔"

"وہ تم نہیں تھے" — خلت نے کہا — "وہ تو کوئی بوڑھا آدمی تھا۔"

"وہ میرا بہروپ تھا" — ونڈسر نے کہا — "مجھے خوشی ہے کہ تم مان گئے ہو کہ تم دونوں جاسوس تھے، اور اب بھی جاسوس ہو اور میں تمھیں یہ بھی بتا دوں کہ تمھیں بے ہوش کرنے والی لڑکیوں میں سے ایک یہ تھی۔"

"ہم اب جاسوس نہیں ہیں" — خلت نے کہا — "اب ہم خلیفہ کے وفادار ہیں۔"

"تم بکواس کرتے ہو" — ونڈسر نے کہا — "علی بن سفیان کی میں نے ہمیشہ تعریف کی ہے، مگر تمہاری تربیت مکمل نہیں۔ تم نے ابھی تک اپنے آپ کو چھپانا اور اپنا حلیہ بدلنا نہیں سیکھا۔"

ونڈسر نے انھیں بتایا کہ وہ جنگی سامان اور بہت سی رقم سوڈان لے جا رہے تھے۔ قافلے میں جو افراد صحرائی لباس میں تھے، وہ فوجی مشیر تھے۔ وہ سب صلیبی تھے اور سوڈان جا رہے تھے۔ انھوں نے ہی سوڈانی فوج تیار کی اور صلاح الدین ایوبی کے بھائی تقی الدین کو ایسی بری شکست دی تھی کہ وہ اپنی آدھی فوج وہیں چھوڑ آیا تھا۔ اگر صلاح الدین ایوبی عقل استعمال نہ کرتا تو تقی الدین باقی فوج وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ان لڑکیوں نے بھی تمہاری شکست میں بہت کام کیا تھا۔ ونڈسر نے انھیں بتایا کہ ان کی ملاقات جب مصر کے شمال میں ہوئی تھی تو رات پڑاؤ کے دوران ان میں سے کوئی بھی نہیں سویا تھا اور ان دونوں لڑکیوں کو اسی مقصد کے لیے خلت اور اس کے ساتھی کے پاس بھیجا گیا تھا کہ انھیں باتوں میں اُلجھا کر بے ہوش کر دیں۔ ان کی ترکیب کامیاب رہی۔ ان کے بے ہوش ہوتے ہی قافلہ روانہ ہو گیا۔

خلت کو وہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا اور یہ واقعہ اس کے دل میں کانٹے کی طرح اُترا ہوا تھا۔ اتنے خطرناک جاسوسوں کا قافلہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ اس خلش کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اس نے اس واقعہ کی رپورٹ اپنے ہیڈ کوارٹر کو دی ہی نہیں تھی کیونکہ اسے دشمن کے جاسوس دھوکہ دے گئے تھے۔ اس میں اس کی اور اس کے ساتھی کی بے عزتی تھی۔ انھیں دو لڑکیاں بے وقوف بنا گئی تھیں۔ اب ان میں سے ایک لڑکی اور ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ خلت اپنے ساتھی سمیت اس کا قیدی تھا۔ اب وہ ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یہاں سے نکلنے یا مر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میری ایک پیش کش قبول کرو" — ونڈسر نے انھیں کہا — "میں تم پر ایسا رحم کر رہا ہوں جو میں نے کبھی کسی

الصلاح ضیافت میں آگیا۔ اس کے تمام اُمراء، وزراء اور دوسرے مہمان بھی آگئے۔ ان میں صلیبی فوج کے افسر بھی تھے جو شیروں کی حیثیت سے یہاں آئے تھے۔ ان کا انداز بادشاہوں جیسا تھا۔ ان میں ریمانڈ کا فوجی نمائندہ بھی تھا۔ وہ سب وِنڈسر کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ ابھی تک غیر حاضر تھا۔ تمام صلیبی لڑکیاں ہال میں پہنچ گئی تھیں، صرف ایک نہیں تھی۔ ناچنے والیاں بھی آگئی تھیں۔ نئی رقاصہ غیر حاضر تھی۔ الصلاح کے آجانے سے سب کی بیتابی بڑھ گئی۔ ایک ملازم سے کہا گیا کہ وہ وِنڈسر اور دونوں لڑکیوں سے کہے کہ سب آگئے ہیں۔

"انہیں باندھ کر یہیں پھینک چلتے ہیں"— خلت کے ساتھی نے کہا۔

"کیا تم سانپوں کو زندہ رکھنا چاہتے ہو؟"— خلت نے کہا اور برچھی جس کی نوک وِنڈسر کی شہ رگ کو چھو رہی تھی پوری طاقت سے دبائی۔ وِنڈسر کا سر دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ برچھی کی انی اس کی شہ رگ میں داخل ہو کر پیچھے کو نکل گئی۔ وِنڈسر کا ہلکا سا خراٹہ سنائی دیا۔

اس کے فوراً بعد ایسا ہی ایک خراٹہ صلیبی لڑکی کے منہ سے نکلا۔ اس کی شہ رگ کو چیرتی ہوئی برچھی کی انی خلت کے ساتھی نے پار کر دی تھی۔ دونوں نے برچھیاں نکالیں۔ وِنڈسر اور لڑکی گر کر تڑپنے لگے۔ خلت اور اس کے ساتھی نے دونوں کے دلوں پر برچھیاں رکھ کر اوپر سے پورا وزن ڈالا۔ دونوں کے دل چِر گئے اور وہ ٹھنڈے ہو گئے۔ دونوں کی لاشوں کو پلنگ کے نیچے پھینک دیا گیا۔ یہ کمرہ وِنڈسر کا تھا۔ دیوار کے ساتھ اس کا چغہ لٹک رہا تھا جس کے ساتھ سر کو ڈھانپنے والا حصہ بھی تھا۔ حمیرہ نے خود ہی یہ چغہ پہن لیا اور سر بھی ڈھانپ لیا۔ وہیں سے کپڑے اٹھا کر اس نے رقص والا گھگھرا اتار دیا اور مردانہ لباس کر کے نیچے تک چڑھا لیا۔ پاپوش بھی بدل لیے اور چہرہ بھی چھپا لیا۔ اسے اب ایک نظر میں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ لڑکی ہے۔

خلت نے دروازہ کھولا۔ باہر دیکھا۔ برآمدے میں ملازموں کی آمد و رفت اور بھاگ دوڑ تھی۔ وہ تینوں باہر نکلے۔ دروازہ بند کیا اور ایک طرف چل پڑے۔ فوراً بعد وہ اندھیرے میں ہو گئے۔ اُدھر ایک گھاٹی تھی۔ اُس سے اُترے اور خطرے کے علاقے سے نکل گئے۔ خلت اور اس کے ساتھی کو معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ ان کا کمانڈر ایک عالم فاضل کے روپ میں جہاں رہتا تھا وہاں چھپنے کی جگہ بھی تھی اور وہاں نکلنے کا بندوبست بھی ہو سکتا تھا۔ اُس وقت شہر سے نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ گھوڑے بھی نہیں تھے۔ انہیں حلب سے فرار ہو کر دمشق پہنچنا تھا۔ انہیں یہ اندازہ بھی تھا کہ قتل کا پتہ چلتے ہی شہر میں کیا اودھم بپا ہوگا۔

قتل کا انکشاف ہوتے زیادہ دیر نہیں لگی۔ کسی نے وِنڈسر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ پلنگ کے نیچے سے جو خون بہ رہا تھا وہ فرش پر پھیلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ ہنگامہ بپا ہو گیا۔ وہاں ایک نہیں دو لاشیں تھیں۔ دونوں کے زخم ایک جیسے تھے۔ فوری طور پر پہرداروں کا خیال آیا۔ ان کی موجودگی میں بیک وقت دو قتل کون کر سکتا تھا؟ جن سنتریوں کی ڈیوٹی تھی انہیں بلایا گیا۔ دونوں غائب تھے۔ اس عمارت میں کسی کا بغیر اجازت داخلہ ممنوع تھا۔ یہاں چیدہ چیدہ لوگ جو حاکم یا معزز شہری تھے آ سکتے تھے۔ ان کی بھی چیکنگ ہوتی تھی۔ باڈی گارڈز کے کمانڈر کے لیے مصیبت کھڑی ہو گئی۔ یہ قتل پیشہ ور قاتل کا کام تھا یا سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا، اور یہ کام فدائی قاتلوں



کا بھی ہو سکتا تھا۔ کسی نے کہا کہ کرائے کے یہ قاتل کسی سے بھی اجرت لے کر قتل کر سکتے ہیں۔

دروازے کے دونوں سنتری نہ ملے تو یہ شک پختہ ہو گیا کہ وہ سلطان ایوبی کے آدمی ہوں گے اور انہوں نے وِنڈسر کو اس وجہ سے قتل کیا ہے کہ وہ جاسوسوں کا سربراہ بن کے آیا تھا۔ رات ہی رات خلت اور اس کا ساتھی نہ ملے تو شہر میں ان کی تلاش شروع ہو گئی۔ یہ انکشاف بہت دیر بعد ہوا کہ نئی رقاصہ بھی غائب ہے۔ شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی۔

خلت، اس کا ساتھی اور حمیرہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو اپنا کارنامہ سنایا تو اُس نے انہیں چھپا لیا اور کہا کہ وہ باہر کے حالات کے مطابق انہیں بتائے گا کہ وہ کب یہاں سے نکلیں۔ اس پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسے لوگ عالم اور برگزیدہ انسان سمجھتے تھے۔ اداکاری میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس نے اپنے جو دو شاگرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے وہ بھی جاسوس تھے۔ حلب سے دمشق تک وہی اطلاعات پہنچاتے تھے۔ اس نے دونوں شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ باہر کی خبر رکھیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

حمیرہ نے اس "عالم" کے سامنے خلت کو سنایا کہ اس پر کیا گزری تھی۔ وہ واقعہ تو سات آٹھ سال پرانا ہو چکا تھا۔ اس نے سنایا کہ خلت جب حمیرہ کو اس کے باپ (جو درحقیقت اس کا باپ نہیں تھا) اور ان دو آدمیوں سے بچانے کے لیے لڑا تھا تو حمیرہ کے باپ نے پیچھے سے کدال خلت کے سر پر ماری تھی۔ اس سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ تینوں حمیرہ کو گھر لے گئے۔ ایک نکاح خوان کو بلایا جس نے اس سے پوچھے بغیر نکاح پڑھ دیا اور وہ دونوں آدمی حمیرہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک رات وہ دمشق میں شہر سے پرے اسے ان علاقوں میں لے گئے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ اُسے ناچ کی تربیت دی جانے لگی۔ ابتدا میں اس نے مزاحمت کی مگر اس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی تھی۔ اس دوران اُسے خوراک نہایت اچھی دی جاتی تھی۔ اُسے کوئی بڑا ہی لذیذ شربت پلایا جاتا تھا جس کے اثر سے وہ ہنسنے اور ناچنے لگتی تھی۔

تشدد اور نشے سے اُسے رقاصہ بنا لیا گیا۔ بہت اونچے درجے کے لوگ اُسے داد دینے لگے۔ وہ ایسے قیمتی تحفے لاتے تھے کہ وہ دنگ رہ جاتی تھی۔ اسے یروشلم بھی لے جایا گیا تھا جہاں دو آدمیوں نے اس کے مالکوں سے کہا تھا کہ وہ منہ مانگی قیمت لے لیں اور یہ لڑکی انہیں دے دیں۔ انہوں نے صاف بتا دیا تھا کہ وہ اسے جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے مالکوں نے سودا قبول نہیں کیا تھا۔ اُسے اغوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی جو ناکام بنا دی گئی تھی۔ اب اُسے حلب میں کسی اور امیر کی فرمائش پر بلایا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ پہلے دن اس نے خلت کو دیکھا تو اس نے بلاشک و شبہ دل سے کہا تھا کہ یہ خلت ہے لیکن یہ شک بھی ہوتا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ خلت کی شکل و صورت کا کوئی اور آدمی ہو۔ وہ اسے غور سے دیکھتی تھی۔ آخر یہ اتفاق ہوا کہ وِنڈسر نے خلت اور اس کے ساتھی کو پہچان لیا۔ وِنڈسر نے اپنی لڑکی کو بلایا تو حمیرہ بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ خلت نے جب اپنے متعلق چند ایک باتیں بتائیں تو حمیرہ کے شکوک رفع ہو گئے۔

اس نے کہا: "میں اس ذلیل زندگی کی عادی ہو گئی تھی۔ میرے دل میں جذبات مر گئے تھے۔ میں ایک پتھر

کی طرح اِدھر اُدھر لڑھکتی پھر رہی تھی، لیکن خلت کو دیکھا تو میرے سارے جذبات زندہ ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ خلت ہی ہے مگر اس کی صورت نے مجھے وہ وقت یاد دلا دیا جب میرے دل میں اس کی محبت تھی اور اس کے بچوں کی ماں بننے کی خواہش۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی وقت اس سے پوچھوں گی کہ تم خلت ہو؟ اگر خلت نکلا تو اسے کہوں گی کہ آؤ بھاگ چلیں اور صحرا کے خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔"

اُسے خلت تو مل گیا اور وہ اُس کے ساتھ بھاگ بھی آئی لیکن حلب سے بچ کر نکلنا ایک مسئلہ تھا۔

☆

خلیفہ کی ضیافت اور رقص کی محفل ویران ہو چکی تھی۔ وہاں ونڈسر کا انتظار ہو رہا تھا مگر ونڈسر کی لاش پہنچی۔ وہاں صلیبی فوج کے جو اعلیٰ افسر تھے وہ سخت غصے میں تھے۔ ریمانڈ کا فوجی نمائندہ تو سب سے زیادہ بھڑکا ہوا تھا۔ ونڈسر بہت قیمتی افسر تھا۔ فوجی نمائندہ الملک الصالح اور اس کے اُمرا اور اس کے فوجی کمانڈروں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتا تھا اور سب اس سے دبک رہے تھے۔ ان کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ صلیبی افسروں کو فرشتے سمجھے بیٹھے تھے۔ انہی کی مدد سے وہ جنگ کی تیاری کر رہے تھے، لہٰذا اُن کی خوشامد کو وہ ضروری سمجھتے تھے۔ فوجی نمائندہ جو کچھ کہتا تھا سب اس کے آگے سر جھکا لیتے اور ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔

اس نے کہا۔ "قاتل رات ہی رات شہر سے نہیں نکل سکتے۔ صبح سویرے حلب کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی جائے۔ یہاں کی ساری فوج کو اس پر لگا دو۔ فوج لوگوں کے جاگنے سے پہلے گھروں میں داخل ہو جائے۔ یہاں کے باشندوں کو اتنا پریشان کیا جائے کہ وہ قاتلوں کو خود ہی ہمارے حوالے کر دیں۔"

"ایسا ہی ہو گا" ۔۔۔ ایک مسلمان امیر نے کہا۔ "ہم فوج کو ابھی حکم دے دیتے ہیں کہ سحر کے اندھیرے میں شہر میں پھیل جائے۔"

"ایسا نہیں ہو گا" ۔۔۔ یہ آواز ایک مسلمان قلعہ دار کی تھی۔ اس نے ایک بار پھر گرج کر کہا۔ "ایسا نہیں ہو گا۔ تلاشی صرف اُس گھر کی لی جائے گی جس پر پختہ شک اور کوئی واضح شہادت ہو گی۔"

اتنے سارے اعلیٰ حکام کے ہجوم پر اس گرجدار آواز نے سناٹا طاری کر دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ ریمانڈ کے فوجی نمائندے کے حکم کو کوئی مسلمان ایسے جوش سے ٹوکے گا۔ سب نے دیکھا کہ یہ کون ہے۔ وہ حماۃ کا قلعہ دار تھا جس کا نام جوردیک تھا۔ تاریخ میں اس کا نام جوردیک ہی لکھا گیا ہے۔ پورے نام کا علم نہیں ہو سکا۔ اس کے متعلق تاریخ اتنا ہی بتاتی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست تھا لیکن وقائع نگاروں کے مطابق اس واقعہ تک وہ صلاح الدین ایوبی کے مخالف کیمپ میں تھا اور الصالح کے وفاداروں میں سے تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ صرف اس ضیافت میں ہی شریک نہیں تھا بلکہ جنگی کانفرنسوں میں شریک ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کا جو منصوبہ بنا تھا وہ اس میں بھی شریک تھا۔

اس نے جب ایک صلیبی کے منہ سے یہ الفاظ سُنے کہ حلب کے ہر گھر کی تلاشی لی جائے گی تو اس میں اسلامی وقار بیدار ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "یہاں سب مسلمان گھرانے ہیں جن میں پردہ نشین خواتین بھی ہیں۔ ہم اُن کی



بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔ شریف گھرانوں میں فوجی داخل نہیں ہوں گے۔"

"قاتل اسی شہر کے تھے" ۔۔۔ ایک صلیبی افسر نے کہا۔ "ہم تمام شہریوں سے انتقام لیں گے۔ ونڈسر جیسا قابل افسر قتل ہو گیا ہے۔ ہمیں کسی کی عزت اور کسی کے پردے کی پروا نہیں۔"

"اور مجھے تمہارے ایک افسر کے قتل کی پروا نہیں" ۔۔۔ جوردیک نے قہر سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جوردیک! خاموش رہو!" ۔۔۔ ایک عمر رسیدہ تجربہ کار سلطان نے حکم کے لہجے میں کہا۔ "یہ لوگ اتنی دور سے ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔ کیا تم مہمان نوازی کے آداب سے ناواقف ہو؟ احسان فراموش نہ بنو۔ ہمیں قاتل کو پکڑنا ہے۔"

خلیفہ کی تائید میں کئی آوازیں سنائی دیں۔

"میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہو سکتا ہوں، اور ہوں بھی" ۔۔۔ جوردیک نے کہا۔ "لیکن اپنی قوم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ محترم سلطان! اگر آپ نے شہریوں کو پریشان کیا تو سب آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ آپ صلاح الدین ایوبی کے خلاف جو محاذ بنا رہے ہیں وہ کمزور ہو جائے گا۔"

"ہم نے قوم کی کبھی پروا نہیں کی" ۔۔۔ ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے کہا۔ "ہم قاتلوں کو ڈھونڈیں گے۔ وہ کسی گھر میں ہی ہوں گے۔ ہم انہیں باہر نکال لیں گے۔ یہ قتل صلاح الدین ایوبی نے کرایا ہے۔"

"میرے دوست!" ۔۔۔ جوردیک نے کہا۔ "تمہارے ایک افسر کا قتل کوئی بڑی بات نہیں۔ تم صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کتنی بار کوشش کر چکے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اسے قتل نہیں کر سکے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ دشمن ایک دوسرے کو ہر جائز ناجائز طریقے سے مارنے اور مروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر تمہارے ونڈسر کو ایوبی نے قتل کرایا ہے تو فرق صرف یہ پڑا ہے کہ تم اُسے قتل کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور وہ تمہارے ایک اہم افسر کو قتل کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تم اس کے کئی ایک اہم افسروں کو قتل کرا چکے ہو۔ اس نے شہریوں کو کبھی پریشان نہیں کیا۔"

تمام مسلمان اُمرا اور حکام جوردیک کے خلاف بولنے لگے۔ وہ صلیبیوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن جوردیک نے سب کا مقابلہ کیا اور اسی بات پر ڈٹا رہا کہ شہر کے کسی گھر کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔

"تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ تم بھی اس قتل میں شریک ہو؟" ایک صلیبی مشیر نے کہا۔ "مجھے شک ہے کہ تم صلاح الدین ایوبی کے دوست ہو۔"

"اگر حلب کے مسلمان گھرانوں کو پریشان کیا گیا تو میں کسی کے بھی قتل میں شریک ہو سکتا ہوں۔" جوردیک نے کہا ۔۔۔ "اور میں ایوبی کا دوست بھی ہو سکتا ہوں۔"

"ہم جب تک یہاں ہیں ہمارا حکم چلے گا۔" صلیبی نمائندے نے کہا۔

"تم یہاں اُجرت پر آئے ہو۔" جوردیک نے کہا۔ "یہاں ہمارا حکم چلے گا۔ ہم مسلمان ہیں۔ حالات ایسے ہیں، آپس میں لڑ رہے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم کی کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم بلا اُجرت آئے ہوتے تو میں تمہاری مدد سے دستبردار ہوتا ہوں۔ میں قلعہ داری کے عہدے سے بھی دستبردار ہوتا ہوں اور میں تم سب کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ

میری قوم کے کسی ایک بھی بے گناہ فرد کو تکلیف دی گئی تو میں انتقام لوں گا۔"

کسی کے اشارے پر وہ آدمی جوردیک کو باہر لے گئے۔ اس کی غیر حاضری میں صلیبی نمائندے نے سب سے کہا کہ حالات ایسے ہیں کہ قلعہ دار کو ناراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شخص اتنی دلیری سے باتیں کر رہا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے قلعے میں جو فوج ہے وہ اس کی مرید ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ صورت حال اچھی نہیں۔ آپس میں صلاح مشورہ کر کے جوردیک کو اندر بلایا گیا اور اسے بتایا گیا کہ شہریوں کو پریشان نہیں کیا جائے گا مگر قاتلوں کی تلاش ضرور کیا جائے گا۔ جوردیک نے کہا کہ وہ تین چار دن وہیں رہے گا۔

☆

تین چار دنوں بعد جوردیک حلب سے روانہ ہوا۔ وہ اپنے قلعے حماۃ کو جا رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں قاتلوں کی تلاش اور سراغرسانی ہوتی رہی۔ اس کی خواہش کے مطابق کسی گھر کی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔ وہ مطمئن ہو کر جا رہا تھا، مگر صلیبیوں کو اس کے متعلق اطمینان نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دس بارہ محافظ تھے۔ جوردیک سمیت سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ راستے میں ٹیلوں اور چٹانوں کا علاقہ آتا تھا۔ جوردیک اس علاقے میں داخل ہوا تو بیک وقت کہیں سے دو تیر آئے۔ دونوں اس کے گھوڑے کے سر میں پیوست ہو گئے۔ تیر اندازوں نے تیر جوردیک پر چلائے ہوں گے۔ گھوڑا بے لگام ہو کر دوڑ پڑا۔ دو تیر اور آئے۔ وہ بھی گھوڑے کو لگے۔ اب کے نشانہ خطا ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ گھوڑا بدک کر ادھر ادھر دوڑ رہا تھا۔

جوردیک شاہسوار تھا۔ وہ دوڑتے گھوڑے سے کود کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس کے محافظ ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ تیر اندازوں کے تعاقب میں گئے تھے۔ علاقہ ایسا تھا کہ کسی کو پکڑنا آسان نہیں تھا۔ جوردیک سمجھ گیا کہ یہ کرائے کے قاتل ہیں جنہیں صلیبیوں نے اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ انہیں یہ شک تھا کہ جوردیک سلطان ایوبی کا دوست ہے۔ وہ جنگجو تھا۔ چٹان کی اوٹ سے نکل کر اوپر چلا گیا۔ اسے صرف چٹانیں نظر آئیں یا اپنے محافظ جو ادھر ادھر تیر اندازوں کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

"ادھر آجاؤ!" کسی نے چلا کر کہا۔ "ادھر آجاؤ۔ پکڑ لیے ہیں۔"

محافظ ادھر کو بھاگے۔ محافظوں نے تین آدمیوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ تینوں نقاب پوش تھے۔ ان کے پاس کمانیں نہیں تھیں۔ ترکش بھی کسی کے پاس نہیں تھی۔ ان کے ساتھ گھوڑے تھے۔ انہیں اس حالت میں پکڑا گیا تھا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ تینوں نے چہرے چھپا رکھے تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ انہیں پکڑ کر جوردیک کے پاس لے گئے۔

"تمہاری کمانیں اور ترکش کہاں ہیں؟" جوردیک نے ان سے پوچھا۔

"ہمارے پاس صرف تلواریں ہیں۔" ایک نے جواب دیا۔

"سنو بھائیو!" جوردیک نے بڑے تحمل سے کہا۔ "تمہارے چاروں تیر خطا گئے۔ تم مجھے قتل نہیں کر سکے۔ تم پکڑے بھی گئے ہو۔ تم ہار گئے ہو۔ اب جھوٹ سے بچو۔"



"کیسے تیر؟" ایک نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ "ہم نے کسی پر تیر نہیں چلائے۔ ہم مسافر ہیں۔ ذرا آرام کرنے کے لیے رک گئے تھے۔ اب جا رہے تھے کہ ان لوگوں نے پکڑ لیا۔"

جوردیک ہنس پڑا اور جواب دینے والے نقاب پوش سے کہنے لگا۔ "میں تمہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک میں تم تینوں کی گردنیں اڑا چکا ہوتا۔ تم کرائے کے قاتل ہو۔ صرف یہ بتا دو کہ میرے قتل کے لیے تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ صاف صاف بتا دو اور جاؤ۔"

دو نقاب پوشوں نے قسمیں کھائیں۔ تیسرا خاموش رہا۔

"اپنے آپ کو عذاب میں نہ ڈالو۔" جوردیک نے کہا۔ "کسی کے لیے اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔ فوراً آزاد کر دوں گا۔"

نقاب پوشوں نے پھر پس و پیش کی۔

"ان کے نقاب اتار دو۔" جوردیک نے اپنے محافظوں سے کہا۔ "ان سے تلواریں لے لو۔"

دو نقاب پوشوں نے نیاموں سے تلواریں نکال لیں اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گئے۔ تیسرا نقاب پوش ان دونوں کے پیچھے ہو گیا۔ اس کے پاس تلوار نہیں تھی۔ جوردیک نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تم اتنے سارے محافظوں کا مقابلہ کر سکو گے جبکہ تمہارے تیسرے ساتھی کے پاس تلوار ہی نہیں ہے؟ میں تمہیں ایک اور موقع دیتا ہوں۔ میں نے ابھی اپنے محافظوں کو حکم نہیں دیا کہ وہ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں۔" محافظوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

"اور میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں کہ ہم میں سے کسی نے تیر نہیں چلائے۔" ایک نقاب پوش نے کہا۔

محافظوں کا کمانڈر ان تینوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ اسے جانے کس طرح کچھ شک ہوا۔ اس نے اس تیسرے نقاب پوش جس کے پاس تلوار نہیں تھی کا چغہ اوپر سے کھینچا تو اس کے سر کا حصہ پیچھے کو ہو گیا۔ اس نے اس کا نقاب بھی نوچ لیا، اور جب چہرہ بے نقاب ہوا تو سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ جوردیک نے کہا کہ اسے اس کے پاس لایا جائے۔ دونوں نقاب پوشوں نے حیران کن پھرتی سے پیچھے کو مڑ کر لڑکی کو پکڑنے والے محافظ کے سینے پر تلواریں رکھ دیں۔ ایک نے للکار کر کہا۔ "جب تک ہمیں پوری بات نہیں بتاؤ گے اور ہماری نہیں سنو گے اس لڑکی کو ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔ ہم جانتے ہیں ہمیں تمہارے ہاتھوں مرنا ہے لیکن ہم ان میں سے آدھے محافظوں کو مار کر مریں گے۔ تمہیں یہ لڑکی زندہ نہیں مل سکتی۔"

جوردیک ایک ٹھنڈے مزاج کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے محافظوں کو پیچھے ہٹا دیا اور نقاب پوشوں سے کہا۔ "تم مجھ سے اور کیا بات سننا چاہتے ہو؟ بات اتنی سی ہے کہ تم کرائے کے قاتل ہو اور یہ لڑکی تمہیں انعام کے طور پر ملی ہے؟"

"دونوں باتیں غلط ہیں۔" ایک نقاب پوش نے کہا۔ "ایک صلیبی حاکم اور ایک جاسوس صلیبی لڑکی کو قتل کرنا گناہ نہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم فرار میں پکڑے گئے ہیں لیکن ہم خوش ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ یہ لڑکی مسلمان ہے، مظلوم ہے۔ اسے ہم صلیبیوں کے پنجے سے چھڑا کر لا رہے ہیں اور دمشق جا رہے ہیں۔"

"کیا ونڈسر اور صلیبی لڑکی کو تم نے قتل کیا ہے؟" جورڈیک نے پوچھا۔

"ہاں!" ایک نقاب پوش نے جواب دیا۔ "ہم نے ان دونوں کو قتل کیا ہے۔"

"اور کیا تم نے بعد میں یہ تیر چلائے ہیں کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں؟" جورڈیک نے پوچھا۔

"ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا نام جورڈیک ہے اور تم حماۃ کے قلعہ دار ہو۔" نقاب پوش نے کہا۔ "اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کے دشمن ہو لیکن تمہیں قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کی مدد سے ہم بہت جلد تم سے ہتھیار ڈلوا کر تمہیں تمہاری فوج سمیت اپنا قیدی بنا لیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن صباح اور شیخ سنان نہیں۔ وہ دشمن کو گرا کر بزدلوں کی طرح قتل نہیں کرایا کرتا۔ ونڈسر اور لڑکی کا قتل ہمارا ذاتی فعل تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ وہ قتل کر دیئے جائیں۔ ہم نے قتل کا ارتکاب کیا۔ یہ سلطان ایوبی کا حکم اور منشا نہیں تھا۔" اُس نے جورڈیک کے گھوڑے کی طرف دیکھا جو کچھ دور مرا پڑا تھا۔ وہ تیر اس کی پیشانی میں اور دو پہلو میں اُترے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے کہا۔ "گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کسی کو تیر و کمان دو۔ تم گھوڑا دوڑاؤ جس طرح بھی دوڑا سکتے ہو دوڑاؤ۔ دائیں بائیں ہوتے جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر تم پر تیر چلائے گا۔ اگر پہلا تیر خطا جائے تو تیر انداز کی گردن اُڑا دینا۔ یہ تیر ہمارے چلائے ہوئے نہیں تھے جو تمہاری بجائے تمہارے گھوڑے کو لگے۔"

"تم معمولی سپاہی نہیں لگتے؟" جورڈیک نے کہا۔ "کیا تم سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی ہو؟"

"اور تم کون ہو؟" نقاب پوش نے کہا۔ "کیا تم صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی نہیں ہو؟ کیا تم اسلام کے سپاہی نہیں ہو؟... تم اپنی اصلیت بھول گئے۔ قلعہ داری کے عہدے نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ تم نے اس سے زیادہ رتبہ حاصل کرنے کے لیے کافروں سے دوستانہ گانٹھ لیا ہے۔"

"تم درخت سے ٹوٹی ہوئی وہ ٹہنی ہو جس کی قسمت میں سوکھ کر تنکا تنکا ہو جانا لکھ دیا گیا ہے۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔ "تم اتنے اہم انسان نہیں ہو کہ سلطان ایوبی تمہارے قتل کی ضرورت محسوس کرے۔ تم اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے زندہ رہو گے۔ مر گئے تو صلیبیوں کے ہاتھوں مرو گے۔"

"تم حلب شراب پینے اور عیش کرنے گئے تھے۔" پہلے نقاب پوش نے کہا۔ "تم اس لڑکی کے ناچ سے لطف اندوز ہونے گئے تھے۔"

"میں مسلمان لڑکی ہوں۔" لڑکی بولی۔ "مجھے صلیبیوں کی محفلوں میں نچایا گیا اور وہ میرے جسم کے ساتھ کھیلتے رہے۔ ذرا سی دیر کے لیے تصور کرو کہ میں تمہاری بیٹی ہوں۔ میں نے وہاں مسلمانوں کی بیٹیوں کو ننگا ناچتے دیکھا ہے۔ تم اتنے بے غیرت ہو گئے ہو کہ اپنی بیٹیوں کی آبروریزی بھی تم میں غیرت بیدار نہیں کر سکتی۔ میں صلیبیوں میں سات آٹھ سال گزار کر آئی ہوں۔ میں نے ان صلیبی حاکموں کے ساتھ بھی وقت گزارا ہے جنہیں تم نے اپنا دوست بنا کر یہاں بلایا ہے۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ وہ دوستی کا فریب دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔"

جورڈیک پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اُس کے محافظ حیران تھے کہ اتنا خود سر اور دلیر قلعہ دار ان تینوں کی اتنی سخت



باتیں برداشت کر رہا ہے۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ اُسے وہ جھڑپ یاد آ رہی تھی جو اُس نے ریمانڈ کے فوجی نمائندے سے اس مسئلے پر کی تھی کہ حلب کے باشندوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے گی۔ اُسے یہ خیال آیا کہ اس پر تیر چلانے والے صلیبیوں کے آدمی ہوں گے۔ اس نے نرم سے لہجے میں نقاب پوشوں سے کہا۔ "میں تمہیں اپنے قلعے میں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"قیدی بنا کر؟"

"نہیں!" جورڈیک نے یہ کہہ کر سب کو حیران کر دیا۔ "مہمان بنا کر۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ اپنی تلواریں اپنے پاس رکھو۔"

سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ جورڈیک کا گھوڑا مر چکا تھا۔ اُس نے ایک محافظ کا گھوڑا لے لیا اور یہ قافلہ چل پڑا۔

☆

وہ چٹانی علاقے سے نکلنے والے تھے کہ سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے۔ سب نے اپنے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں اور نظر آ گیا کہ دو گھوڑ سوار پوری رفتار سے حلب کی سمت بھاگے جا رہے تھے۔ ان کی کمانیں اور ترکش صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ یقیناً یہاں سے بھاگے تھے۔

"یہ ہو سکتے ہیں تمہارے قاتل!" ایک نقاب پوش نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ دوسرے نقاب پوش نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں۔ لڑکی وہیں رہی۔

تمام محافظوں نے گھوڑے تعاقب میں ڈال دیئے۔ ان میں سب سے زیادہ تیز گھوڑے نقاب پوشوں کے تھے۔ آگے کچھ علاقہ ریت کی ڈھیریوں اور گھاٹیوں کا تھا۔ بھاگنے والے سواروں نے گھوڑے موڑے۔ نقاب پوش تجربہ کار سوار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کا رُخ موڑ کر فاصلہ کم کر لیا۔ بھاگنے والوں نے کندھوں سے کمانیں اتار لیں اور ان میں ایک ایک تیر ڈال لیا۔ گھوڑوں کے رُخ بدل کر انہوں نے تعاقب کرنے والوں پر تیر چلائے۔ تیر خطا گئے مگر تعاقب میں خطرہ پیدا کر گئے۔ نقاب پوش پہنچ گئے۔ فاصلہ چند گز رہ گیا تو بھاگنے والوں نے تیر چلانے کی کوشش کی مگر نقاب پوشوں نے انہیں مہلت نہ دی۔ ایک نے بھاگنے والے گھوڑے کے پچھلے حصے میں تلوار دی۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا۔ دوسرے نے دوسرے بھاگنے والے پر تلوار کا وار کیا تو اس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ دوسرے کا گھوڑا زخمی ہو کر بے لگام ہو گیا تھا۔ اُسے محافظوں نے پکڑ لیا۔

انہیں جب جورڈیک کے سامنے لے جایا گیا تو اصل صورت واضح ہو گئی۔ نقاب پوشوں نے نقاب اُتار دیئے اور انہوں نے بتا دیا کہ وہ سلطان ایوبی کے جاسوس ہیں۔ ان میں ایک خلّت تھا اور دوسرا اس کا ساتھی اور جو بھاگتے ہوئے پکڑے گئے تھے وہ مسلمان ہی تھے لیکن جورڈیک کو قتل کرنے آئے تھے۔ ان میں سے جس کا بازو کٹ گیا تھا، اُسے بڑی بے رحمی سے کچھ دور پھینک دیا گیا۔ دوسرے سے کہا گیا کہ وہ زندہ واپس جانا چاہتا ہے تو بتا دے کہ اُسے کس نے بھیجا تھا ورنہ اس کا بھی بازو کاٹ کر یہیں پھینک دیا جائے گا۔ اُس نے بتایا کہ ان دونوں کو ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے دو مسلمان اُمرا کی موجودگی میں کہا تھا کہ فلاں دن اور فلاں وقت جورڈیک حلب سے روانہ ہو رہا ہے اور

وہ فلاں وقت چٹانی علاقے میں سے گزرے گا۔ ان دونوں کو بے تحاشہ انعام پیش کیا گیا تھا۔ انہیں جوردیک کے قتل کی یہ ترکیب بتائی گئی تھی کہ چٹانی علاقے میں چھپ جائیں اور جوردیک کو تیروں کا نشانہ بنا کر بھاگ آئیں۔

مقررہ وقت پر دونوں اس علاقے میں پہنچ گئے اور گزرنے والے راستے کو دیکھ کر ایک بلند چٹان پر چھپ گئے۔ بہت سے انتظار کے بعد جوردیک آگیا۔ دو محافظ گھوڑ سوار آگے تھے۔ ایک اُس کے دائیں اور دوسرا بائیں۔ باقی پیچھے تھے۔ تیر اندازوں نے نشانے تو ٹھیک لیے تھے لیکن پہلو والا محافظ آگے آجاتا تھا۔ جوردیک اور قریب آیا تو تیر چلاتے وقت آگے والا محافظ آگے آگیا۔ تیر چلا دیئے گئے لیکن نشانہ ذرا پیچھے ہو گیا تھا۔ دونوں تیر گھوڑے کی پیشانی میں لگے۔ دوسرے دو تیر اس لیے خطا گئے کہ گھوڑا دو تیر کھا کر بدک گیا تھا اور جب تیر چلائے گئے تو وہ بہت زور سے اچھل پڑا تھا۔ اس سے تیر جوردیک کو لگنے کی بجائے گھوڑے کے پہلو میں لگے۔

وہاں چھپنے کی جگہیں بہت تھیں اور موزوں بھی تھیں۔ انہوں نے گھوڑے ایسی ہی ایک جگہ چھپا دیئے تھے اور اُن کے منہ باندھ دیئے تھے تاکہ ہنہنا نہ سکیں۔ تیر انداز بھاگ کر کہیں چھپ گئے۔ انہوں نے محافظوں کو دیکھا جو بکھر کر انہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ چھپ کر انہیں دیکھتے رہے پھر ایک طرف سے شور اٹھا کہ ادھر آجاؤ، پکڑ لیے ہیں۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ محافظ تین نقاب پوشوں کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ تیر انداز بہت خوش ہوئے کہ اُن کی جان بچی، مگر وہ ابھی وہاں سے بھاگنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ابھی پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ ایک محافظ ایک چٹان پر کھڑا رہا۔ اُسے وہاں دیکھ بھال کے لیے کھڑا کیا گیا تھا۔ بہت دیر بعد اس محافظ کو وہاں سے بلا لیا گیا۔ دونوں تیر انداز اپنے گھوڑوں کے پاس گئے۔ اُن کے منہ کھولے اور سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جوردیک اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑا ہے۔

اس تیر انداز کو جوردیک نے اپنے ساتھ لے لیا اور سب حماۃ کی سمت روانہ ہو گئے۔ دوسرا تیر انداز کٹے ہوئے بازو سے خون بہہ جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکا تھا۔ راستے میں خلت نے اُسے حمیرہ کے متعلق ساری بات سنائی اور یہ بھی سنایا کہ اس نے ونڈسر کو کس طرح قتل کیا تھا۔ جوردیک کے لیے حیران کن یہ تھا کہ وہ حلب سے نکل کر کس طرح آئے۔ خلت نے اُسے بتایا کہ وہاں ان کا ایک کمانڈر بھی تھا جس کا وہ نام اور حلیہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اُس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کپڑے وغیرہ لپیٹ کر نوزائیدہ بچے کے تابوت کی شکل بنا دی اور اس پر کفن چڑھا دیا۔ چار پانچ جاسوسوں نے ادھر اُدھر بتایا کہ فلاں (جاسوس) کا بچہ مر گیا ہے۔ کفن میں لپٹے ہوئے کپڑوں کو کمانڈر نے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ خلت، اُس کا ساتھی، حمیرہ (مردانہ لباس میں) اور چار پانچ آدمی جنازے کی شکل میں ساتھ چل پڑے۔

قبرستان شہر سے باہر تھا۔ وہاں تین گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ گھوڑے ایک ایسا جاسوس لایا تھا جو حلب کی فوج میں تھا۔ یہ چرائے ہوئے گھوڑے تھے۔ ”جنازہ“ فوجیوں کے سامنے سے گزرا اور قبرستان میں چلا گیا۔ وہاں قبر کھودی گئی۔ جنازہ پڑھا گیا۔ خلت، اُس کا ساتھی اور حمیرہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور نکل گئے۔

قلعے میں جوردیک کا قافلہ رات کو پہنچا۔ خلت وغیرہ کو اُس نے باعزت مہمانوں کی طرح رکھا۔ اُس نے خلت سے پوچھا۔ ”مجھے اب اپنا دوست سمجھو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کیا کر رہا ہے۔ تمہیں ضرور معلوم ہو گا۔ اُس نے



الصالح کا تعاقب کیوں نہیں کیا تھا؟“

”میں اگر سلطان کا منصوبہ جانتا بھی ہوں تو آپ کو نہیں بتاؤں گا۔“ خلت نے جواب دیا۔ ”اور میں آپ کو یہ بھی نہیں بتاؤں گا کہ میں نے حلب سے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔“

”صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری ذاتی دشمنی تھی۔“ جوردیک نے کہا۔ ”پھر میں اس کے خلاف ہو گیا۔ اُس کی وجہ جو کچھ بھی تھی، میں غلطی پر تھا۔ مجھے اس غلطی کا احساس دشمن نے دلایا ہے۔ میں نے صلیبیوں کی نیت معلوم کر لی ہے۔ ایک طرف وہ میری فوج اور میرے قلعے کو استعمال کرنا چاہتے ہیں، اور دوسری طرف انہوں نے مجھے قتل کرانے کی کوشش کی۔ مجھے نورالدین زنگی مرحوم اور صلاح الدین ایوبی کی باتیں اور اصول یاد آگئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ جنگ ہلال اور صلیب کی ہے۔ یہ کسی عیسائی بادشاہ کی کسی مسلمان بادشاہ کے خلاف جنگ نہیں۔ ایوبی کہا کرتا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے صلیبی اُسے ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ غیر مسلم خواہ کسی بھی مذہب کا ہو مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے تو اس میں دشمنی کا زہر ملا ہوا ہو گا۔ نورالدین زنگی بھی اسی اصول کا پابند تھا۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ جس روز مسلمان کسی غیر مسلم سے دوستی کریں گے، اُس روز اسلام کا خاتمہ شروع ہو جائے گا۔“

”تو کیا آپ صلاح الدین ایوبی کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں؟“ خلت نے پوچھا اور یہ بھی کہا۔ ”میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں، معمولی سا سپاہی ہوں۔ مجھے ایسی جرأت نہیں کرنی چاہیے کہ ایک قلعہ دار سے یہ پوچھوں کہ وہ کیا سوچ رہا ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں، لیکن مسلمان کی حیثیت سے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ کوئی مسلمان گمراہ ہو جائے تو اُسے اتنا کہہ سکوں کہ تم گمراہ ہو گئے ہو۔“

”ہاں!“ جوردیک نے کہا۔ ”تمہیں یہ حق حاصل ہے۔ میں تمہیں ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔ یہ سلطان ایوبی کے کانوں میں ڈال دینا۔ میں تحریری پیغام نہیں دینا چاہتا۔ میں اپنا کوئی ایلچی بھی نہیں بھیجنا چاہتا۔ تم ایوبی سے کہنا کہ حماۃ کے قلعے کو اپنا سمجھو مگر اپنے کسی معتمد سالار کو بھی پتہ نہ چلنے دینا کہ میں نے یہ پیش کش کی ہے۔ یہ ایک بڑا ہی نازک راز ہے۔ اُسے کہنا کہ صلیبی دوستی کے پردے میں ہمارے علاقوں میں قدم جماتے جا رہے ہیں۔ تم سردیوں کے بعد شاید حملہ کرو، مگر یہ خیال رکھنا کہ ادھر سے تم پہ پہلے ہی حملہ نہ ہو جائے۔ اگر تم نے پیش قدمی کی تو حماۃ کے راستے سے آنا۔ میں انشاء اللہ پرانی دوستی کا حق ادا کروں گا۔“

دوسرے دن جوردیک نے خلت، اُس کے ساتھی اور حمیرہ کو رخصت کر دیا۔

☆

صلیبی انٹیلی جنس کے کمانڈر ونڈسر کا قتل بے شک اتفاقیہ تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے دو جاسوسوں کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ وہ اُن کے ہاتھوں قتل ہو گیا، لیکن یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس کے قتل سے سلطان ایوبی کو فائدہ پہنچا کہ اس کے دشمن کی انٹیلی جنس جو پہلے ہی کمزور تھی منظم نہ ہو سکی۔ اس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی زیادہ منظم اور ذہین تھا۔ اُس کے جاسوس صرف جاسوس نہیں تھے جو پکڑے جائیں، تو

خاموشی اختیار کریں۔ اس نے جاسوسوں کو بڑی ہی سخت کمانڈو ٹریننگ دے رکھی تھی تاکہ وہ پکڑے جانے کی صورت میں لڑ کر نکلیں اور جسے قتل کرنا ضروری ہو اُسے قتل بھی کریں اور اُن کے جسم اتنے سخت ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اذیت، بھوک، پیاس اور تھکن برداشت کر سکیں۔ یہ خوبیاں خلت اور اس کے ساتھیوں میں بھی تھیں۔ انھوں نے نہ صرف صلیبیوں کے اتنے اہم افسر کو مار کر دشمن کو اندھا کر دیا بلکہ جوردیک جیسے سخت مزاج قلعہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ اُسے سلطان ایوبی کا حامی بنا آئے۔

خلت نے سلطان ایوبی کو جب جوردیک کا پیغام دیا تو سلطان کو یوں سکون سا محسوس ہوا جیسے صحرا میں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا جھونے جھلسے سے آ گیا ہو۔ اسے ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے۔ اپنے بھی دشمن، پرائے بھی دشمن۔ جوردیک کے پیغام نے اُسے سکون تو دیا لیکن وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا۔ یہ دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے حملے کے پلان میں کوئی ردوبدل نہ کیا۔ اتنا ہی پیشِ نظر رکھا کہ حماۃ سے حمایت کی توقع ہے۔

اب دشمن کے کیمپ (حلب) سے جو اطلاعیں آ رہی تھیں ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہاں کے کمانڈروں اور مشیروں کو یہی توقع تھی کہ سردیوں میں جنگ کا امکان نہیں۔ ایک اطلاع یہ بھی ملی تھی کہ صلیبی بظاہر سب کے دوست بنے ہوئے ہیں مگر وہ درپردہ بڑے بڑے اُمراء کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسا رہے ہیں۔ یہ تو سلطان ایوبی کو معلوم ہی تھا کہ علاقے کے تمام حواری ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ اکٹھے صرف اس لیے ہو گئے تھے کہ سلطان ایوبی کو وہ اپنا مشترکہ دشمن بنا بیٹھے تھے، اور اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی انہیں عیش و عشرت کی اور من مانی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ انہیں سلطان ایوبی کا یہ مشن بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع اور استحکام کو جنون یا صحیح الفاظ میں ایمان بنا لیا جائے۔ وہ اُن حکمرانوں میں سے نہیں تھا جو آرام اور سکون سے حکومت اور عیش کرنے کی خاطر دشمن کو دوست بنا لیا کرتے تھے۔

اُسے جنگی نوعیت کی جن معلومات کی ضرورت تھی وہ اُس نے حاصل کر لی تھیں۔ اُس کی فوج سردی میں لڑنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اب رات کی ٹریننگ میں کوئی سپاہی بیمار نہیں ہوتا تھا۔ ۱۱۷۴ء کا دسمبر شروع ہو چکا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کی آخری کانفرنس بلائی۔ اس میں مرکزی کمان کے تمام افسر شامل تھے اور دستوں کے کمانڈروں کو بھی بلایا گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں پہلا حکم یہ دیا کہ اس لمحے سے فوج کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی بات وہ کتنی ہی بے ضرر کیوں نہ ہو باہر کے کسی آدمی کے ساتھ نہیں کی جائے گی۔ جو عسکری اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں وہ گھروں میں بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔ فوج کے کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ یہ ظاہر کیا جائے گا کہ فوج روزمرہ کی طرح تربیت اور مشق کے لیے جا رہی ہے۔

ان ہدایات کے بعد اُس نے کہا — "ہمارے عیش پرست اور ایمان فروش بھائی اسلام کی تاریخ کو اُس موڑ پر لے آئے ہیں جہاں تمہارا اپنے ہی عزیزوں کے خلاف لڑنا تم پر فرض ہو گیا ہے۔ کیا کسی نے کبھی یہ بھی سوچا تھا کہ میں اپنے پیر و مرشد نورالدین زنگی مرحوم کے بیٹے کے خلاف لڑوں گا؟ مگر صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بیٹے کی ماں بھی مجھ پر لعنت بھیج رہی ہے کہ اس کا مرتد بیٹا ابھی زندہ کیوں ہے۔ میرے رفیقو! تم جس فوج سے لڑنے جا رہے ہو، اس میں تمہارے



چچا زاد بھائی بھی ہوں گے، ماموں زاد اور خالہ زاد بھی ہوں گے۔ مجھے وہ بھائی ایسے بھی اپنی فوج میں نظر آ رہے ہیں جن کا ایک بھائی ایمان فروشوں کی فوج میں ہے۔ اگر تم خون کے رشتوں کو دل میں جگہ دو گے تو اسلام کے ساتھ جو تمہارا رشتہ ہے وہ ٹوٹتا ہے۔ کوچ سے پہلے تمہیں عہد کرنا ہو گا کہ تم یہ نہیں دیکھو گے کہ تمہارا مدمقابل کون ہے۔ تمہاری نظریں اپنے عَلم پر رہیں گی۔ دل میں یہ حقیقت بٹھا لو کہ تمہارے سامنے تمہارے کلمہ گو بھائی ہیں مگر اُن کی پیٹھ پر صلیبی ہیں۔ میں اس بھائی کو بھائی نہیں سمجھتا جو اپنے مذہب کے دشمن کو دوست سمجھتا ہے۔"

ایک وقائع نگار کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اس لیکچر کے دوران صلاح الدین ایوبی کی آواز بھرّا گئی۔ اُس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ یہ دیکھنا کسی کے لیے مشکل نہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ کچھ دیر سر جھکا کر خاموش بیٹھا رہا۔ کانفرنس کے شرکاء پر سکوت طاری ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے سر اٹھایا اور دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے گڑگڑایا — "خدائے عزوجل! میں تیرے نام کی خاطر، تیرے رسولؐ کی ناموس کی خاطر اپنے بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھا رہا ہوں۔ اگر یہ گناہ ہے تو مجھے بخش دینا میرے خدا! مجھے تیری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مجھے اشارہ دو۔ میں گمراہ ہوں، گناہگار ہوں" — اس نے سر جھکا لیا اور جانے اسے اپنی ذات سے کوئی اشارہ ملا یا خدا نے اُسے کوئی اشارہ دے دیا۔ اس نے گرجدار آواز میں کہا — "ہمیں قبلۂ اول کو آزاد کرانا ہے۔ تمہیں بیت المقدس پکار رہا ہے۔ میرے راستے میں میرا باپ آیا تو اُسے بھی قتل کر دوں گا۔ میرے بچے راستے میں حائل ہوئے تو انہیں بھی قتل کر دوں گا۔"

اُس کا چہرہ دمکنے لگا۔ جذباتیت کا غلبہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ پھر وہی صلاح الدین بن گیا جو صرف حقائق کے متعلق مختصر سی بات کیا کرتا تھا۔ اس نے کمانڈروں کو بتایا کہ دو روز بعد رات کو کوچ ہو گا۔ اُس نے پلان کے مطابق فوجوں کی جو تقسیم کی تھی وہ سب کو بتائی اور ہر حصے کے کمانڈر کو کوچ کا وقت بتایا۔ ہراول کے کمانڈر کو ضروری ہدایات دیں۔ چھاپہ مار (کمانڈو) جیشوں کی تقسیم بتائی۔ پہلوؤں پر جن دستوں کو رکھنا تھا اُن کے کمانڈروں کو کوچ کا انداز، راستہ اور وقت بتایا اور اس نے سب کو یہ بھی بتایا کہ اُس کا اپنا ہیڈکوارٹر گھومتا پھرتا رہے گا۔ اس سے پہلے اُس نے مصر کے راستے پر متحرک رہنے والے چھاپہ مار دستے بھیج دیئے تھے اور مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اس نے اپنی انٹیلی جنس کی بہت سی نفری ان علاقوں میں بھیج دی تھی جہاں ریمانڈ کی فوج کے آنے کی توقع تھی۔

رسد کے متعلق اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کم و بیش ایک سال تک مصر سے رسد اور کمک منگوانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسلحہ اور جانوروں کا سٹاک بھی اس نے دمشق میں جمع کر لیا تھا۔ اس نے گھوڑ سوار چھاپہ ماروں کو مصر کے راستے کے اردگرد کے علاقوں میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ ریمانڈ کی فوج ادھر آئے تو اس پر شب خون مارتے رہیں اور اگر ضرورت محسوس ہو تو فوراً اطلاع دیں تاکہ صلیبیوں کو گھیرے میں لینے کا انتظام کیا جائے۔

☆

۶/۷ دسمبر ۱۱۷۴ء کی رات کو ہراول دستے نے دمشق سے کوچ کیا۔ وہ رات بہت ہی سرد تھی۔ برف جھکڑ چل رہے تھے جو جسم کو کاٹتے تھے۔ سپاہی اور گھوڑے ان جھکڑوں کے عادی ہو چکے تھے۔ ہراول کے کمانڈر کو بتا دیا گیا تھا کہ

جمال زنگی کا جیش پہلے روانہ ہو چکا ہے۔ اس کے سپاہی وردی میں نہیں تھے۔ وہ مسافروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں یہ ہدایت دی تھی کہ تیز رفتار قاصد پیچھے آگے ہراول کے کمانڈر کو آگے کی اطلاعیں دیتے رہیں۔ ہراول کو حماۃ کے قلعے تک جانا تھا جہاں قلعہ دار جورد یک تھا۔ کمانڈر کو سلطان ایوبی نے بتایا تھا کہ حماۃ کا قلعہ بغیر لڑے ملنے کا امکان ہے لیکن وہ کسی دھوکے میں نہ آئے۔ وہ قلعے سے موزوں فاصلے پر رک جائے اور دیکھے کہ قلعے والوں کا رویّہ کیا ہے۔ اگر جورد یک صلح کرنا چاہے تو اُسے قلعے سے باہر بلایا جائے اور سلطان ایوبی کے آنے تک اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔

سلطان ایوبی نے دیواریں توڑنے والے تجربہ کار آدمیوں کی ایک جماعت کو آگے بھیج دیا تھا۔ ہراول کی روانگی سے تین چار گھنٹوں بعد دو زیادہ نفری کے دستے اس طرح روانہ کیے گئے کہ ایک کو ہراول کے دائیں اور دوسرے کو بائیں رہنا تھا۔ ان کے لیے ہدایت یہ تھی کہ اگر حماۃ کے قلعے سے ہراول کا مقابلہ ہو جائے تو یہ دونوں دستے دونوں طرف سے آگے جا کر قلعے کا محاصرہ کر لیں اور اس پر اس قدر تیر برسائیں کہ دیوار توڑنے والی جماعت دیوار تک پہنچ جائے۔

ان دونوں حصوں کے درمیان سلطان ایوبی جا رہا تھا۔ ہراول اور دونوں پہلوؤں کے دستے سلطان ایوبی کی فوج کا چوتھا حصہ تھے۔ اُس نے باقی تمام فوج پیچھے رکھی تھی۔ اُس نے کم سے کم نفری سے دشمن سے ٹکر لینے کا پلان بنایا تھا۔ رسد کے لیے اُس نے چھاپہ مار دستے پھیلا دیئے تھے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے دستے حماۃ سے بہت آگے بھی بھیج دیئے تھے۔۔۔ تاکہ حماۃ سے کوئی قاصد حلب تک نہ جاسکے، اور اگر کہیں سے کمک آجائے تو چھاپہ مار اُسے شبخونوں سے پریشان کرتے رہیں اور پیش قدمی روکے رکھیں۔

اگلا دن گزر گیا۔ رات گہری ہو چکی تھی جب ہراول کے دستے حماۃ سے دو تین میل دور تک پہنچ چکے تھے۔ ۹ دسمبر ۱۱۷۴ء کی صبح طلوع ہوئی تو قلعے پر کھڑے سنتریوں کو گرد اور دھند میں ایسے سائے سے نظر آئے جیسے بہت سے انسان اور گھوڑے ہوں۔ کوئی قافلہ ہو سکتا تھا۔ جوں جوں سورج اُوپر اٹھتا گیا دھند چھٹتی گئی اور سائے نکھرتے گئے۔ سنتریوں نے دیکھا کہ یہ فوج ہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ قلعے کے دائیں اور بائیں بھی فوج موجود ہے جو انہیں نظر نہیں آسکتی۔ نقارہ بجا دیا گیا۔ ایک کمانڈر دوڑتا اوپر آیا۔ اُس نے فوج دیکھی تو دوڑ گیا اور قلعہ دار جورد یک کو اطلاع دی۔

"گھبراؤ نہیں"۔۔۔ جورد یک نے کمانڈر سے کہا۔ "یہ کسی حملہ آور کی فوج نہیں ہو سکتی۔ صلیبی مجھے قتل نہیں کرا سکے انہوں نے کوئی اور سازش کی ہوگی۔ انہوں نے الصالح سے یہ حکم لے لیا ہوگا کہ حماۃ کا قلعہ مجھ سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ یہ فوج قلعے کے لیے آئی ہوگی۔ تم باہر جاؤ اور دیکھو کہ یہ کس کا دستہ ہے اور یہ لوگ کیا چاہتے ہیں"۔

کمانڈر گھوڑے پر سوار باہر نکلا اور سلطان ایوبی کے ہراول دستے کی طرف گیا۔ اُس نے علم دیکھا تو یہ سلطان ایوبی کا تھا۔ وہ ذرا پیچھے ہی رُک گیا۔ ہراول دستے کا کمانڈر اُس تک گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ دونوں نورالدین زنگی کی فوج میں اکٹھے رہ چکے تھے۔

"ایسا بھی ہونا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں گے"۔۔۔ ہراول دستے کے کمانڈر نے اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر کہا۔۔۔ "زنگی زندہ تھا تو ہم دوست اور رفیق تھے۔ وہ مر گیا تو ہم دشمن بن گئے"۔



"تم کیوں آئے ہو؟" قلعے کے کمانڈر نے پوچھا۔

"تم قلعے کو نہیں بچا سکو گے"۔۔۔ ہراول کے کمانڈر نے کہا۔۔۔ "میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ قلعہ دار سے کہو کہ قلعہ ہمارے حوالے کر دے اور خون خرابہ نہ ہونے دے۔ ہم تمہیں زیادہ مہلت نہیں دیں گے۔ تھوڑی دیر میں قلعہ محاصرے میں آچکا ہوگا۔ تمہاری کمک وغیرہ کے راستے بند کیے جاچکے ہیں۔ ہتھیار ڈال دو"۔

قلعے کا کمانڈر کوئی جواب دیئے بغیر واپس چلا گیا اور جورد یک کو بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے اور وہ ہتھیار ڈالنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ دستے اسی کے ہیں۔۔۔۔ جورد یک نے چلا کر کہا۔۔۔ "قلعے سے جھنڈا اتار کر سفید جھنڈا چڑھا دو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی آیا ہے"۔

وہ دوڑتا باہر نکلا، گھوڑے پر بیٹھا اور قلعے سے نکل گیا۔ ہراول دستے کے کمانڈر کے پاس پہنچا۔ سلطان ایوبی بہت پیچھے تھا۔ جورد یک ایک رہنما اور اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر سلطان ایوبی کے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی نے جورد یک کو گلے لگا لیا۔ جورد یک نے اس سے معافی مانگی۔ کچھ جذباتی باتیں کیں اور قلعہ اپنی فوج سمیت سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ سلطان ایوبی اپنی مرکزی کمان کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا تو اس نے سفید جھنڈے کی جگہ اپنا جھنڈا چڑھانے کا حکم دیا۔ جورد یک نے قلعے میں متعین فوج کے چھوٹے بڑے کمانڈروں کو سلطان ایوبی کے سامنے بلایا اور کہا کہ تم سے ہتھیار نہیں ڈلوائے گئے۔ تمہیں کسی نے شکست نہیں دی۔ اپنے سپاہیوں سے بھی کہہ دو کہ اپنے آپ کو شکست خوردہ نہ سمجھیں۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ اب ہم صلیبیوں اور ان کے دوستوں کے خلاف لڑیں گے۔

•

سلطان ایوبی جس مہم پر نکلا تھا، اس کی پہلی منزل اسے کسی کاوش کے بغیر مل گئی۔ وہ خدا کے حضور سجدے میں گر گیا۔ اس کے بعد اس نے جورد یک کے ساتھ آگے کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ مشکل ایک ہی تھی کہ جورد یک کے دستوں کو سردی میں لڑنے کی مشق نہیں کرائی گئی تھی۔ تاہم اس قلعے کو اڈہ (بیس) بنا لیا گیا۔ جورد یک کے دستوں کو ایسے طریقے سے تقسیم کیا گیا جس سے یہ دشواری ختم ہو گئی کہ وہ سردی میں نہیں رہ سکیں گے، مگر سپاہیوں کو پتہ چلا تو انہوں نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ آگے جائیں گے اور لڑیں گے۔

آگے حمص کا قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے کُوچ کا وقت ایسا رکھا کہ حمص تک رات کو پہنچا جائے۔ اُس نے اسی ہراول کو آگے بھیجا لیکن اب کے اس نے ڈیپلائے میں کچھ ردوبدل کر دیا کیونکہ حمص میں اُسے کوئی توقع نہیں تھی کہ قلعہ بغیر لڑے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس نے دیکھ بھال کے لیے ایک پارٹی آگے بھیج دی تھی جس نے راستے میں اطلاع دی تھی کہ قلعے کا محل وقوع کیا ہے اور گرد و پیش کے احوال و کوائف کیا ہیں۔ سلطان ایوبی نے چند دستے اس طرف بھیج دیئے جدھر سے مدد وغیرہ آنے کی توقع تھی۔ اس نے اپنی رسد حماۃ کے قلعے میں جمع کر لی اور رسد آگے لے جانے کے راستے کو کئی گشتی پارٹیوں اور چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ کر لیا۔ اس کے ساتھ حماۃ کا ایک دستہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی کی کوشش یہ تھی کہ حلب تک اس کے حملے کی خبر نہ پہنچے تاکہ وہ دشمن کو بے خبری میں جا لے۔

اُس نے اس کا انتظام کر دیا تھا۔ اپنے آدمی حلب کے راستے پر پھیلا دیئے تھے جن کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ کسی بھاگے ہوئے فوجی کو یا کسی ایسے غیر فوجی کو جسے یہ معلوم ہو کہ حملہ شروع ہو چکا ہے، روک لیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ قلعہ دار اور اس کے کمانڈر ایک وسیع کمرے میں شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ انہوں نے دو ناچنے والیاں بلا رکھی تھیں۔ کمرے میں طبل و سارنگ اور رقص و سرود کا پُر رونق ہنگامہ بپا تھا۔ سپاہی بے فکری کی نیند سو گئے تھے اور جو ڈیوٹی پر تھے وہ سردی سے بچنے کے لیے کسی نہ کسی اوٹ میں کھڑے تھے۔ رات یخ تھی۔ کمانڈروں نے سب کو بتا رکھا تھا کہ سردیوں کے موسم میں جنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔

"ہم اسی لیے نورالدین زنگی کے مرنے کی دعائیں کرتے تھے کہ اسی دنیا میں جنت دیکھ لیں" — قلعہ دار نے شراب کا پیالہ اوپر کر کے کہا — "اب صلاح الدین ایوبی آیا ہے۔ خدا اسے بھی جلدی اٹھا لے گا۔"

"اسے ہم اٹھائیں گے" — ایک کمانڈر نے کہا — "ذرا موسم کھل جانے دو۔"

قلعے کی دیوار پر کھڑے ایک سنتری نے اپنے ساتھی سے کہا — "وہ دیکھو، آگ جل رہی ہے۔"

"جلنے دو" — اس کے ساتھی نے کہا — "کوئی قافلہ ہوگا۔"

اتنے میں آگ کے تین چار گولے ہوا میں بلند ہوئے جو قلعے کی طرف آئے اور ان دونوں سنتریوں کے اوپر سے گزر کر قلعے کے اندر جا گرے۔ اُن کے پیچھے اور گولے آئے۔ یہ شعلوں کے گولے تھے۔ پھر کئی اور گولے آئے۔ ان میں سے کچھ سامان پر پڑے اور آگ لگ گئی۔ نقارے اور گھڑیال بج اُٹھے۔ قلعہ دار کی محفل میں اودھم بپا ہو گیا۔ سب دوڑتے قلعے کی دیوار پر گئے۔ ان پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دروازے کے سنتریوں نے شور بپا کر دیا کہ دروازہ جل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستے نے دروازے پر آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگا دی تھی۔ چیخ پکار کر قلعے کے اندر کی فوج کو بیدار کیا گیا۔ قلعے سے بھی مزاحمت شروع ہو گئی لیکن باہر سے اتنے تیر آ رہے تھے کہ سر اٹھانا محال ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی کی منجنیقوں نے قلعے کو جہنم بنا رکھا تھا۔ قلعے کے کماندار چلا چلا کر اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ سپاہی اندھا دھند تیر چلا رہے تھے۔

"ہتھیار ڈال دو" — سلطان ایوبی کی طرف سے کوئی للکار رہا تھا۔ "ہتھیار ڈال دو، تمہیں کہیں سے بھی مدد نہیں مل سکتی۔ جانیں بچاؤ۔" یہ اعلان بھی کیا گیا — "سلطان صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دو، کسی کو جنگی قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ اطاعت قبول کرو۔ ہماری فوج میں شامل ہو جاؤ۔"

رات بھر اعلان ہوتے رہے اور تیروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہا۔ صبح کی روشنی پھیلی تو قلعہ دار نے باہر کا منظر اور قلعے کی دیوار پر اپنے سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر سفید جھنڈا چڑھانے کا حکم دے دیا۔ یہ قلعہ بھی سر کر لیا گیا۔ قلعہ دار اور کمانڈروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی قلعے میں گیا۔ قلعہ دار اور کمانڈروں سے اتنا ہی کہا — "خدا تمہیں معاف کرے۔" اور حکم دیا کہ ان سب کو ان کے سپاہیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا جائے۔ سلطان ایوبی انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ان کی وفاداری ابھی مشکوک تھی۔ اس قلعے میں اسلحہ اور رسد کا خاصا ذخیرہ تھا۔ وہاں شراب بھی تھی اور دو ناچنے والیاں بھی۔ شراب باہر انڈیل دی گئی اور ناچنے والیوں کو بھی اُن کے آدمیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان



ایوبی نے حمص کے قلعے کو دوسرا اڈہ بنا لیا اور حماۃ کے قلعہ کا ایک دستہ وہاں لگا دیا۔

اگلا قلعہ حلب کا تھا جو حلب شہر سے خاصی دور تھا۔ وہاں بھی وہی ہوا جو حمص میں ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کا حملہ ناگہانی تھا۔ اس نے قلعے والوں کو بے خبری میں جا لیا تھا۔ اُس کے سپاہیوں کا مورال دو قلعے سر کر لینے سے زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔ انہوں نے حلب کا قلعہ بھی سر کر لیا اور اس کے دستوں کو کمانڈروں سمیت دمشق بھیج دیا گیا مگر اس مرحلے پر آ کر رازداری ختم ہو گئی۔ ہتھیار ڈالنے والے سپاہیوں میں سے کوئی فرار ہو گیا یا کسی اور نے حلب اطلاع دے دی کہ سلطان ایوبی نے حماۃ، حمص اور حلب کے قلعے لے لیے ہیں اور وہ حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا رازداری والا حربہ بیکار ہو چکا ہے۔ اس نے پیش قدمی کی رفتار بھی ختم کر دی جس کی وجہ یہ تھی کہ جو دستے حمص اور حلب کے قلعوں کو محاصرے میں لے کر راتوں کو لڑتے رہے تھے، انہیں آرام کے لیے پیچھے بھیجنا اور ان کی جگہ تازہ دم دستے آگے لانا ضروری تھا۔ اسے اب فوج کو نئی ہوئی ترتیب میں آگے بڑھانا تھا، کیونکہ حلب شہر کی لڑائی قلعے کے محاصرے سے مختلف تھی۔ نئی ترتیب میں بھی کچھ وقت لگ گیا۔ سلطان ایوبی بہت محتاط تھا کیونکہ اصل لڑائی تو اب آ رہی تھی اور صلیبی فوج کے آنے کا امکان بھی تھا۔

☆

حلب اطلاع جلدی پہنچ گئی تھی۔ صلیبی مشیر وہاں موجود تھے۔ پہلے تو وہ اس پر حیران ہوئے کہ سلطان ایوبی نے سردیوں میں حملہ کیا ہے۔ پھر وہ خوش ہوئے کہ اس کی فوج صحرائی جنگوں کی عادی ہے۔ وہ ان پہاڑی علاقوں میں لڑ نہیں سکے گی۔ انہیں یہ احساس تھا کہ حلب کی فوج بھی اس علاقے میں نہیں لڑ سکے گی۔ انہوں نے دو ترکیبیں سوچیں۔ ایک یہ کہ سلطان ایوبی کو اپنی پسند کے میدان میں لڑائیں اور دوسری یہ کہ یہاں صلیبیوں کی وہ فوج لائی جائے جو یورپ سے آئی ہے۔ ریمانڈ کی فوج میں ایسے سپاہیوں کی اکثریت تھی۔ چنانچہ فوری طور پر ریمانڈ کو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے اطلاع بھیج دی گئی کہ سلطان ایوبی حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسے عقب سے گھیرے میں لیا جائے۔

وقت حاصل کرنے کے لیے انہوں نے یہ انتظام کیا کہ سلطان ایوبی کو حلب کے محاصرے میں زیادہ سے زیادہ دیر تک الجھائے رکھا جائے تاکہ ریمانڈ کو اپنی فوج لانے کے لیے وقت مل جائے۔ صلیبی مشیروں نے [illegible] پر پوری توجہ دی۔ انہیں معلوم تھا کہ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوس موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ فوراً اعلان کر دیا گیا کہ شہر سے باہر کوئی نکلے گا اسے خبردار کیے بغیر تیر مار دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی مسجدوں میں اعلان کیا گیا کہ سلطان ایوبی جنگی طاقت اور بادشاہی کے نشے میں حملہ آور ہوا ہے۔ صلیبی ذہنی تخریب کاری کے ماہر تھے۔ انہوں نے پروپیگنڈے کی نئی مہم چلا دی۔ گھر گھر، گلی گلی، مسجد مسجد اس قسم کی افواہیں پھیلا دیں کہ سلطان ایوبی کی فوج جس شہر کو فتح کرتی ہے وہاں کی تمام لڑکیوں کو جمع کر کے آبروریزی کرتی ہے۔ شہر کو لوٹ کر آگ لگا دیتی ہے اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور وہ نیا مذہب لا رہا ہے جو کفر ہے۔ ایسی بہت سی افواہیں پھیلائی گئیں۔ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا عمل تو چھ مہینوں سے جاری تھا۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی

تیار ہوگئے۔
جنون پیدا کر دیا گیا تھا۔ آخر کار ان تازہ دم اماموں نے لوگوں کو آگ بگولا کر دیا اور وہ مرنے مارنے کے لیے
شہر کی ناکہ بندی نے سلطان ایوبی کے جاسوسوں کو بیکار کر دیا۔ انھوں نے شہر کے باشندوں میں جو قہر اور غضب
دیکھا اس کے سامنے بھی وہ بے بس ہوگئے۔ ایک جاسوس شہر سے نکلنے کی کوشش میں مارا گیا۔ وہ سلطان ایوبی کو اطلاع
دینا چاہتا تھا کہ شہر کی کیفیت کیا ہے اور وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر نہ آئے۔ جاسوس نے سرپٹ گھوڑا بھگایا مگر دو
تیروں نے اُسے گرا دیا۔ جاسوسوں کے کمانڈر نے (جو عالم کے بہروپ میں تھا) شہریوں میں صلیبی پروپیگنڈے کے
خلاف مہم چلائی مگر اس کے آدمیوں نے جہاں بھی بات کی منہ کی کھائی۔

الصالح نے صلیبی مشیروں کے مشورے پر والیٔ موصل سیف الدین کو بھی اطلاع بھیج دی کہ مدد کے لیے آجائے۔
حسن بن صباح کے فدائیوں کے پیر و مرشد شیخ سنان کو اطلاع بھیجی گئی کہ وہ جو اُجرت مانگے گا اُسے دی جائے گی،
صلاح الدین ایوبی کو قتل کرا دے خواہ اُس کے کتنے ہی آدمی کیوں نہ مارے جائیں۔ شیخ سنان کا ایک حملہ ناکام ہو چکا
تھا جو اُس نے سلطان ایوبی کے ایک محافظ پر نشہ طاری کر کے اس سے کرایا تھا۔ اب اس نے ان فدائیوں کو بلایا
جو زندگی اور موت کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ وہ برائے نام انسان تھے۔ مر جانا اور کسی کو مار دینا اُن کے لیے کوئی مطلب
نہیں رکھتا تھا۔ ان میں مفرور قاتل بھی تھے۔ شیخ سنان نے انہیں کہا کہ انہیں منہ مانگی اُجرت ملے گی وہ سلطان
ایوبی کو قتل کر دیں۔ ان میں سے نو آدمی تیار ہوگئے۔ الصالح کے حامیوں میں سب سے زیادہ کینہ پرور اور شیطان
فطرت آدمی گمشتگین تھا جسے گورنر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے خلاف تھا مگر وہ دوست کسی
کا بھی نہیں تھا۔ الصالح کو خوش کرنے کے لیے اس نے اس کی حمایت کی اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی کا اظہار اس
طرح کیا کہ اس کے قلعے میں بہت سے صلیبی جنگی قیدی تھے، ان سب کو رہا کر دیا۔ اب حلب کی اس اطلاع پر کہ
سلطان ایوبی کی فوج آ گئی ہے، اس نے اپنی فوج بھیج دی اور خود بھی لڑنے کا وعدہ کیا۔

یہ ایک طوفان تھا جو سلطان ایوبی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے زیادہ دشمنوں کے مقابلے میں اس کی نفری
تھوڑی تھی اور اب اُس کے جاسوس بیکار ہو جانے کی وجہ سے اسے پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ دشمن کے کیمپ میں
کیا ہو رہا ہے۔ وہ ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ حلب والوں کو بھی بے خبری میں جا لے گا۔ تاہم وہ معمولی
قسم کا جنگجو نہیں تھا۔ اس نے عقب اور پہلوؤں کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرنے
کا فیصلہ کیا۔ اس کے دیکھ بھال کے دستے آگے چلے گئے۔ آگے علاقہ چٹانی، پتھریلا اور نشیب و فراز کا تھا اور راستے
میں ایک درمیانہ سا دریا بھی تھا۔

☆

جنوری ۱۱۷۵ء کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ سردی اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے فوج کی ایک چوتھائی
نفری حملے کے لیے منتخب کی۔ محفوظہ میں اس نے زیادہ دستے رکھے۔ اس نے جب پیش قدمی کی تو دیکھ بھال کرنے
والے دستوں نے اطلاع دی کہ دریا کے اُس طرف ایک وسیع و عریض نشیب ہے وہاں دشمن کی فوج تیاری کی حالت
میں موجود ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں دریا میں پانی گہرا نہیں تھا۔



اس مقام پر پاٹ پھیل جانے سے پانی اور بھی کم تھا۔ گھوڑے اور انسان آسانی سے گزر سکتے تھے۔ یہیں دشمن نے
اپنی فوج پھیلا رکھی تھی۔ سلطان ایوبی کو بتایا گیا کہ رات کو اس فوج کے چند ایک سنتری بیدار ہوتے ہیں اور دن کے
دوران گشتی پارٹیاں ہر طرف گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔

اس اطلاع سے شک ہوا کہ حلب والوں کو اُس کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ انہیں بے خبری میں نہیں
لے سکے گا۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے اس مقام سے دُور کے علاقے میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ
دریا کسی اور جگہ سے عبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نشیب میں دشمن کی فوج
کو دھوکہ دے کہ حملہ اور پیش قدمی اسی طرف سے ہوگی۔ اُس نے اسی رات چھاپہ مار روانہ کر دیئے۔ اس کا اپنا ہیڈ
کوارٹر وہاں سے پانچ چھ میل دُور تھا۔ دریا کے کنارے دشمن کی جو فوج تھی وہ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ
اتنی یخ راتوں کو حملہ نہیں ہو سکتا۔

نصف شب کے قریب سپاہی خیموں میں دبکے پڑے تھے۔ کمانڈر بے خبر سو رہے تھے۔ صرف سنتری جاگ
رہے تھے۔ ایک سنتری سردی میں ٹھٹھرا کھڑا تھا۔ پیچھے سے کسی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ کسی اور نے اسے اٹھا لیا۔
یہ سلطان ایوبی کے دو چھاپہ مار تھے۔ وہ سنتری کو اٹھا کر لے آئے اور اس سے پوچھا کہ گھوڑے کہاں بندھے ہوئے
ہیں۔ اس کے سینے پر دو تلواروں کی نوکیں رکھی ہوئی تھیں۔ سنتری کو معلوم تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے سپاہی ہیں۔ اس
نے ان سے التجا کی کہ میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں۔ یہ بادشاہوں کے جھگڑے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا خون کیوں
بہائیں۔ اس نے بتایا کہ گھوڑے ایک جگہ نہیں بندھے ہوئے، چونکہ فوج تیاری کی حالت میں ہے، اس لیے
گھوڑے سواروں کے خیموں کے ساتھ دو دو تین تین کر کے بندھے ہوئے ہیں۔ چھاپہ مار اُسے اُس کے کیمپ
کے قریب لے گئے اور پوچھا کہ دستوں کے کمانڈر کہاں کہاں ہیں۔ اس نے اندازہ کر کے ان کے خیموں کی سمتیں
بتا دیں۔

اُسے ساتھ ہی پیچھے لے آئے اور اُسے کہا کہ یہاں کھڑے رہو اور تماشہ دیکھو۔ وہاں چھوٹے سائز کی
ایک منجنیق رکھی تھی۔ اس میں چھاپہ ماروں نے ایک ہانڈی سی رکھی، چار آدمیوں نے اُسے پیچھے کھینچا اور چھوڑ دیا۔
ہانڈی غلیلے کی طرح اُڑ گئی۔ دوسری ہانڈی کسی اور طرف پھینکی گئی۔ پھر دو اور پھینکی گئیں۔ یہ سب دشمن کے کیمپ میں
گریں۔ سنتریوں نے "کون ہے، کون ہے" کی صدائیں لگائیں۔ کہیں سے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر آئے جو زمین پر
لگے۔ ہانڈیاں وہیں گر کر ٹوٹی تھیں۔ اُن کے اندر سے سیال مادہ نکل کر بکھر گیا تھا۔ یہ آتش گیر تھا۔ تیروں کے فلیتوں نے
اُسے آگ لگا دی۔ دو خیموں کو بھی آگ لگ گئی۔ زمین شعلے اگل رہی تھی۔ کیمپ میں بھگدڑ مچ گئی۔ گھوڑے رسیاں تڑانے
لگے۔ سپاہی اُٹھ کر ادھر اُدھر دوڑے تو چھاپہ ماروں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ یہ خیمہ گاہ ایک میل سے زیادہ لمبے
چوڑے علاقے میں تھی۔ پیشتر اس کے کہ کمانڈر جوابی کارروائی کرتے چھاپہ مار تباہی پھیلا کر غائب ہو چکے تھے۔

سحر ابھی نیم تاریک تھی۔ کیمپ کی حالت خاصی بُری تھی۔ آگ نے بھی نقصان کیا تھا لیکن چھاپہ ماروں کے تیروں
سے اور بدکے ہوئے گھوڑوں تلے آ کر بہت سے سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ سحر تک انہیں اٹھاتے اور سنبھالتے

رہے ہیں۔ اچانک ایک طرف سے کسی نے چلا کر کہا۔ "ہوشیار۔ ہوشیار"۔ ایک بار پھر قیامت بپا ہو گئی، مگر اب کے چھاپہ مار نہیں تھے۔ سلطان ایوبی کے ایک دستے کا باقاعدہ حملہ تھا۔ دشمن اس جگہ ہر لمحہ تیاری کی حالت میں رہتا تھا لیکن رات کو چھاپہ مار اس کی حالت ایسی بنا گئے تھے کہ تیاری ختم ہو گئی تھی۔ دشمن کے سپاہیوں نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی لیکن ان کے پاؤں جم نہ سکے۔ سلطان ایوبی ان کا دم خم پہلے ہی ختم کرا چکا تھا۔ پھر بھی دونوں فریقوں کا خاصا نقصان ہوا۔ دشمن کے سپاہی پسپا ہونے لگے۔ کمانڈروں نے انہیں بہت للکارا مگر دوسری طرف کی للکار ان کے لڑنے کے جذبے کو تباہ کر رہی تھی۔ سلطان ایوبی کے سپاہی ان پر چلا رہے تھے ——— "تم کافروں کے دوست ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اپنا حشر دیکھو۔ تم پر خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے۔"

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے نہایت معمولی سے سپاہی کے ذہن میں بھی اتار دیا تھا کہ تم حق پر ہو اور کفار کے دوست مرتد ہیں۔ اس کے مقابلے میں خلیفہ کی فوج کے پاس ایسا کوئی مقصد اور کوئی نعرہ نہیں تھا۔

دشمن کے سپاہی بکھر گئے۔ بہت سے پسپا ہو کر دریا پار کر گئے اور کچھ ادھر ادھر وادیوں اور نشیبی جگہوں میں جا چھپے۔ سلطان ایوبی نے حملہ آور دستے کے کمانڈر کو حکم دے رکھا تھا کہ دشمن کی پسپائی کی صورت میں اپنا کوئی دستہ جیش یا کوئی سپاہی دریا پار نہ کرے۔ اس نے اس کیمپ پر حملہ کر کے دراصل دشمن کو دھوکہ دیا تھا۔ وہ تعاقب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ آگے کے تفصیلی جائزے اور مشاہدے کے بغیر کبھی پیش قدمی نہیں کرتا تھا۔ وہ دریا کہیں دور سے پار کرنا چاہتا تھا لیکن دشمن نے یہیں سے اُسے راستہ دے دیا تو اس نے یہیں سے دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ خود آگے گیا۔ اس کے سپاہی ادھر ادھر چھپے ہوئے دشمن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کر رہے تھے۔ ہتھیار ڈالنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس نے ایک بلند چٹان پر جا کر میدانِ جنگ کا منظر دیکھا تو خوشی کی بجائے اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"یہ نظارہ دیکھ کر خدا بھی رو رہا ہو گا" سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے نائبین سے کہا ——— "دونوں طرف کس کا خون بہہ گیا ہے؟..... مسلمان کا۔ یہ ہے اسلام کے زوال کی نشانی۔ اگر مسلمان ہوش میں نہ آئے تو کفار انہیں اسی طرح لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔ میرے رفیقو! مجھے کوئی یقین دلا دے کہ میں حق پر نہیں تو میں اپنی تلوار العادل کے قدموں میں رکھ دوں گا۔"

"آپ حق پر ہیں سلطان محترم!" کسی نے کہا۔ "ہم حق پر ہیں۔ دل سے اب وسوسے نکال دیں۔"

حلب شہر میں ہر آدمی آگ کا شعلہ بنا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے دستے دریا پار کر گئے تھے۔ حلب سامنے نظر آ رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کو دیکھا۔ اس کی وسعت، ساخت اور دفاعی انتظامات دیکھے اور جائزہ لیا کہ محاصرہ کیا جائے یا سیدھا حملہ کر کے شہر کے اندر لڑا جائے۔ اُسے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ شہر کے اندر کی جذباتی کیفیت کیا ہے۔ اُسے توقع تھی کہ شہری چونکہ مسلمان ہیں اس لیے وہ دو مسلمان فوجوں کی جنگ کے خلاف ہوں گے۔ غالباً اسی توقع نے اُس سے وہ کارروائی کرائی جس نے اُسے پریشان کر دیا۔ اس نے نفری سے نیم محاصرے کی ترتیب میں اپنے دستے آگے بڑھائے۔ لڑائی کی ابتدا تیروں کے تبادلے سے ہوئی لیکن کچھ ہی دیر بعد اس نے محسوس کیا جیسے اس کے دستے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ حلب کے دفاع میں لڑنے والوں کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف سے کم و بیش دو سو گھوڑسوار نکلے۔ انہوں



نے سلطان ایوبی کے ایک دستے کے ایک پہلو پر حملہ کر دیا۔ یہ بڑا ہی تیز اور دلیرانہ حملہ تھا جو پیادہ دستے پر کیا گیا تھا۔

اُس کے سواروں نے جوابی حملہ بول کر اپنے پیادہ دستے کو بچانے کی نہایت اچھی کوشش کی لیکن گھوڑوں کے تصادم میں اپنے ہی پیادے کچلے گئے۔ پھر یوں ہونے لگا کہ شہر سے ایک جیش پیادہ یا سوار نکلتا۔ ان کے پیچھے سے شہر کی منڈیروں اور بلند جگہوں سے تیروں کی بوچھاڑیں آتیں اور حملہ کرنے والے جیش سلطان ایوبی کی صفوں میں گھس جاتے۔ حلب کا یہ معرکہ بڑا ہی خونریز تھا۔

اس کیفیت میں سلطان ایوبی کے زمین دوز جاسوس باہر نکل آئے اور سلطان ایوبی کو ڈھونڈتے اس تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ شہریوں کو کس طرح اس کے خلاف بھڑکایا گیا ہے اور شہر کے دفاع میں لڑنے والے اتنے فوجی نہیں جتنے شہری ہیں۔ سلطان ایوبی کو یہ تو پہلے ہی معلوم تھا کہ حلب کے باشندوں پر اس کے خلاف جنگی جنون طاری کیا جا رہا ہے لیکن اُسے اندازہ نہیں تھا کہ شہری اس پاگل پن سے لڑیں گے۔ وہ اُن کی دلیری پر عش عش کر اُٹھا لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنے لگا ——— "یہ ہے مسلمان کی شان۔ ان کا عسکری جذبہ دیکھو۔ کفار مسلمان کے اسی جذبے کو ختم کر رہے ہیں۔"

سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ اُسے کسی نائب نے مشورہ دیا کہ شہر پر منجنیقوں سے آگ پھینکی جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ شہریوں کے گھر تباہ ہو جائیں گے۔ ان کی عزتیں اور بچے مارے جائیں گے۔ اسی لیے میں نے تباہ کار چھاپہ ماروں کو نہیں بھیجا۔ اگر یہ شہر صلیبیوں کا ہوتا تو اب تک شعلوں کی لپیٹ میں اور میرے چھاپہ ماروں کی زد میں ہوتا۔ جو مسلمان میدانِ جنگ میں آ کر لڑتے اور مرتے ہیں انہیں میں روک نہیں سکتا اور جو گھروں میں بیٹھے ہیں انہیں لڑانا نہیں چاہتا۔ اُس نے چند اور دستے آگے بلا کر شہر کو مکمل محاصرے میں لے لیا اور حکم دیا کہ دفاع میں لڑا جائے۔ حملہ ہو تو روکا جائے حملہ نہ کیا جائے اور محاصرہ مضبوط رکھا جائے۔ نفری کی بھی کمی تھی اور شہر کو تباہی سے بچانے کا خیال بھی تھا۔

جنوری ۱۱۷۵ء کا پورا مہینہ محاصرہ جاری رہا۔ حلب کی فوج اور شہریوں نے محاصرہ توڑنے کے لیے حملے کیے لیکن اب وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کی ترتیب اور سکیم بدل دی تھی۔ یکم فروری ۱۱۷۵ء کی صبح سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ تریپولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ حماۃ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اُسے ریمانڈ کی فوج کی نفری (پیادہ اور سوار) کی اطلاع بھی دی گئی۔ سلطان ایوبی کو پہلے ہی توقع تھی کہ یہ صورت بھی پیدا ہو گی۔ اس کے لیے وہ تیار تھا۔ اس نے اس کے لیے دستے محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ایسی جگہ رکھے ہوئے تھے جہاں سے وہ ریمانڈ کے استقبال کے لیے بروقت پہنچ سکتے تھے۔ اس نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنے قاصد کو اس پیغام کے ساتھ ان دستوں کی طرف دوڑا دیا کہ جس قدر جلدی ہو سکے الرستان کے علاقے میں پہنچ کر بلندیوں پر تیر انداز بٹھا دو۔ سوار دستے پیچھے رکھو۔ میں آ رہا ہوں۔ اگر صلیبی فوج مجھ سے پہلے آ جائے تو سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ گھات لگانا اور شبخون مارنا۔

الرستان ایک پہاڑی سلسلے کا نام تھا۔ ریمانڈ کو اس میں سے گزر کر آنا تھا۔ ریمانڈ کی پیش قدمی کا راستہ

اس کے پلان کے مطابق موزوں تھا۔ وہ حماۃ تک پہنچ کر سلطان ایوبی کے عقب کے لیے اور رسد وغیرہ کے راستوں کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ بہر صورت یہ ہو جاتی کہ سلطان ایوبی حلب کی فوج اور ریمانڈ کی فوج (جو یقیناً برتر اور زیادہ تھی) کے درمیان پس جاتا۔ اس نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ حلب کا محاصرہ اٹھا دیا اور اس نے ان دستوں کو کسی اور سمت روانہ کر دیا۔ خود الرستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں کی چوٹیوں پر برف پڑی ہوئی تھی۔ ریمانڈ خوش تھا کہ اس موسم میں سلطان ایوبی کے صحرائی سپاہی اس کے یورپی اور اسی علاقے کے رہنے والے عیسائی سپاہیوں سے نہیں لڑ سکیں گے۔ مگر وہ آگے آیا تو برف پوش پہاڑی سلسلۂ کوہ سے اُس پر تیر برسنے لگے۔ یہ اُس کے لیے بلائے ناگہانی تھی۔

اس نے لڑے بغیر اپنی فوج پیچھے ہٹالی۔ اسے ہر جگہ گھات کا خطرہ تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے لڑنے کے انداز سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے بہت پیچھے ہٹ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ اپنے راستے پر نظر ثانی کرنا چاہتا تھا۔ موسم بگڑ گیا۔ بارشیں شروع ہو گئیں۔ سات آٹھ دنوں میں گھوڑوں کا خشک چارہ ختم ہو گیا۔ اناج کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے رسد کا انتظام نہایت اچھا رکھا تھا۔ وہاں تک اُسے باقاعدگی سے رسد پہنچ رہی تھی مگر کئی دن پیچھے سے نہ رسد آئی نہ کوئی اطلاع۔ اس نے قاصد بھیجا جو واپس آگیا اور یہ پیغام لایا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ ریمانڈ بہت حیران ہوا کہ سلطان ایوبی اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گیا؟ — اس نے اپنے دو افسروں کو پیچھے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔

یہ دو افسر تین چار روز بعد واپس آئے۔ انہوں نے تصدیق کی کہ سلطان ایوبی نے رسد کا راستہ روک لیا ہے اور یہ بھی کہ اس نے حلب کا محاصرہ اٹھا لیا ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا فرض ادا ہو گیا ہے۔" ریمانڈ نے کہا — "فوج کو واپس تریپولی لے چلو۔"

☆

یہ اطلاع سلطان ایوبی کے لیے حیران کن تھی کہ ریمانڈ لڑے بغیر واپس کوچ کر گیا ہے۔ ریمانڈ نے واپسی کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہ دشوار گزار تھا لیکن وہ اس راستے سے نہیں جانا چاہتا تھا جس سے آیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی سے لڑنے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ لڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ سلطان ایوبی نے اُسے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں رہنے دیا تھا۔ وہ اس سے گھبرا گیا تھا کہ مسلمان فوج اتنی سردی میں ایسی خوبی سے لڑ رہی ہے جیسے صحرا میں لڑتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی اُس کے عقب میں اور رسد کے راستے میں جا بیٹھا تھا۔ تیسری اور سب سے بڑی وجہ کچھ اور تھی جس کا انکشاف بعد میں ہوا۔ وہ دراصل الصالح اور اُس کے اُمراء کو دھوکہ دے گیا تھا۔ اس نے بے بہا خزانے کی شکل میں اُجرت لے لی تھی۔ اُسے اب لڑنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کا یہ مقصد (جو صلیبیوں کا بنیادی مقصد تھا) پورا ہو چکا تھا کہ مسلمان آپس میں ٹکرا جائیں۔ صلیبی مسلمان قوم کی فوج کو دو حصوں میں کاٹ چکے تھے اور ان دونوں حصوں میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔



اس کی نیت کا پتہ اُس وقت چلا جب تریپولی سے اس کا ایلچی الصالح کے نام یہ پیغام لے کر آیا "میں نے وعدہ کیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو محاصرے میں لیا تو میں محاصرہ توڑ دوں گا۔ مجھے جونہی اطلاع ملی کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے، میں خود فوج لے کر آپ کی مدد کو آگیا۔ صلاح الدین ایوبی نے فوراً حلب کا محاصرہ اٹھا لیا۔ میں نے وعدہ پورا کر دیا ہے، لہٰذا ہمارا وہ فوجی معاہدہ ختم ہو گیا ہے جس کے تحت آپ نے مجھے سونا وغیرہ بھیجا تھا اور اس کے عوض میں نے آپ کو محاصرے سے بچایا۔ میرے فوجی نمائندے اور مشیروں کو فوراً واپس بھیج دیا جائے۔"

حلب والے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ صلیبی انہیں ڈنک مار گئے تھے۔ دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ریمانڈ کو یہ خطرہ بھی نظر آنے لگا تھا کہ سلطان ایوبی اس کے دارالحکومت تریپولی پر حملہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی راجدھانی کا دفاع مضبوط کرنا شروع کر دیا۔

الصالح ابھی ناتجربہ کار تھا۔ اس کے ایک دو مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ سلطان ایوبی سے صلح کرے مگر سیف الدین اور گمشتگین وغیرہ نے اُسے مدد کا یقین دلا کر سمجھوتے اور صلح پر آمادہ نہ ہونے دیا۔ انہی میں سے کسی نے اُسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی چند روز کا مہمان ہے۔ فدائی اس کے پیچھے ہیں۔ وہ مذہبی پیشواؤں اور سرکردوں کے بہروپ میں صلاح الدین کے پاس یہ درخواست لے کے جا رہے ہیں کہ وہ آپس میں نہ لڑیں اور صلح کر لیں۔ سلطان ایوبی اُن کے احترام کے لیے انہیں اپنے پاس بٹھائے گا۔ اکیلے اُن کی بات سُنے گا اور فدائی اسے نہایت اطمینان سے قتل کر کے نکل جائیں گے۔

انہوں نے الصالح کو یہ خبر سنا کر جھانسہ نہیں دیا تھا۔ جس وقت سلطان ایوبی الرستان کے سلسلۂ کوہ میں بیٹھا اپنے اگلے حملے کا پلان بنا رہا تھا، حلب میں تو پیشہ ور فدائی قاتل یہ سوچ رہے تھے کہ اسے کہاں قتل کیا جائے۔

☆ ☆

# جب خُدا زمین پر اُتر آیا

مصر میں جہاں آج اسوان ڈیم ہے، آٹھ سو سال پہلے وہاں ایک خونریز معرکہ لڑا گیا تھا۔ مؤرخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی اس لڑائی کا ذکر کیا ہی نہیں، اگر کیا ہے تو صرف اتنا کہ سلطان ایوبی کا ایک جرنیل باغی ہو گیا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی ڈائری میں اس جرنیل کا نام بھی لکھا ہے۔ نام القنض تھا، جس کا تلفظ الفنض ہے۔ وہ عمر میں مسلمان تھا۔ اس کی ماں سوڈانی تھی۔ شاید یہ سوڈانی خون تھا جس نے اسے سلطان ایوبی کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔ اُس دور کے وقائع نگاروں اور کاتبوں کی جو غیر مطبوعہ تحریریں ملی ہیں، ان سے اس بغاوت کا پس منظر خاصی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔

یہ ۱۱۷۴ء کے آخر اور ۱۱۷۵ء کے اوائل کا عرصہ تھا جب سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ اس سے پہلے پوری تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ نور الدین زنگی مرحوم کی وفات کے فوراً بعد شام کے حالات اس صورت میں بگڑ گئے تھے کہ مفاد پرست اُمراء نے زنگی مرحوم کے گیارہ سالہ بیٹے کو سلطنت کی گدی پر بٹھا دیا اور صلیبیوں سے گٹھ جوڑ کر کے خود مختاری کے راستے پر چل پڑے تھے۔ سلطنتِ اسلامیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر صلیبیوں کے پیٹ میں جا رہی تھی۔ سلطان ایوبی دمشق پہنچا۔ تھوڑی سی معرکہ آرائی اور دمشق کے شہریوں کے تعاون سے اُس نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ اور اس کے حواری اُمراء اور جرنیل حلب کو بھاگ گئے جہاں انہوں نے صلیبیوں سے جنگی مدد حاصل کی۔ صلیبیوں نے مدد کا جھانسہ دے کر مسلمان فوج کو مسلمان فوج سے ٹکرا دیا۔ سلطان ایوبی نے حمص اور حماۃ کے قلعے سر کر لیے۔ حلب کے محاصرے میں اُسے غیر متوقع مزاحمت کا سامنا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ نے حملہ کر دیا۔ سلطان ایوبی کو حلب کا محاصرہ اٹھا کر پیچھے آنا پڑا تاکہ صلیبی فوج کو راستے میں روکا جا سکے۔ سلطان ایوبی کے دستوں کی برق رفتاری نے اس کی چال کو کامیاب کیا اور ریمانڈ لڑائی سے منہ پھیر گیا۔

مگر یہاں لڑائی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اصل جنگ تو یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی الرستان سلسلۂ کوہ میں اپنی فوج کو پھیلائے ہوئے تھا۔ اس کا مقابلہ تین دشمنوں کے ساتھ تھا: ایک الملک الصالح اور اس کے حواری اُمراء کی فوج تھی، دوسرے صلیبی فوج اور تیسرا موسم۔ یہ جنوری فروری ۱۱۷۵ء کے دن تھے جب پہاڑیوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یخ جھکڑ چلتے تھے اور وادیاں ٹھٹھر رہی تھیں۔ سلطان ایوبی وہاں اس طرح اُلجھ گیا تھا جیسے زنجیروں میں جکڑا گیا ہو۔

مصر کے متعلق وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہاں کی فوج کی کمان وہ اپنے بھائی العادل کے سپرد کر آیا تھا۔ اس فوج میں سے سلطان ایوبی نے کمک بھی منگوائی تھی۔ مصر پر سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا اور جنوب سے سوڈانیوں کے حملے کا خطرہ تو تھا لیکن زیادہ خطرہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کی زمین دوز تخریب کاری کا تھا جو مصر میں جاری تھی۔ دشمن کی جاسوسی اور تخریب کاری کو بہت حد تک دبایا جا چکا تھا مگر یہ کہنا غلط تھا کہ دشمن اس زمین دوز میدان سے بھاگ گیا ہے۔ سلطان ایوبی نے انہی خطروں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی انٹیلی جنس کے ماہر سربراہ علی بن سفیان کو قاہرہ میں رہنے دیا تھا۔ اس نے العادل کو بھی اس ضمن میں بہت سی ہدایات دے دی تھیں، مگر جو جگہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری سے خالی ہو گئی تھی اسے العادل اور علی بن سفیان مل کر بھی پُر نہیں کر سکتے تھے۔

مصر کی سرحدوں اور ساحل کی دیکھ بھال کے لیے سرحدی دستوں کی چوکیاں اور اُن کے پہرے تھے۔ سلطان ایوبی نے العادل کو سرحدوں کے متعلق یہ حکم دے دیا تھا کہ سوڈانی سرحد پر ذرا سی بھی گڑبڑ کریں تو شدید جنگی نوعیت کی جوابی کارروائی کرو اور سوڈان کے اندر جا کر لڑو — مگر ایک ضرورت ایسی تھی جس کی طرف کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ یہ تھی سرحدی دستوں کی بدلی۔ ان دستوں میں بیشتر سپاہی اور بعض کمانڈر ایسے تھے جو دو سال سے زیادہ عرصے سے سرحد کی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ وہ سپاہی تھے جنہوں نے دشمن سے معرکے لڑے تھے، لہٰذا ان کے دلوں میں دشمن کے خلاف نفرت بھری ہوئی تھی۔ سوڈانیوں کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اُن سے پہلے جو دستے سرحد پر تھے وہ اچھے ثابت نہیں ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں مصر کی منڈی سے اناج اور دیگر ضروری اشیاء سمگل ہو کر سوڈان چلی جاتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے محاذ سے واپس آ کر ان دستوں کو بدل دیا اور وہ دستے بھیجے تھے جو محاذ سے آئے تھے۔ ان دستوں نے سرحد پر پہنچ کر اودھم بپا کر دیا تھا۔ گشتی پہرے والوں کو کوئی چیز ہلتی نظر آتی تھی تو اُسے جا دبوچتے تھے۔ وہ تیز رفتار تھے اور ان کی نظریں عقابی تھیں۔ انہوں نے سرحد صحیح معنوں میں سربمہر اور مقفل کر دی تھی۔

یہ دو اڑھائی سال پہلے کی بات تھی۔ ابتدا میں ان دستوں میں جوش اور جذبہ تھا اور کرنے کو ایک کام بھی تھا جو ایک مہم تھی۔ وہ جانفشانی سے اس میں مگن رہے۔ چند مہینوں میں ہی انہوں نے یہ مہم سر کر لی اور فارغ ہو گئے۔ یہ فراغت ان کے جذبے کو دیمک کی طرح کھانے لگی۔ سلطان ایوبی ہر پہلو، ہر گوشے اور ہر عنصر پر نظر رکھتا تھا، لیکن سرحدی دستوں کی بدلی اتنی معمولی سی بات تھی جس پر وہ ذاتی توجہ نہ دے سکا۔ سرحدی دستوں کا شعبہ الگ تھا جس کا کمانڈر سالار (جرنیل) کے عہدے کا ایک فرد تھا اور یہ القند تھا۔ یہ اُس کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ سال میں تین بار نہیں تو دو بار سرحدی دستوں کی بدلی کرتا رہتا۔ اُس نے یہ بے حد ضروری کارروائی نہ کی۔ اس کوتاہی کے اثرات سامنے آنے لگے۔

سپاہی ایک ہی قسم کے ماحول اور فضا میں اور ایک ہی قسم کی زمین پر رہتے اور پہرے دیتے اکتاہٹ محسوس کرنے لگے۔ سوڈان خاموش تھا۔ سمگلنگ بند ہو چکی تھی۔ فراغت اور کاہلی سپاہیوں کی نفسیات پر تخریبی اثرات ڈال رہی



تھی۔ اُن کے لیے کام بھی نہیں تھا اور اُن کے لیے تفریح بھی کوئی نہیں تھی۔ موسم میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ ریت کا سمندر اور ریت کے ٹیلے ایک ہی جیسے تھے جیسے صدیوں سے چلے آ رہے تھے۔ آسمان کا رنگ ایک ہی جیسا رہتا تھا۔ اس کیفیت اور سپاہیوں کی اکتاہٹ کا پہلا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ وہ گشتی پہرے پر جاتے تو راہ جاتے مسافروں سے یہ پوچھنے کی بجائے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں اور ان کے پاس کیا ہے، وہ انہیں روک کر ان سے گپ شپ لگاتے اور اُن سے اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھتے۔ یہ دل بہلانے کا ایک ذریعہ تھا۔

جن چوکیوں کی ذمہ داری کے علاقے میں کوئی گاؤں تھا، سپاہی وہاں چلے جاتے اور گپ بازی سے دل بہلا آتے۔ سرحد کے رکھوالوں کا یہ انداز ملک کے لیے خطرناک تھا مگر وہ سپاہی تھے اور اکتائے ہوئے۔ انسانی فطرت کا تقاضہ تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں سے تسکین حاصل کرتے۔ وہاں آنے جانے والے مسافر تھے، رات بھر کے لیے پڑاؤ کرنے والے قافلے تھے یا کہیں کوئی آباد گاؤں۔ وہ ہر کسی کے ساتھ گھل مل گئے۔ مصر کے سرحدی لوگوں پر اُن کا جو ڈر تھا وہ دُور ہو گیا۔ اُن کے کمانڈر بھی سپاہیوں جیسے انسان تھے۔ وہ بھی وقت گزارنے کے اور تفریح کے ذرائع ڈھونڈنے لگے۔

☆

جب سلطان ایوبی دمشق کے لیے روانہ ہونے لگا تو اتنی عجلت میں تھا کہ سرحدوں کے متعلق تمام تر ہدایات دینے کے باوجود اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ پرانے دستوں کی بدلی کے احکام بھی دے دیتا۔ اُسے غالباً اطمینان ہو گا کہ اُن کا کمانڈر القند تمام تر ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔ سلطان ایوبی کے جانے کے بعد العادل نے فوجوں کی کمان لی تو اُس نے القند سے پوچھا کہ سرحد پر جو دستے ہیں وہ کب سے اس ڈیوٹی پر ہیں۔ القند نے جواب دیا کہ وہ بہت عرصے سے وہیں ہیں۔

"کیا سرحد پر مزید دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟" العادل نے پوچھا — "اور کیا پرانے دستوں کو تبدیل کر کے نئے دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟"

"نہیں"۔ القند نے جواب دیا — "یہی وہ دستے ہیں جنہوں نے ملک سے اناج، مویشی اور ہتھیار وغیرہ کے چوری چھپے باہر جانے کو روکا تھا۔ وہ اب سرحد اور اردگرد کے علاقوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ اب دُور سے مشتبہ انسان کی بُو سونگھ کر اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ ان کی جگہ اگر نئے دستے بھیجے گئے تو پرانے دستوں جیسا تجربہ حاصل کرتے انہیں ایک سال سے زیادہ عرصہ چاہیے۔ ہمیں ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے"۔

العادل اس جواب سے مطمئن ہو گیا تھا۔ اُسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ یہی القند اس کو اپنے گھر میں بیٹھا کر رہا تھا: "یہ سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں۔ میری یہ کوشش کامیاب ہے کہ میں نے ان کی بدلی نہیں ہونے دی۔ انہوں نے سرحد کے لوگوں کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔ اُن کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ اُن کے پیٹ تو بھرے رہتے ہیں، کھانے پینے کی انہیں کوئی شکایت نہیں، میں اُن کے لیے ضرورت سے زیادہ خوراک بھیجتا ہوں لیکن اُن کی حالت بھوکے بھیڑیوں کی سی ہو گئی ہے۔ کوئی قافلہ گزرتا ہے تو وہ

کرسکتے ہیں۔"
تماشے والوں کی عورتوں کو منہ کھول کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اب ہم اپنا کام کرسکتے ہیں۔" آیا ہوا تھا۔

وہ جس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا وہ کوئی سوڈانی تھا جو اس کے ان مہمان کے روپ میں آیا ہوا تھا۔ وہ سوڈان سے اس کے لیے تحفے لایا تھا اور ان تحفوں کے ساتھ ایک پیغام بھی تھا۔ اس نے القند کو بتایا تھا کہ سوڈانی تیار ہیں مگر نفری ابھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی۔ یہ آدمی پیغام لے کر آیا تھا کہ اس نفری کو کسی طرح مصر میں داخل کر کے چھپایا جائے۔ اس کے لیے پہلی مشکل یہ تھی کہ انہیں سرحد پار کس طرح کرائی جائے۔ اس کے جواب میں القند نے کہا تھا کہ مصر کے سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں...... القند ان چند ایک سالاروں میں سے تھا جن پر سلطان ایوبی کو بھروسہ تھا۔ القند نے کبھی شک بھی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ مصر کی امارت کا وفادار نہیں۔ علی بن سفیان تک کو اس نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کا یہ کارنامہ کہ اس نے دو اڑھائی سال پہلے سمگلنگ روک دی اور سرحدیں سر بمہر کر دی تھیں، اسے بہت فائدہ دے رہا تھا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ وہ سرحدوں کا بھیدی بن چکا ہے۔

اب سلطان ایوبی مصر سے چلا گیا تو القند نے العادل کو یقین دلا دیا کہ وہ سوڈان کی طرف سے بے فکر ہو جائے۔ سوڈان کا کوئی پرندہ بھی مصر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی یقین وہ علی بن سفیان کو بھی دلاتا رہا اور سوڈان میں حبشیوں کی ایک فوج مصر پر اس انداز سے حملہ کرنے کے لیے تیار ہوتی رہی کہ جتنی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مصر میں داخل ہوں گے، چوری چھپے قاہرہ کے قریب جائیں گے اور ایک رات حملہ کر کے رات ہی رات مصر کی امارت کو قبضے میں لے لیں گے۔

☆

دریائے نیل سوڈان سے گزرتا مصر میں داخل ہوتا ہے۔ آگے مصر کے علاقے میں ایک وسیع جھیل کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کے آگے ایسے علاقے میں داخل ہوتا ہے جو پہاڑی ہے۔ اس سے آگے آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اس کے قریب اسوان ہے۔ سلطان ایوبی کے دور میں اسوان کے گرد و نواح کی جغرافیائی کیفیت کچھ اور تھی۔ دور دور تک چٹانیں اور پہاڑیاں تھیں۔ ان پر فرعونوں کی خصوصی نظر کرم رہی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر بت بنائے تھے۔ ان میں سب سے بڑے بت ابو الہول کے تھے۔ بعض چٹانوں کی چوٹیاں تراش کر کسی معبد کے گنبد کی شکل کی یا کسی فرعون کا چہرہ بنا دی گئی تھیں۔ پہاڑیوں کے دامن میں غاریں بنائی گئی تھیں جو اندر سے وسیع و عریض تھیں۔ کچھ ایسی تھیں جن کے اندر کمرے، سرنگوں جیسے راستے اور بھول بھلیاں سی بنائی گئی تھیں۔

کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ فرعونوں نے یہ پُر اسرار سی دنیا کیوں آباد کی تھی۔ یہ بُت تراشتے اور غاریں کھود کر اندر کمرے وغیرہ بناتے تین نسلیں ختم ہوگئی ہوں گی۔ فرعون اُس دور کے "خدا" تھے۔ رعایا کا کام صرف یہ تھا کہ اُن کے آگے سجدے کرے اور ان کا ہر حکم بجا لائے۔ یہ پہاڑ اسی مظلوم اور فاقہ کش رعایا سے کٹوائے گئے تھے۔ آج وہاں کوئی بُت نہیں، کوئی غار نہیں، کوئی پہاڑ نہیں۔ وہاں اسوان ڈیم کی میلوں لمبی وسیع جھیل ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر سے پہلے ابو الہول کے اتنے بڑے بڑے بُت جو بجائے خود پہاڑ تھے مشینری سے وہاں سے اٹھائے گئے اور فرعونوں کے



دور کی یادگاروں کے طور پر کہیں محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ ڈائنامیٹ سے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے زمین بوس کر دیا گیا تھا۔ اگر فرعون انسان کے ہاتھوں پہاڑوں کو یوں اکھڑتا اور زمین سے ملتا دیکھتے تو خدائی کے دعوے سے دستبردار ہو جاتے۔

سلطان ایوبی کے دور میں اس علاقے کے خدوخال کچھ اور تھے۔ ان پہاڑوں کی وادیوں اور غاروں میں ساری دنیا کی فوج کو چھپایا جا سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے ذاتی طور پر سرحد کے اس علاقے پر زیادہ توجہ دی تھی جہاں سے دریائے نیل مصر میں داخل ہوتا تھا۔ سوڈانی کشتیوں کے ذریعے مصر میں داخل ہو سکتے تھے۔ اس دریائی راستے پر نظر رکھنے کے لیے ایک چوکی قائم کی گئی تھی جو دریا سے دور تھی۔ چوکی سے دریا نظر نہیں آتا تھا اور دریا سے چوکی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ فاصلہ دانستہ رکھا گیا تھا تاکہ دریا سے چوری چھپے گزرنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ انہیں دیکھنے اور پکڑنے والا کوئی نہیں۔ دریا پر گشتی پہرے کے ذریعے نظر رکھی جاتی تھی۔ دو گھوڑسوار ہر وقت گشت پر رہتے تھے اور ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔

مصر سے سلطان ایوبی کی غیر حاضری کے دنوں کا واقعہ ہے کہ دن کے وقت دریا کی دیکھ بھال والی سرحدی چوکی کے دو گھوڑسوار گشت پر نکلے اور معمول کے مطابق دور تک نکل گئے۔ ایک جگہ دریا کے کنارے سبزہ زار تھا۔ سایہ دار درخت تھے اور یہ جگہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ گشت والے سنتری اس جگہ اکثر آرام کیا کرتے تھے۔ ایک عرصے سے انہوں نے کسی سوڈانی کو دریا سے آتے نہیں دیکھا تھا۔ ابتدا میں انہوں نے بہت سے آدمی پکڑے تھے جن میں بعض تخریب کار اور جاسوس تھے۔ اس کے بعد یہ دریائی راستہ ویران ہو گیا تھا۔ اب سنتری صرف ڈیوٹی پوری کرنے آتے اور چوکی کی نظروں سے اوجھل ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

ان دو سواروں کا بھی یہی معمول تھا۔ اس معمول سے اب وہ تنگ آگئے تھے۔ دریا کے کنارے اتنی سرسبز جگہ بھی انہیں اچھی نہیں لگتی تھی۔ ہر روز دریا کو دیکھ دیکھ کر وہ اس کے حسن سے اکتا گئے تھے۔ یہاں انہیں باہر کی دنیا کی اگر کوئی چیز نظر آتی بھی تھی تو وہ صحرائی لومڑی تھی جو دریا سے پانی پیتی اور سنتریوں کو دیکھ کر بھاگ جاتی تھی، یا ماہی گیروں کی ایک آدھ کشتی نظر آتی تھی۔ وہ ماہی گیروں سے پوچھتے کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ پوچھنا بھی چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد ماہی گیروں نے بھی وہاں جانا چھوڑ دیا تھا...... اُس روز وہ سنتری گشت کے علاقے میں گئے تو وہ اکتائی ہوئی سی باتیں کر رہے تھے جن کا لب لباب یہ تھا کہ ان کے ساتھی قاہرہ، اسکندریہ اور دوسرے شہروں میں عیش کر رہے ہیں اور وہ اس جنگل بیابان میں پڑے ہیں۔ ان کے لب و لہجے میں احتجاج تھا اور بے اطمینانی بھی۔

وہ اس سرسبز جگہ سے کچھ دور تھے تو انہیں وہاں چار پانچ اونٹ بندھے نظر آئے۔ آٹھ دس آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور چار آدمی دریا میں نہا رہے تھے۔ دونوں سوار آگے چلتے چلتے ٹھٹھک گئے۔ وہ کوئی انسان نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں جس چیز نے حیرت سے زیادہ خوف میں مبتلا کر دیا وہ یہ تھی کہ دریا میں چار آدمی نہیں بلکہ چار جوان لڑکیاں نہا رہی تھیں۔ انہوں نے ستر یا ایک کپڑوں سے ڈھانپنے ہوئے تھے وہ دریا میں اس جگہ ڈبکیاں لگا رہی تھیں جہاں

پانی ان کی کرنگ تھا۔ ان کے جسموں کے رنگ مصریوں کی نسبت زیادہ سفید تھے اور جاذب تھے۔ وہ قہقہے لگا رہی تھیں۔ گھوڑ سوار یہ سمجھ کر ڈر گئے کہ یہ جل پریاں ہیں یا آسمان سے اتری ہوئی پریاں یا فرعونوں کی شہزادیوں کی بدروحیں۔ وہ دونوں رکے رہے اور انہیں دیکھتے رہے۔ انہوں نے وہیں سے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن جو آدمی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔

دو آدمی اٹھ کر ان کی طرف آئے۔ لڑکیوں نے بھی انہیں دیکھ لیا۔ وہ چاروں دریا سے نکل کر کنارے کی خشک اوٹ میں چلی گئیں۔ گھوڑ سواروں کا خوف ذرا کم ہوا۔ وہ آخر فوجی تھے۔ قریب جا کر انہوں نے ان دو آدمیوں سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔ دونوں آدمیوں نے جھک کر سلام کیا۔ وہ مصری لباس میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ قاہرہ کے تاجر ہیں۔ بہت سے سرحدی دیہات میں مال فروخت کر کے واپس جا رہے ہیں۔

"قاہرہ جانے کا یہ راستہ تو نہیں"۔ ایک سوار نے کہا۔

"لڑکیوں کا شوق ہے کہ دریا کے کنارے کنارے جائیں گے"۔ ایک نے جواب دیا۔ "ہم اپنے کام سے فارغ ہو گئے ہیں، واپسی کی کوئی جلدی نہیں۔ دو تین راتیں یہیں قیام کریں گے۔ ... اگر آپ کو شک ہو تو چل کر ہمارا سامان دیکھ لیں۔ ہمارے پاس بہت ساری رقم ہے، وہ بھی دیکھ لیں تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ ہم واقعی مصر کے تاجر ہیں"۔

دونوں گھوڑ سوار ان کے ساتھ چل پڑے اور قیام کی جگہ پہنچے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے جھک کر سلام کیا پھر دونوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ وہ ان کا سامان کھول کر دیکھیں گے؟ گھوڑ سوار سنتری گھوڑوں سے اتر چکے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ سامان نہیں دیکھیں گے۔ ایک آدمی نے سلطان ایوبی کی فوج کی تعریفیں شروع کر دیں۔ پھر انہوں نے ان دونوں کی جوانی، دلیری اور فرض کی تعریفیں کیں۔ انہوں نے ایسی کوئی بات نہ کی جس سے ان دونوں کو کوئی شک ہوتا۔ اس دوران چاروں لڑکیاں کپڑے پہن کر اور بال جھاڑ کر آگئی تھیں لیکن وہ شرمائی شرمائی سی پرے ہٹ کر کھڑی رہیں۔ اس ویرانے میں ان سپاہیوں نے دو اڑھائی سال بعد باہر کے چند آدمیوں کی شکل دیکھی اور انہیں عورت ذات نظر آئی۔ ان لڑکیوں میں انہوں نے عورت کا ہر ایک روپ دیکھا ۔۔۔ ماں، بہن، بیوی اور وہ عورت بھی جو ماں ہوتی ہے نہ بہن نہ بیوی ۔۔۔ دونوں کی نظریں ان لڑکیوں نے گرفتار کر لیں۔ لڑکیاں انہیں دیکھ دیکھ کر شرماتی اور منہ چھپا کر مسکراتی تھیں۔ ان کے شرم و حجاب سے پتہ چلتا تھا کہ یہ سب اچھے خاندان کے لوگ ہیں۔

یہ دونوں سرحدی سپاہی ان آدمیوں کی باتوں اور خصوصاً لڑکیوں میں ایسے محو ہوئے کہ اپنی ڈیوٹی بھول گئے۔ سرحدی علاقے میں اتنی مدت سے پڑے رہنے اور فارغ ہونے کے جو برے اثرات تھے، وہ بڑی خطرناک نفسیاتی تشنگی بن کر ان پر غالب آگئے۔ ایک آدمی دریا کے کنارے برچھی لیے کھڑا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ وہ پانی پر دانے پھینکتا تھا۔ مچھلیاں اوپر آجاتی تھیں۔ وہ اوپر سے برچھی مارتا تو ایک مچھلی برچھی کی انی میں پروئی ہوئی باہر آجاتی۔ وہ بہت سی مچھلیاں پکڑ چکا تھا۔ کسی نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ مچھلیاں بھونیں۔ چاروں لڑکیاں دوڑی



گئیں۔ انہوں نے آگ جلائی اور مچھلیوں کو کاٹ کر آگ پر رکھ دیا۔

☆

گھوڑ سوار سرحدی سپاہی اپنے کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ ان کا کھانا اچھا ہوتا تھا مگر ہر روز ایک ہی قسم کا کھانا کھا کر وہ اس کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ دریائے نیل کے کنارے ان کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی اور خشک پکا ہوا گوشت رکھا گیا تو دیکھ کر ہی ان پر نشہ طاری ہو گیا۔ سب مل کر کھانے لگے تو کھانا اور زیادہ لذیذ ہو گیا۔ کھانے کے دوران دونوں نے دیکھا کہ ایک لڑکی ان کے ایک گھوڑے کی گردن اور زین پر ہاتھ پھیرتی اور گھوڑے کو اشتیاق سے دیکھتی تھی۔ لڑکیاں مردوں کے ساتھ کھانے پر نہیں بیٹھی تھیں۔ گھوڑے والا سپاہی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ لڑکی نے ادھر دیکھا تو مسکرا کر اس نے منہ پھیر لیا کیونکہ اس گھوڑے کا سوار اسے دیکھ رہا تھا۔ ان سپاہیوں نے اتنی خوبصورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

ایک بوڑھے نے سپاہیوں سے کہا۔ "ان لڑکیوں نے کبھی گھوڑے کی سواری نہیں کی، اور یہ جو لڑکی گھوڑے کے قریب کھڑی ہے گھوڑ سواری کی شوقین ہے لیکن اسے گھوڑے پر بیٹھنے کا کبھی موقع نہیں ملا"۔

"ہم ان چاروں کا شوق پورا کر دیں گے"۔ ایک سپاہی نے کہا۔

کھانے کے بعد وہ سپاہی اٹھا اور اپنے گھوڑے کے پاس گیا۔ لڑکی جھینپ کر پرے ہو گئی۔ سپاہی نے اسے کہا۔ "آؤ۔ میں تمہیں سواری کراتا ہوں۔ باری باری چاروں کو گھوڑے پر بٹھاؤں گا"۔

کسی نے لڑکی سے کہا۔ "ان سے شرماؤ نہیں۔ یہ تو تمہاری عزت اور ملک کے رکھوالے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو صلیبی اور سوڈانی معلوم نہیں تمہارا کیا حشر کریں"۔

لڑکی جھجکتی شرماتی گھوڑے کے قریب گئی۔ سپاہی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں ڈالا اور اسے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ سپاہی کو کسی نے آواز دی اور کچھ کہا۔ سپاہی اس طرف متوجہ ہوا۔ اچانک گھوڑا دوڑ پڑا۔ لڑکی کی چیخیں سنائی دیں۔ سپاہی نے گھوم کر دیکھا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ اس کے اوپر لڑکی ادھر ادھر گرتی اور سنبھلنے کی کوشش کرتی تھی۔ سب نے شور بپا کر دیا کہ گھوڑا بے لگام ہو گیا ہے، لڑکی گر کر مر جائے گی۔ سپاہی کے قریب اس کے ساتھی کا گھوڑا کھڑا تھا۔ وہ اچھل کر اس گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑ لگا دی۔ لڑکی والا گھوڑا ایک چٹان سے گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی نے اپنے گھوڑے کی رفتار انتہا تک پہنچا دی۔ اسے معلوم تھا کہ لڑکی گری اور اس کا پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا تو اس کی ہڈیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی اور گھوڑا اسے گھسیٹ گھسیٹ کر ہڈیوں سے گوشت اتار دے گا۔

سپاہی نے گھوڑا چٹان سے موڑا۔ آگے کھلی وادی تھی۔ لڑکی کو گھوڑا اٹھائے دوڑا جا رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر گھوڑا مڑا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی کو لڑکی کی چیخیں اور گھوڑے کے ٹاپ سنائی دے رہے تھے۔ وہ آگے جا کر مڑا۔ اسے گھوڑا نظر نہ آیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اسے اب کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی، نہ گھوڑے کے ٹاپ

لڑکی کی چیخیں۔ وہ سمجھا گھوڑا کسی کھڈ میں جا گرا ہے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ کچھ اور آگے گیا تو ایک اوٹ سے اُسے لڑکی کی آواز سنائی دی — "اِدھر... جلدی سے میرے پاس آجاؤ۔"

سپاہی نے اُدھر دیکھا تو اس پر خوف طاری ہو گیا۔ گھوڑا کھڑا تھا اور لڑکی اطمینان سے اُس پر سوار تھی۔ اس کے چہرے پر ڈر یا گھبراہٹ نہیں بلکہ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سپاہی نے ایک بار تو ارادہ کر لیا کہ گھوڑے کو ایڑ لگائے اور بھاگ جائے۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ لڑکی نہ شرارہ یا بد روح ہے اور اُسے دھوکے سے اس ڈھکی چھپی جگہ لے آئی ہے اور اب اس کا خون پی جائے گی لیکن وہ جیسے جکڑا گیا ہو۔ لڑکی کی مسکراہٹ اور اس کے سراپا میں کوئی ایسی قوت تھی جس نے سپاہی کے گھوڑے کا رخ لڑکی کی طرف کر دیا۔

"تم سپاہی ہو، مرد ہو۔" لڑکی نے اُسے کہا — "مجھ سے ڈر رہے ہو؟" — وہ اس کے قریب گیا تو لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا — "گھوڑا بے لگام نہیں ہوا تھا۔ میں نے اسے خود ایڑ لگائی اور بھگایا تھا اور چیخیں مار کر یہ ظاہر کیا تھا کہ گھوڑا بے لگام ہو گیا ہے اور میں گر پڑوں گی۔ مجھے اُمید تھی کہ تم میرے پیچھے آؤ گے۔ میں اناڑی نہیں شاہسوار ہوں۔"

"تم نے یہ دھوکہ کیوں دیا ہے؟" سپاہی نے پوچھا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" لڑکی نے کہا — "میں یہ باتیں سب کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ تم نے ان آدمیوں میں ایک بڈھا دیکھا ہے۔ وہ میرا خاوند ہے۔ اس کی عمر دیکھو اور میری جوانی دیکھو۔ میرے ساتھ جو لڑکیاں ہیں، ان میں سے ایک میری طرح ایک بوڑھے آدمی کی بیوی بنا دی گئی ہے۔ تم جانتے ہو کہ لڑکی کو جس کے ساتھ باندھ دو وہ بول نہیں سکتی۔ یہ بڈھا مجھے خوش کرنے کے لیے اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ یہ سب تاجر ہیں۔ ہمیں بھی اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔"

"دوسری دو لڑکیاں کون ہیں؟" سپاہی نے پوچھا۔

"وہ دونوں شادی شدہ ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا "اُن کے خاوند جوان ہیں۔ وہ انھیں سیر سپاٹے کے لیے ساتھ لاتے ہیں۔ تم میری مدد کرو۔"

"اگر یہ لوگ تمہیں اغوا کر کے لائے ہوتے تو میں ان سب کو چوکی لے جاتا۔" سپاہی نے کہا — "تم اس کی بیوی ہو۔"

"میں نے اُسے اپنا خاوند تسلیم نہیں کیا۔" لڑکی نے کہا۔ "تمہیں دیکھا ہے تو میرے دل میں اس بوڑھے کی نفرت اور زیادہ گہری ہو گئی ہے۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا — "تمہیں پہلی نظر میں دیکھ کر میرے دل سے آواز آئی کہ یہ ہے تمہارا خاوند۔ خدا نے تمہیں اس خوبرو جوان کے لیے پیدا کیا ہے۔"

"میں اتنا خوبصورت نہیں جتنا تم نے کہا ہے۔" سپاہی نے کہا — "تم مجھے کیوں دھوکہ دے رہی ہو؟ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"خدا جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے۔" لڑکی نے مایوس سے لہجے میں کہا۔ "وہی تمہارے دل میں



رحم ڈالے گا۔ اگر تم میرے دل کی آواز کو دھوکہ سمجھتے ہو تو میں اپنے خاوند کے پاس نہیں جاؤں گی۔ گھوڑے کو ایڑ لگاؤں گی اور سیدھی دریا میں گھوڑے سمیت کود جاؤں گی۔ خدا سے جا کر کہوں گی کہ تم میرے قاتل ہو۔"

وہ ایک تشنہ سپاہی تھا۔ سرحد کی ڈیوٹی سے اُکتایا ہوا تھا۔ وہ صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان یا العادل نہیں تھا۔ وہ سپاہی تھا، جوان تھا اور یہی اس کی شخصیت تھی۔ لڑکی کے حسن و شباب اور اس کے انداز اور اس کی باتوں نے اسے موم کر دیا۔ البتہ اس احساس کا اس نے اظہار کر دیا۔ "میں غریب سپاہی ہوں اور تم شہزادیوں سے کم نہیں۔ تم محل سے نکل کر میرے ساتھ اس ریت پہاڑ اور ان چٹانوں میں زندہ نہیں رہ سکو گی۔"

"اگر خواہش محل اور دولت کی ہوتی تو اس بوڑھے خاوند سے بہتر میرے لیے کوئی خاوند نہیں ہو سکتا تھا۔" لڑکی نے کہا — "اس نے اپنی دولت میرے قدموں میں ڈال رکھی ہے لیکن میں کسی سپاہی کی بیوی بننا چاہتی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی ہے۔ دو بڑے بھائی سپاہی ہیں۔ وہ دمشق اور شام کے محاذ پر صلاح الدین ایوبی کی فوج میں ہیں۔ مجھے اس بڈھے کے حوالے میری ماں نے کیا ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ میری خوبصورتی میری بدنصیبی کا باعث بنی ہے۔ میں شاہسوار ہوں۔ یہ میرے خاوند کو معلوم نہیں۔ ہمارے خاندان کی دولت یہی عسکری روایات ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہ خواہش کی ہے کہ سلطان کی فوج میں شامل ہو جاؤں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی سپاہی کے ساتھ شادی کر لوں۔ تم ریت اور چٹانوں کی باتیں نہ کرو۔ میں اس ریت کی پیداوار ہوں اور جب میرا خون اسی ریت میں جذب ہو جائے گا تو میری روح مطمئن ہو کر خدا کے حضور جائے گی۔"

"میں تمہاری مدد کس طرح کر سکتا ہوں؟"

"آؤ۔" لڑکی نے کہا — "آہستہ آہستہ واپس چلتے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے پیچھے آ رہے ہوں گے۔ راستے میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے کیا سوچا ہے۔" — وہ چل پڑے۔ لڑکی نے کہا — "میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ یہ جرم ہوگا۔ میرا خاوند قاضی کے پاس چلا جائے گا اور ہم دونوں سزا پائیں گے۔ پہلے اس خاوند سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے ایسے طریقے سے قتل کیا جائے کہ یہ قتل نہ لگے۔ قتل تم نہیں کرو گے، میں کروں گی۔ ہو سکتا ہے اسے شراب میں کچھ ملا کر پلا دوں اور رات کو دریا کے کنارے لے جا کر دھکا دے دوں اور کہوں کہ وہ نشے میں دریا میں اُتر گیا تھا۔ اس کے لیے دو چار روز انتظار کرنا پڑے گا۔ میں اسے یہیں رکھوں گی۔"

"تمہارے پاس کوئی زہر ہے؟" سپاہی نے پوچھا۔

لڑکی نے قہقہہ لگایا اور کہا — "تم بدھو سپاہی ہو۔ میں تاہو کے دور اوپر کے علاقے کی رہنے والی ہوں جس میں سے یہ دریا گزرتا ہے۔ ہماری خوراک مچھلی ہے۔ مچھلی کا پتہ زہر سے بھرا ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہم یہاں بھی مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ میں مچھلی کا پتہ الگ کر کے چھپا لوں گی اور اس میں سے چند قطرے بڈھے کی شراب میں ملا دوں گی، پھر اسے سیر کے بہانے دریا کے کنارے لے جاؤں گی۔"

"پھر میں تمہیں کس طرح لے جاؤں گا؟"

"وہ مرگیا تو میں آزاد ہوں گی" لڑکی نے جواب دیا۔ "میں سب سے کہہ دوں گی کہ تم میں سے کوئی بھی میرا وارث نہیں جو مجھے اپنی مرضی کی شادی سے روکے۔ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم مجھے اپنے گھر بھیج دینا.... اور سنو۔ تم مجھے ملتے رہنا۔ اب چلے جاؤ گے تو پھر کب آؤ گے؟"

"میں صرف گشت پر آسکتا ہوں" سپاہی نے جواب دیا۔ "چوکی دور ہے۔ گشت کے بغیر ہم گھوڑا استعمال نہیں کر سکتے۔ میری گشت اسی ساتھی کے ساتھ کل رات کے دوسرے پہر ہوگی۔ میں یہیں آجاؤں گا۔"

"ذرا دور رہنا" لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں راستے میں ملوں گی۔ کہیں چھپ کر بیٹھ جائیں گے۔" لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سپاہی نے اس کی طرف دیکھا تو لڑکی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ سپاہی کے تمام شکوک رفع ہوگئے۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر دبایا۔

☆

وہ جب اس جگہ پہنچے جہاں سے لڑکی کا گھوڑا چٹان کی اوٹ میں ہوگیا تھا، انہیں تمام آدمی نظر آگئے وہ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ اُن کی طرف دوڑ پڑے۔ دونوں گھوڑوں سے اُترے۔ لڑکی کا بوڑھا خاوند سپاہی کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ دوسرے آدمیوں نے بھی والہانہ انداز سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ لڑکی نے انہیں جھوٹ موٹ کی کہانی سنا دی اور کہا کہ اس سپاہی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچایا ہے، ورنہ گھوڑا اُسے کسی پتھریلے کھڈ میں گرا کر مار دیتا۔

دونوں سپاہی چوکی کو واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں اس سپاہی نے اپنے ساتھی کو بتا دیا کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھی کے دل میں رشک سا پیدا ہوا لیکن اس نے بتایا کہ اس کی غیر حاضری میں ایک لڑکی عجیب سی نظروں سے اُسے دیکھتی تھی۔ یہ سپاہی اپنے ساتھی کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر پیدل پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ باقی آدمی پیچھے کھڑے رہے۔ وہ بہت آگے چلا گیا۔ دو لڑکیاں بھی آگے گئیں جن میں سے ایک اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں لڑکی نے اس سپاہی کے ساتھ محبت کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ اسے پھر کب ملے گا۔ اس نے لڑکی کو بتایا کہ وہ کل رات کے دوسرے پہر گشت پر آئے گا۔ اس لڑکی نے اُسے بتایا کہ اُسے ایک بوڑھے کے ساتھ بیاہ دیا گیا ہے اور وہ اس کے ساتھ بھاگنا چاہتی ہے۔

دونوں کی کہانی ایک جیسی تھی۔ انہوں نے اس مسئلے پر غور کرنا شروع کر دیا کہ وہ لڑکیوں کو کس طرح اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ وہ دونوں اس پر بھی غور کرنے لگے کہ اگر لڑکیاں اپنے خاوندوں کو قتل نہ کر سکیں تو وہ خود انہیں قتل کریں اور کس طرح کریں گے.... دونوں سپاہی بڑے ہی حسین تصورات میں خمار کی کیفیت میں اپنی چوکی پر پہنچے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو رپورٹ دی کہ فلاں جگہ قاہرہ کے تاجروں کا قافلہ رُکا ہُوا ہے جس کے سامان کی تلاشی لی گئی ہے اور ہر طرح اطمینان کر لیا گیا ہے کہ وہ مشتبہ اور مشکوک لوگ نہیں۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں کا ذکر بھی کیا۔ چوکی کے کمانڈر نے رپورٹ کے پہلے حصے کو توجہ سے نہیں سنا تھا۔ جب لڑکیوں کا ذکر آیا تو اس نے دلچسپی لینی شروع کر دی۔ لڑکیوں کی تعداد، عمر، شکل و صورت، قد بُت، رنگ رُوپ، غرض اُس



نے کوئی بات نہ رہنے دی۔ سپاہیوں نے اس کے اس رویئے کو محسوس کیا اور خاموش رہے۔

چوکی میں ایک اور چوکی کا سپاہی بیٹھا تھا۔ وہ چوکی وہاں سے آٹھ دس میل دور تھی۔ اُس کے کمانڈر نے اس سپاہی کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا کہ آج شام کے بعد میری چوکی میں آنا ضروری کام ہے۔ کمانڈر نے پیغام لانے والے سپاہی کو یہ کہہ کر روک لیا تھا کہ اکٹھے چلیں گے۔

سورج غروب ہوتے ہی کمانڈر سپاہی کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ دوسری چوکی پر پہنچا تو شام گہری ہو چکی تھی۔ یہ چوکی ہری بھری جگہ تھی۔ وہاں اُس شام کچھ اور ہی رونق تھی۔ چوکی کے تمام سپاہی جو ڈیوٹی پر نہیں تھے، چوکی کے باہر گول دائرے میں بیٹھے تھے، مشعلیں جل رہی تھیں۔ چوکی کا کمانڈر وہاں نہیں تھا۔ اُس کے خیمے میں گئے۔ وہاں دو لڑکیاں بیٹھی تھیں اور تین صحرائی آدمی بھی تھے۔ ان کے قریب ساز اور دف پڑے تھے۔ مہمان کمانڈر کے آتے ہی کھانا چنا گیا..... سب کھا چکے تو چوکی کے کمانڈر کے کہنے پر سازندے اور لڑکیاں باہر چلی گئیں۔ دوسری چوکی کے کمانڈر نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور باہر کیا ہو رہا ہے۔

"یہ لڑکیاں ناچنے والی ہیں" کمانڈر نے جواب دیا۔ "اور اُن کے ساتھ سازندے ہیں۔ یہاں سے گزر رہے تھے۔ پانی پینے کے لیے رُکے تو میں نے انہیں بٹھا لیا۔ لڑکیاں اچھی لگیں۔ میں نے انہیں کھانا بھی کھلایا۔ یہ کہیں جا رہے تھے۔ میرے کہنے پر رُک گئے۔ آج رات انہیں یہیں رکھوں گا۔"

"مجھے یہ سلسلہ اچھا نہیں لگا" دوسرے کمانڈر نے کہا۔ "سرحد پر اگر یہ عیاشی سپاہیوں کو خراب کرے گی۔"

"اس کے بغیر سپاہی زیادہ خراب ہو رہے ہیں" میزبان کمانڈر نے کہا۔ "ایک ہمارے وہ ساتھی ہیں جو شہروں میں عیش کر رہے ہیں۔ ایک ہم ہیں جو معلوم نہیں کب سے یہاں بُھوکے گیدڑوں کی طرح آوارہ پھر رہے ہیں۔ کیا تمہیں سپاہیوں نے کبھی پریشان نہیں کیا کہ اُن کی جگہ دوسرے دستے لائے جائیں؟"

"میری چوکی میں تو دو سپاہی آپس میں لڑ بھی چکے ہیں" مہمان کمانڈر نے کہا۔ "اب تو سپاہیوں کو معمولی سی بات پر غصہ آجاتا ہے۔"

"میں اپنے سالار القند تک درخواست بھجوا چکا ہوں کہ ہم پر رحم کریں اور ہماری بدلی کریں" میزبان نے کہا۔ "اُس نے کوئی جواب نہیں دیا.... میں کہتا ہوں ہمیں اُس محاذ پر بھیج دیں جہاں بہت ہی سخت جنگ ہو رہی ہو۔ یہاں سے ہٹا دیں جہاں کچھ بھی نہیں۔ ہم اپنا فرض ادا کر چکے ہیں، اب دوسروں کو بھیجیں۔"

دوسری چوکی سے آیا ہُوا کمانڈر بھی یہی محسوس کر رہا تھا جو اُسے بتایا جا رہا تھا۔ بالائی کمان کی معمولی سی کوتاہی بڑے خطرناک نتائج سامنے لا رہی تھی۔ دشمن پر بجلیوں کی مانند ٹوٹنے والے مجاہدین نفسیاتی تشنگی اور خلفشار کا شکار ہو رہے تھے۔ وہ اب اپنی تسکین کے ذرائع خود پیدا کر رہے تھے اور فرض کے دوران رقص و سرود سے دل بہلا رہے تھے۔

☆

رات گزرتی جا رہی تھی۔ لڑکیاں باری باری ناچتی تھیں۔ وہ تھک گئیں تو ان کے سازندوں نے گانا سنایا۔

سپاہی انہیں جیخ جیخ کر داد دے رہے تھے۔ تین چار سپاہیوں نے لڑکیوں کی طرف پیسے پھینکے جو لڑکیوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ وہ وطن کے محافظوں سے پیسے نہیں لیں گی۔ اُن کے سازندوں نے بھی سپاہیوں سے کہا کہ اگر وہ ناچ گانے سے خوش ہوتے ہیں تو انہیں جب بھی بلایا جائے گا وہ بلا اُجرت آیا کریں گے..... ان تماشائیوں میں دو کمانڈر تھے۔ ان کے عہدے کوئی زیادہ اونچے تو نہیں تھے پھر بھی وہ ذمہ دار افراد تھے اور وہ دونوں اپنی ذمہ داریاں کو بھول چکے تھے۔ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش نہ کی کہ ناچنے گانے والی یہ پارٹی آئی کہاں سے ہے اور جا کہاں رہی ہے، اور جو کچھ سازندوں نے اپنے متعلق بتایا ہے، وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ تماشائیوں میں مصر کے عراقی لباس میں جو چند ایک آدمی آ بیٹھے ہیں وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں ——— اور ان کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ چوکی کے چار سپاہی گشتی پہرے سے جلدی واپس آ گئے ہیں اور اُن کی جگہ دوسرے چار سپاہی پہرے کے لیے گئے ہی نہیں۔

چوکی سے کچھ دُور رات کی طرح سیاہ چہروں والے کم و بیش پچاس آدمی ایک دوسرے کے پیچھے سوڈان کی طرف سے آ رہے تھے۔ دو آدمی اُن سے بہت آگے تھے۔ پیچھے والے تھوڑا سا چل کر رُک جاتے تھے، آگے والے دو آدمی اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھتے، رات کی آوازوں کو سننے کی کوشش کرتے اور گیدڑوں کی طرح بولتے۔ پیچھے والے اس آواز پر آگے چل پڑتے۔ آگے سے لومڑی کی قہقہہ نما آواز آتی تو وہ رُک جاتے اور کچھ دیر بعد گیدڑ کی آواز پر چل پڑتے۔ دُور چوکی سے سازوں کے دھیمے دھیمے نغمے سرحد کی خاموش فضا میں بکھر رہے تھے...

آگے چٹانی علاقہ آ گیا۔ سیاہ چہروں والے کالے کالے سائے چٹانوں میں غائب ہو گئے۔ ان کے پاس برچھیاں تھیں، تلواریں اور خنجر بھی تھے، اور ہر ایک نے چار چار یا پانچ پانچ کمانیں اور تیروں کا وزنی خزانہ اٹھا رکھا تھا۔

ان کے استقبال کے لیے وہاں تین چار آدمی موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے آنے والی پارٹی کے سردار سے ہنس کر کہا ——— "لڑکیوں نے کام کر دیا ہے۔"

"ہاں!" ——— سردار نے کہا ——— "ہم ان کے سازوں کے نغمے سنتے آئے ہیں۔ میں نے دس بارہ آدمی وہاں تماشائیوں کے بھیس میں بھیج دیئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آ کر اطلاع دی تھی کہ محفل گرم ہو گئی ہے اور راستہ صاف ہے۔ گشتی سنتری بھی ناچ گانے میں چلے گئے ہیں۔"

"نیل سے بھی اچھی اطلاع ملی ہے" ——— استقبال کرنے والوں میں سے ایک نے کہا ——— "ان لوگوں نے لڑکیوں سے صحیح کام لیا ہے۔ دو سپاہیوں کو جو کل رات اس طرف پہرے پر ہوں گے، پھانس لیا گیا ہے۔ میں نے اطلاع بھیج دی ہے۔ کل رات کم از کم تین بڑی کشتیاں آ جائیں گی۔"

وہ آگے چل پڑے۔ چٹانیں اونچی ہوتی گئیں۔ آگے پہاڑیاں آ گئیں۔ سردار رُک گیا اور اس نے ساری پارٹی کو بھی روک دیا۔ اس نے استقبال کرنے والوں سے سرگوشی میں کہا ——— "یہ نہ بھولنا کہ یہ سب حبشی ہیں۔ ان کا مذہب عجیب و غریب ہے اور ان کی عادتیں اور رسومات تمہیں حیران کر دیں گی۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ یہ جیسی کیسی مضحکہ خیز حرکت کریں اسے احترام کی نگاہ سے دیکھنا۔ ہم انہیں مذہب کے نام پر لائے ہیں۔ انہیں یہ جھانسہ دیا ہے کہ ہم



انہیں اس علاقے جا رہے ہیں جہاں خدا رہتا ہے۔ وہ خدا حبشیت کو پیار کرتا ہے، سونے کو آگ دیتا اور آسمان سے بجلی اور پانی برساتا ہے۔ ایک مشعل پیش آئے گی۔ یہ لوگ جنگ سے پہلے انسانی قربانی دینے کے قائل ہیں، یہ اُن کا سردار بتائے گا کہ قربانی کس کی دینی ہے؟ عورت کی یا ایک مرد اور ایک عورت کی۔ اگر ہم نے اُن کی یہ رسم پوری کر دی تو پھر انہیں لڑائی میں دیکھنا۔ قاہرہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ صلاح الدین ایوبی کی یہ فوج اُن کے سامنے ایک دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکے گی۔"

سردار نے سب سے کہا ——— "سجدے میں گر پڑو، تم خدا کے گھر میں آ گئے ہو۔" سب سجدے میں گر پڑے۔ سردار کے کہنے پر اُٹھے اور سردار کے پیچھے چل پڑے۔

یہ سوڈانی حبشی تھے جنہیں مصر میں داخل کیا جا رہا تھا۔ انہیں چھپانے کے لیے اس پہاڑی خطے کا انتخاب کیا گیا تھا۔ فرعونوں کے وقتوں کی غاریں جو دراصل زمین دوز عمارتیں تھیں، بہت بڑی فوج کو گھوڑوں اور اونٹوں سمیت چھپا سکتی تھیں۔ سوڈان میں خونخوار حبشیوں کو اُن کے مذہب اور توہم پرستی کے ذریعے اکٹھا کر کے فوجیوں کے خلاف لڑنے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ لڑنے کے تو وہ ماہر تھے۔ ان کے قبیلوں کی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ تیر اندازی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کے وہ ماہر تھے۔ سوڈان کے حکمرانوں نے صلیبیوں سے معاہدہ کر کے بہت سے صلیبی فوجی افسروں کو بلا لیا تھا۔ وہ ان حبشیوں کو منظم اور باقاعدہ کمانڈ کے تحت لڑنے کی ٹریننگ دے رہے تھے۔ اس سے پہلے سوڈانی فوج دو بار شکست کھا چکی تھی۔ تیسری جنگ اُس وقت ہوئی تھی جب سلطان ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ سوڈانیوں نے یہ حملہ ناکام کر کے تقی الدین کی فوج کو بُری طرح بکھیر دیا تھا۔ تقی الدین سلطان ایوبی کی مدد سے اپنی بچی کھچی فوج واپس لے آیا تھا۔ اس میں سوڈانیوں کی ناکامی یہ تھی کہ انہوں نے تقی الدین کا تعاقب نہ کیا اور مصر پر حملہ نہ کیا۔ اگر سوڈانی تعاقب اور حملہ کرتے تو تقی الدین کی فوج اتنی تھکی ہاری تھی کہ مصر کو سوڈانیوں سے بچا نہ سکتی۔

ان ناکامیوں کو دیکھتے ہوئے صلیبیوں نے سلطان ایوبی کا طریقۂ جنگ آزمانے کی سکیم بنائی تھی۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان ایوبی کم سے کم نفری سے زیادہ سے زیادہ فوج پر شب خون قسم کا حملہ کرتا اور جم کر لڑنے کی بجائے اپنے دستوں کو گھما پھرا کر لڑاتا اور بڑی سے بڑی گھنی ہوئی فوج کو بکھیر دیتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس قسم کے حملے کے لیے بڑی ہی سخت ٹریننگ اور خاص قسم کے سپاہیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام قسم کی فوج صرف ہجوم کی صورت میں لڑ سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے حبشی قبائل میں جنگی جنون پیدا کر کے تھوڑی سی فوج تیار کر لی تھی اور انہیں شب خون کی ٹریننگ دی تھی۔ وہ قاہرہ والوں کو بے خبری میں دبوچ لینا چاہتے تھے۔ اب سلطان ایوبی مصر میں نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں وہ میدان مار لیں گے۔

انہیں اس حملے کی کمان کے لیے ایسے جرنیل کی ضرورت تھی جو مصری فوج کا بھیدی ہو اور وقت اور قوت کم سے کم صرف ہو اور حملہ صحیح ٹھکانوں پر ہو۔ اُن کی یہ ضرورت سلطان ایوبی کے سالار القند نے پوری کر دی تھی۔ سوڈان کے حبشیوں کی فوج کو چھپانے کے انتظامات القند نے ہی کیے تھے۔ اس نے مصری فوج کے چار پانچ جونیئر کمانڈر بھی اپنے ساتھ

ملا لیے تھے۔ جاسوسوں کے ذریعے اس کا رابطہ سوڈان کے ساتھ تھا۔ اب یہ زہر مصر میں داخل ہو رہی تھی۔

☆

رات گئے تک چوکی پر ناچ گانا ہوتا رہا۔ دوسری چوکی کا کمانڈر وہاں سے اپنی چوکی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے اس چوکی کے کمانڈر سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے کہے کہ کل رات اُس کی چوکی پر آئیں۔ سازندے مان گئے انہیں اور جانا ہی کہاں تھا۔ وہ تو سوڈانیوں بلکہ الفتنہ کے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔ یہ تو انہوں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ کسی کے بلاوے پر اُس کے گاؤں جا رہے تھے۔ اُن کے ذمے یہی کام تھا کہ ان دو چوکیوں پر پانی پینے کے جانے رکیں اور ایسی باتیں کریں کہ چوکیوں کے کمانڈر ان کے جال میں آ جائیں۔ ناچنے والی لڑکیاں دل کش تھیں۔ کمانڈر اُن کے جال میں آ گیا۔ اُس نے دریا والی چوکی کے کمانڈر کو بھی بلا لیا ـــــ اور پچاس حبشی سرحد پار کر کے پہاڑیوں کے پیٹ میں غائب ہو گئے۔

اگلی رات دونوں رقاصائیں دریا والی چوکی پر جا پہنچیں اور وہاں بھی وہی رونق پیدا کی گئی جو اس چوکی پر کی گئی تھی۔ رات کے دوسرے پہر دریا کے ساتھ ساتھ گشت کرنے والے دو سپاہی واپس آ گئے۔ اُن کی جگہ دوسرے دو سپاہی روانہ ہونے لگے۔ انہیں ساتھیوں نے کہا کہ وہ یہ رونق چھوڑ کر نہ جائیں۔ کمانڈر اس وقت لڑکیوں اور ان کے رقص میں مست ہے، لیکن وہ دونوں یہ کہہ کر چل پڑے کہ وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرنا چاہتے۔ یہ وہی دو سپاہی تھے جنہیں ۔۔ لڑکیوں نے محبت کا اظہار کر کے کہا تھا کہ وہ اپنے بوڑھے خاوندوں سے نجات حاصل کر کے ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں۔ انہیں فرض کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا ان لڑکیوں کے پاس پہنچنے کا اشتیاق تھا۔ لڑکیوں نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ملیں گی۔

اس سے پہلے وہ آہستہ آہستہ چلتے، رُکتے اور چلتے تھے مگر اُس رات چوکی سے ذرا دُور ہوتے ہی انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ ایک جگہ گھوڑے روک کر اترے اور آہستہ آہستہ چلتے الگ الگ ہو گئے۔ دونوں لڑکیاں مختلف جگہوں پر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ دونوں ۔۔ پاس دُور چٹانوں میں لے گئیں۔ دونوں نے اُن پر اپنے حسن و جوانی اور محبت کا طلسم طاری کر دیا اور خاوندوں کے قتل کی سکیمیں بنتی رہیں۔ دونوں نے کہا کہ وہ اپنے خاوندوں کو شراب میں خواب آور سفوف پلا کر سُلا آئی ہیں۔ دونوں سپاہی، ایک چٹان کے اِس طرف دوسرا کہیں اور، صرف فرض کو ہی نہیں گرد و پیش کو اور دنیا کو بھی فراموش کئے بیٹھے تھے۔

اس جگہ سے تھوڑی دُور آگے جہاں ان سپاہیوں نے تاجروں کے قافلے کو بیٹھے دیکھا تھا، دریا کے کنارے چار سائے اِدھر اُدھر حرکت کر رہے تھے۔ دریا کی ہلکی ہلکی لہریں جلترنگ بجا رہی تھیں۔ یہ آدمی پانی کی سطح پر تاریکی میں دُور دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بے چین ہوئے جا رہے تھے۔ ایک نے کہا ـــــ "نہیں اس وقت تک آ جانا چاہئے تھا" ـــــ دوسرے نے کہا ـــــ "انہیں اطلاع تو دے دی گئی تھی" ایک نے آنکھیں سکیڑ کر کہا ـــــ "وہ بادبان معلوم ہوتے ہیں" ـــــ اُس نے ایک دیا جلا کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں ہلانا شروع کر دیا۔ دریا میں دُور دو دیئے جلتے نظر آئے اور بجھ گئے۔



تھوڑی دیر بعد ایک بادبانی کشتی کنارے کے ساتھ آ لگی۔ کنارے پر کھڑے ایک آدمی نے کہا۔ کسی کی اونچی آواز نہ نکلے ـــــ مکمل خاموشی سے سپاہ کالے حبشی کشتی سے کنارے پر کودنے لگے۔ اس کے پہلو میں ایک اور کشتی آ لگی۔ اس میں سے بھی حبشی اترے۔ یہ بہت بڑی کشتیاں تھیں۔ ان میں سے کم و بیش دو سو حبشی اترے۔ پھر ان میں سے سامان اُترنے لگا۔ یہ سب جنگی سامان تھا جو نہی کشتیاں خالی ہوئیں وہاں سے کہا گیا کہ بہت تیزی سے کشتیاں واپس لے جائیں۔ ملاحوں نے بادبانوں کے رسّے کھینچے، رُخ بدلے اور کشتیاں ساحل سے ہٹ کر دھیرے میں غائب ہو گئیں ـــــ اور حبشیوں کی یہ کھیپ بھی چٹانوں میں سے جاتی ہوئی پہاڑیوں میں گئی اور غائب ہو گئی۔

☆

یہ دونوں سپاہی واپس آ ـــــ تو چوکی پر ناچ گانے کی محفل ختم ہو گئی تھی۔ سپاہی اپنے اپنے خیموں کو جا رہے تھے۔ ناچنے گانے والوں کے لیے کمانڈر نے الگ خیمہ کھڑا کر دیا تھا۔ اُسے ایک لڑکی بہت زیادہ ہی اچھی لگی۔ وہ چہرے مہرے سے معصوم سی لگتی تھی۔ کمانڈر نے یہ سوچا کر کے پیشہ ور لوگ ہیں۔ سازندوں سے کہا کہ اس لڑکی کو وہ اس کے خیمے میں بھیج دیں۔ یہ لوگ دراصل جاسوس اور تخریب کار تھے۔ ان کا مشن ہی یہی تھا کہ ان دو چوکیوں کو اپنے جال میں الجھائے رکھیں اور ان کے کمانڈروں کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کریں تاکہ سوڈان سے حبشی ذریعہ مصر میں داخل ہوتی رہے۔ اس کمانڈر نے لڑکی کو اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس کی خواہش فوراً پوری کر دی گئی۔ رقاصہ اس کے ساتھ خیمے میں چلی گئی۔

کمانڈر ادھیڑ عمر تھا اور لڑکی نوجوان۔ خیمے میں جا کر لڑکی کی شوخی ختم ہو گئی۔ وہ تو ناچنے کودنے والی اور بڑی ہی پیاری مسکراہٹ سے تماشائیوں کا دل بہلانے والی رقاصہ تھی۔ باہر کی مشعلیں بجھ چکی تھیں۔ خیمے میں دیا جل رہا تھا۔ لڑکی ایک طرف بیٹھ کر کمانڈر کو گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں نے کبھی شراب نہیں پی" ـــــ کمانڈر نے کہا۔

"میرے باپ نے بھی کبھی شراب نہیں پی تھی" ـــــ رقاصہ نے کہا ـــــ "تم نے شراب کا نام کیوں لیا ہے؟ میں نے تو نہیں کہا تھا کہ شراب پیو۔ تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارے پاس شراب بھی ہو گی اور میں لا کر تمہیں پلاؤں گی"۔

"کہتے ہیں شراب کے بغیر عورت اور عورت کے بغیر شراب بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے" ـــــ کمانڈر نے مسکرا کر کہا ـــــ "میں شراب کے ذائقے سے واقف نہیں اور میں غیر عورت کی چاشنی سے بھی آشنا نہیں"۔

"پھر تم اناڑی گنہگار ہو" ـــــ رقاصہ نے سنجیدگی سے کہا ـــــ "میں تم سے کوئی نقد اُجرت نہیں لوں گی۔ میری ایک بات مان لو تو میں اسی کو ساری رات تمہارے ساتھ گزارنے کی اجرت سمجھوں گی.... بات یہ ہے کہ گناہ میں وہ چاشنی نہیں جو گناہ نہ کرنے میں ہے۔ تم مرد ہو۔ اس تنہائی میں جب ایک جوان لڑکی تمہارے پاس ہے تمہیں میری یہ بات عجیب لگے گی۔ تم میری بات مانو گے نہیں۔ ذرا غور کرو، تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے آج پہلی بار گناہ کا ارادہ کیا ہے۔ رات اتنی سرد ہے مگر تمہارے ماتھے پر مجھے پسینے کے قطرے نظر آ رہے ہیں"۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" ـــــ ادھیڑ عمر کمانڈر نے کہا ـــــ "ہمیں جب فوجی تربیت دی گئی تھی تو کہتا ہوں

سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے۔ جنگی اور جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت بھی شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے ایک سو سپاہیوں سے ایک ہزار صلیبیوں کو خون میں نہلا دیتا ہے۔"

"لیکن ایک کمزور سی لڑکی نے تم سے ہتھیار ڈلوا لیے ہیں" — رقاصہ نے کہا — "تم اتنی لمبی روحانی اور اخلاقی تربیت سے دستبردار ہو گئے ہو۔"

کمانڈر پریشان ہو گیا۔ اس نے بے اختیار سا ہو کر کہا — "مجھے بالکل امید نہیں تھی کہ تم یہاں آ کر اس قسم کی باتیں کرو گی۔ میں نے سوچا تھا کہ تنہائی میں اگر تم شوخ اداؤں اور ناز و انداز سے مجھے دیوانہ بنا دو گی۔ تمہارے ہونٹوں کی وہ مسکراہٹ کہاں ہے جس نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ تمہارے آدمیوں سے تمہاری بھیک مانگوں؟ میں تمہارے عوض عربی نسل کے دو گھوڑے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"اپنی تلوار بھی دو گے؟" لڑکی نے گردن کو خم دے کر پوچھا — "اپنی برچھی، اپنی ڈھال اور اپنا خنجر بھی دے دو گے؟"

"ہاں!" — لیکن وہ چپ ہو گیا۔ بے چینی کے عالم میں بولا — "نہیں۔ سپاہی اپنے ہتھیاروں سے دستبردار نہیں ہوا کرتا۔" — وہ خیمے میں تیز تیز قدم اٹھا کر ذرا سی دیر ٹہلا اور اچانک غصے میں پوچھا — "ایک رقاصہ کے منہ سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہیں۔ کیا تم مجھ سے بچنا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کوشش میں ہو کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤں؟"

"ہاں!" — رقاصہ نے کہا — "میں تم سے اپنا جسم بچانا چاہتی ہوں۔"

"کیا تم اپنے جسم کو پاک سمجھتی ہو؟"

"نہیں" — رقاصہ نے کہا — "میں اپنے جسم کو ناپاک سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

کمانڈر کی عقل میں یہ بات نہ آئی۔ وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے رقاصہ کو دیکھنے لگا۔ رقاصہ نے کہا — "کوئی بیٹی اپنے باپ کے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

"اوہ!" — کمانڈر نے آہ بھر کر کہا — "میں بوڑھا ہوں، تم جوان ہو۔" وہ بیٹھ گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔

رقاصہ نے آگے بڑھ کر اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر اس کا سر اوپر اٹھایا اور کہا — "اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ نہیں چلی۔ تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دے رہی۔ اگر تم صرف مرد کے روپ میں رہنا پسند کرتے ہو تو میں رقاصہ اور فاحشہ بنی رہوں گی۔ پھر میں کہوں گی کہ ایک اور مرد سے واسطہ پڑا تھا جس پر خدا نے لعنت بھیجی تھی۔ میں تمہیں باپ کے روپ میں دیکھ رہی ہوں۔ میری ایک دو باتیں سن لو پھر جو جی میں آئے کرنا۔ میں پتھر بن جاؤں گی۔ تم اس کے ساتھ کھیلتے رہنا ... تمہاری بیٹی ہے؟"

"ایک ہے" — کمانڈر نے جواب دیا۔

"اس کی عمر کتنی ہے؟"

"بارہ سال۔"



"اگر تم مر جاؤ اور تمہاری بیوی غربت سے تنگ آ کر تمہاری بیٹی کو ناچنے گانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو تمہاری روح کا کیا حشر ہو گا؟ .... ان صحراؤں میں اور ان پہاڑوں میں بھٹکتی اور چیختی نہیں رہے گی؟"

کمانڈر اسے سہمی سہمی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے کئی اور قطرے پھوٹ آئے۔ رقاصہ نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔

"ذرا تصور میں لاؤ" — رقاصہ نے کہا — "تم مر گئے ہو اور تمہاری بیٹی ایک گناہگار مرد کے ساتھ خیمے میں بیٹھی ہے، اور وہ مرد اسے کہہ رہا ہے کہ شراب لاؤ۔ شراب کے بغیر عورت بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے۔"

کمانڈر کے ہونٹ متحرک ہوئے۔ اس نے اچانک گرج کر کہا — "نکل جاؤ یہاں سے فاحشہ، بدکار!"

لڑکی نے آہ بھری اور کہا — "اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ مجھے تمہارے خیمے میں دیکھ کر مجھے بھی اور تمہیں بھی قتل کر دیتا۔" — اس کے آنسو نکل آئے۔ کمانڈر اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا تھا۔ رقاصہ نے اس کی ذہنی کیفیت اور غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا — "میں تمہیں بوڑھا جان کر تم سے نفرت نہیں کر رہی۔ میں نے تو ایسے ضعیف العمر آدمیوں کے خیموں میں بھی راتیں گزاری ہیں جنہیں عمر ضعف نے کھوکھلا کر دیا تھا۔ وہ دولت سے اپنی لاشوں میں جان ڈالنا چاہتے تھے ..... میں نے تمہیں اتنا بوڑھا نہیں سمجھا۔ بات اتنی سی ہے کہ تمہاری شکل و صورت میرے باپ سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ میں رقاصہ سے بیٹی بن گئی، اور میں نے جو باتیں تمہیں کہی ہیں، یہ میرے دماغ میں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ میں صرف ناچنا اور انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ تم ذرا سوچو تو سہی، مجھ جیسی فاحشہ رقاصہ کے دماغ میں اتنی باتیں اور ایسی باتیں کیوں آ گئی ہیں جنہوں نے صرف تمہیں نہیں مجھے بھی حیران کر دیا ہے؟"

کمانڈر نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا غصہ بجھ گیا تھا۔ رقاصہ نے کہا — "مجھے اپنے باپ کا چہرہ اور جسم اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے اس کے جسم کی بو بھی یاد ہے۔ تمہاری بیٹی کی عمر بارہ سال ہے، میری عمر تو دس سال تھی جب وہ مر گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مصر کی فوج میں سپاہی تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ میری ماں جوان تھی اور بہت غریب۔ اس نے مجھے ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرے سامنے رقم لی تھی اور اس آدمی نے میری ماں سے کہا تھا کہ اس کی شادی ایک بڑے اچھے آدمی سے کرا دے گا۔ میں رو پڑی تو ماں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا چچا ہے اور یہ تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جا رہا ہے ..... میں بارہ سال سے اپنے باپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ انہی وعدوں پر مجھے ناچ سکھایا گیا کہ مجھے باپ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ تو ذرا بڑی ہوئی تو میں نے حقیقت کو قبول کیا کہ میرا باپ تو مر چکا ہے۔ اس وقت تک رقص میری عادت بن چکا تھا۔ مجھے کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ میں نے باپ کے نام پر رقص کی تربیت لی تھی۔ میرے استاد اور میرے آقا میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ بہت اچھے اچھے کھانے کھلاتے تھے۔ پھر میں جوان ہو گئی تو مجھے اپنی قیمت کا اندازہ ہوا۔ اس قیمت نے میرے جذبات مار دیئے اور میں خوبصورت پتھر بن گئی، مگر تمہیں دیکھ کر مرے ہوئے جذبات جاگ اٹھے ہیں۔"

اس کے آنسو نکل آئے۔ آہ لے کر کہنے لگی — "یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے باپ کی روح اس خیمے

سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے۔ جنگی اور جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت بھی شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان ایوبی ایک سو سپاہیوں سے ایک ہزار صلیبیوں کو خون میں نہلا دیتا ہے۔"

"میں ایک کنواری لڑکی نے تم سے ہتھیار ڈلوا لیے ہیں۔" رقاصہ نے کہا۔ "تم اتنی لمبی روحانی اور اخلاقی تربیت سے دستبردار ہو گئے ہو۔"

کمانڈر پریشان ہو گیا۔ اس نے بے اختیار سا ہو کر کہا۔ "مجھے بالکل امید نہیں تھی کہ تم یہاں آ کر اس قسم کی باتیں کرو گی۔ میں نے سوچا تھا کہ تنہائی میں اگر تم شوخ اداؤں اور ناز و انداز سے مجھے دیوانہ بنا دو گی۔ تمہارے ہونٹوں کی وہ مسکراہٹ کہاں ہے جس نے مجھے بے قابو کر دیا تھا کہ تمہارے آدمیوں سے تمہاری بھیک مانگوں؟ میں تمہارے عوض عربی نسل کے دو گھوڑے دینے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔"

"اپنی تلوار بھی دو گے؟" لڑکی نے گردن کو خم دے کر پوچھا۔ "اپنی برچھی، اپنی ڈھال اور اپنا خنجر بھی دے دو گے؟"

"ہاں!... لیکن وہ چپ ہو گیا۔ بے چینی کے عالم میں بولا۔ "نہیں۔ سپاہی اپنے ہتھیاروں سے دست بردار نہیں ہوا کرتا۔" وہ خیمے میں تیز تیز قدم اٹھا کر ادھر ادھر ٹہلا اور اچانک غصے میں پوچھا۔ "ایک رقاصہ کے منہ سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہیں۔ کیا تم مجھ سے بچنا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کوشش میں ہو کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤں؟"

"ہاں!" رقاصہ نے کہا۔ "میں تم سے اپنا جسم بچانا چاہتی ہوں۔"

"کیا تم اپنے جسم کو پاک سمجھتی ہو؟"

"نہیں۔" رقاصہ نے کہا۔ "میں اپنے جسم کو ناپاک سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

کمانڈر کی عقل میں یہ بات نہ آئی۔ وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے رقاصہ کو دیکھنے لگا۔ رقاصہ نے کہا۔ "کوئی بیٹی اپنے باپ کے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

"اوہ!" کمانڈر نے آہ بھر کر کہا۔ "میں بوڑھا نہیں، تم جوان ہو۔" وہ بیٹھ گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔

رقاصہ نے آگے جھک کر اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر اس کا سر اوپر اٹھایا اور کہا۔ "اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ نہیں چلی۔ تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دے رہی۔ اگر تم صرف مرد کے روپ میں رہنا پسند کرتے ہو تو میں رقاصہ اور فاحشہ بنی رہوں گی۔ پھر میں کہوں گی کہ ایک اور مرد سے واسطہ پڑا تھا جس پر خدا نے لعنت بھیجی تھی۔ میں تمہیں باپ کے روپ میں دیکھ رہی ہوں۔ میری ایک دو باتیں سن لو پھر جو جی میں آئے کرنا۔ میں پتھر بن جاؤں گی۔ تم اس کے ساتھ کھیلتے رہنا۔۔۔۔ تمہاری بیٹی ہے؟"

"ایک ہے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔

"اس کی عمر کتنی ہے؟"

"بارہ سال۔"



"اگر تم مر جاؤ اور تمہاری بیوی غربت سے تنگ آ کر تمہاری بیٹی کو ناچنے گانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو تمہاری روح کا کیا حشر ہوگا؟.... ان صحراؤں میں اور ان پہاڑوں میں بھٹکتی اور چیختی نہیں رہے گی؟"

کمانڈر اسے سہمی سہمی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے کئی قطرے پھوٹ آئے۔ رقاصہ نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔

"ذرا تصور میں لاؤ۔" رقاصہ نے کہا۔ "تم مر گئے ہو اور تمہاری بیٹی ایک گناہگار مرد کے ساتھ خیمے میں بیٹھی ہے، اور وہ مرد اسے کہہ رہا ہے کہ شراب لاؤ، شراب کے بغیر عورت بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے۔"

کمانڈر کے ہونٹ تھرکے۔ اس نے اچانک گرج کر کہا۔ "چلی جا یہاں سے، فاحشہ بدکار!"

لڑکی نے آہ بھری اور کہا۔ "اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ مجھے تمہارے خیمے میں دیکھ کر مجھے بھی اور تمہیں بھی قتل کر دیتا۔" اس کے آنسو نکل آئے۔ کمانڈر غصے سے خیمے میں ٹہلنے لگا تھا۔ رقاصہ نے اس کی ذہنی کیفیت اور غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں بوڑھا جان کر تم سے نفرت نہیں کر رہی۔ میں نے تو ایسے ضعیف العمر آدمیوں کے خیمے میں بھی راتیں گزاری ہیں جنہیں عمر رسیدگی نے کھوکھلا کر دیا تھا۔ وہ دولت سے اپنی داشتاؤں میں جان ڈالنا چاہتے تھے۔۔۔ میں نے تمہیں اتنا بوڑھا نہیں کہا۔ بات اتنی سی ہے کہ تمہاری شکل و صورت میرے باپ سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ میں رقاصہ سے بیٹی بن گئی اور میں نے جو باتیں تمہیں کہی ہیں یہ میرے دماغ میں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ میں صرف ناچنا اور انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ تم ذرا سوچو تو سہی، مجھ جیسی فاحشہ رقاصہ کے دماغ میں اتنی باتیں اور ایسی باتیں کیوں آ گئی ہیں جنہوں نے صرف تمہیں نہیں مجھے بھی حیران کر دیا ہے؟"

کمانڈر نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا غصہ بجھ گیا تھا۔ رقاصہ نے کہا۔ "مجھے اپنے باپ کا چہرہ اور جسم اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے اس کے جسم کی بو بھی یاد ہے۔ تمہاری بیٹی کی عمر بارہ سال ہے، میری عمر تو دس سال تھی جب وہ مر گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مصر کی فوج میں سپاہی تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ میری ماں جوان تھی اور بہت غریب۔ اس نے مجھے ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرے سامنے رقم لی تھی اور اس آدمی نے میری ماں سے کہا تھا کہ اس کی شادی ایک بڑے اچھے آدمی سے کرا دے گا۔ میں بڑی ہوئی تو ماں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا چچا ہے اور یہ تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جا رہا ہے۔۔۔ میں بارہ سال سے اپنے باپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ انہی دنوں مجھے ناچ سکھایا گیا کہ باپ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ تو ذرا بڑی ہوئی تو میں نے حقیقت کو قبول کیا کہ میرا باپ تو مر چکا ہے۔ اس وقت تک رقص میری عادت بن چکا تھا۔ مجھے کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ میں نے باپ کے نام پر رقص کی تربیت لی تھی۔ میرے استاد اور میرے کاریگر ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ بہت اچھے اچھے کھانے کھلاتے تھے۔ پھر میں جوان ہو گئی تو مجھے اپنی قیمت کا اندازہ ہوا۔ اس قیمت نے میرے جذبات مار دیئے اور میں خوبصورت پتھر بن گئی۔ اگر تمہیں دیکھ کر میرے جذبات جاگ اٹھے ہیں۔"

اس کے آنسو نکل آئے۔ آہ لے کر کہنے لگی۔ "یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے باپ کی روح اس میں

کے اندر گردش گھوم پھر رہی ہے۔ اس خیمے میں آنے سے پہلے میں نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ کبھی یوں لگتا ہے، جیسے میرا وجود میرے باپ کی روح ہے جو بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

"تم اگر رقاصہ تھی تو ان صحراؤں میں کیا لینے آئی ہو؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"میں اُجرت پر آئی ہوں۔" رقاصہ نے جواب دیا۔ "میں ان لوگوں کو نہیں جانتی۔ دوسری رقاصہ کو بھی میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ سرحد پر جانا ہے اور وہاں جس چوکی والے خواہش کریں، انہیں بلا اُجرت ناچ گانے سے خوش کرنا ہے۔ مجھے اُجرت کی اتنی خوشی نہیں تھی جتنی اس کی کہ سرحد کی عزت کی حفاظت کرنے والے مجاہدوں کا دل بہلانے جا رہی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی تھا۔ میں دل کو دھوکہ دیتی ہوں کہ میرے رقص سے میرے مجاہد باپ کی روح بھی بہل جاتی ہوگی..... میں ایک دھوکہ ہوں۔ اپنے لیے بھی دوسروں کے لیے بھی۔ لیکن میں وطن کے مجاہدوں کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ پچھلی چوکی والے کمانڈر نے مجھے اپنے خیمے میں بلایا تھا۔ میں نے انکار کر دیا تھا۔ تمہارے پاس صرف اس لیے آ گئی ہوں کہ تمہارے چہرے مہرے اور قد کاٹھ میں مجھے اپنا باپ نظر آیا تھا۔"

رقاصہ اُس کے سامنے دو زانو بیٹھ گئی۔ کمانڈر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگایا پھر چوما۔

کمانڈر نے دوسرا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا اور پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرے آقا مجھے برق کہتے ہیں۔" رقاصہ نے جواب دیا۔ "باپ مجھے زہرہ کہا کرتا تھا۔"

"جاؤ زہرہ!" کمانڈر نے ایسے پیار سے کہا جس میں شفقت تھی۔ "اپنے خیمے میں چلی جاؤ۔"

"تم سو جاؤ۔" زہرہ نے کہا۔ "تم سو جاؤ گے تو چلی جاؤں گی۔"

☆

رات گزرتی جا رہی تھی۔ سازندوں میں سے دو اپنے خیموں میں جاگ رہے تھے۔ دوسری رقاصہ اور باقی سازندے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ جاگنے والوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ "ہمارا طریقہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ہم ان لڑکیوں کو یہ کہہ کر ساتھ لے آئے ہیں کہ ناچ گانے سے فوجیوں کا دل بہلانے جا رہے ہیں۔ ضرورت یہ تھی کہ ان لڑکیوں کو بتا دیتے کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے۔"

"کسی رقاصہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" دوسرے نے کہا۔ "یہ لڑکی جو کمانڈر کے خیمے میں ہے جذبات میں آ کر مختلف انجام دے کر اُسے بتا سکتی ہے کہ ہم سرحدی چوکیوں کے لیے دھوکہ اور فریب بن کر آئے ہیں۔ ہمیں اپنا راز کسی رقاصہ کو نہیں دینا چاہیے۔ ان دونوں کو اپنی اُجرت سے غرض ہے۔ ہم انہیں منہ مانگی اُجرت دے چکے ہیں۔ ہمارا کام ہو گیا ہے۔"

"اگر ہم نے اُسے بتایا ہوتا کہ ہمارا مقصد کیا ہے تو یہ لڑکی اس کمانڈر کو اچھی طرح اندھا کر لیتی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ اُسے اس حد تک پھانس لیتی کہ اسی کی مدد سے ہم حبشیوں کو اندر لے آتے۔"

"ہمارے استاد ہم سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔ یہ لڑکیاں ہمارے ہتھیار ہیں۔ ہتھیاروں کو کبھی کسی نے ہمراز



نہیں بنایا۔"

کمانڈر کے خیمے میں یہ حالت تھی کہ کمانڈر اس اطمینان کے ساتھ سو گیا تھا کہ رقاصہ نے اُسے گناہ سے صاف بچا لیا اور اُس کے سینے میں باپ کو بیدار کر دیا تھا۔ رقاصہ اُسے بہت دیر دیکھتی رہی۔ کمانڈر کا چہرہ جب رقاصہ کے آنسوؤں میں چھپ گیا تو وہ خیمے سے نکل گئی۔ اپنے خیمے میں گئی اور سو گئی۔ رات کی ایک ہی ساعت باقی تھی جو گزر گئی۔ ناچنے گانے والے جاگے تو سورج اوپر آ گیا تھا۔ لڑکیوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ سازندے انہیں اپنے ساتھ لے جانے لگے تو کمانڈر باہر کھڑا تھا۔ زہرہ دوڑ کر اس تک گئی اور کہا۔ "میرے سر پر ہاتھ رکھو۔" کمانڈر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو زہرہ نے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا اور وہ بھیگی آنکھوں سے اس سے رخصت ہوئی۔

وہ دریا کی طرف چلے گئے۔ کہیں سے دو شتر سوار آ گئے۔ وہ اونٹوں سے اترے۔ اونٹوں کو بٹھایا، دونوں لڑکیوں کو سوار کیا اور چل پڑے۔ یہ شتر سوار اسی گروہ کے افراد تھے جو قریب ہی کہیں اُن کے انتظار میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ گروہ اُس جگہ پہنچا جہاں تاجروں کا قافلہ چار لڑکیوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو یوں ملے جیسے اجنبی ہوں۔ لڑکیاں ناچنے والی لڑکیوں کو مردوں سے الگ دریا کے کنارے لے گئیں۔ اُن کا مقصد یہی تھا کہ انہیں مردوں سے الگ کر دیا جائے۔ چاروں لڑکیوں نے زہرہ اور اُس کی ساتھی رقاصہ کو اپنے متعلق بتایا کہ وہ ان آدمیوں کی بہو بیٹیاں ہیں اور سیر کے لیے ان کے ساتھ آئی ہیں۔

ادھر مردوں کی منڈلی میں اصل مشن پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سازندوں نے اپنی دو راتوں کی کارگزاری سنائی۔ دوسرے گروہ نے انہیں بتایا کہ اُن کے دو راتوں کے ناچ گانے سے کم و بیش ایک سو حبشی اندر آ گئے ہیں اور ان لڑکیوں نے دو سپاہیوں کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس سے دو سو سے زائد حبشی آ گئے ہیں..... اپنی اپنی کارگزاری سنانے کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ناچ گانے سے حبشیوں کی زیادہ تعداد اندر نہیں آ سکتی۔ دریا کا راستہ زیادہ بہتر ہے۔ کشتیوں میں زیادہ آدمی اندر آ سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے طے کیا کہ لڑکیاں ان دو سپاہیوں کے علاوہ دو یا چار اور گشتی سنتریوں کے ساتھ یہی کھیل کھیلیں تاکہ ہر رات کشتیاں آ سکیں۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ کو یہیں کہیں قریب رکھا جائے لیکن اس راز میں شامل نہ کیا جائے۔

سازندوں نے بعد میں زہرہ اور اس کی ساتھی سے کہا کہ ان کا کام ختم ہو چکا ہے۔ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے اس لیے چند دن یہیں فارغ گزارے جائیں۔ انہوں نے لڑکیوں کو ایسے انداز سے اکسایا کہ وہ رک گئیں۔ دوسرے گروہ کی لڑکیوں نے انہیں اپنے ساتھ بے تکلف کر لیا لیکن اُن کے قیام کی جگہ ذرا دور رکھی..... اُس رات زہرہ سو نہ سکی۔ اُسے کمانڈر یاد آ رہا تھا۔ اس کی شخصیت زہرہ کے دل میں اتر گئی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ کمانڈر میں اُسے اپنے باپ کی تصویر نظر آ رہی تھی اور دوسرے اس لیے کہ یہ پہلا مرد تھا جس نے اُسے کھلونا سمجھنے کی بجائے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور تیسرے اس لیے کہ کمانڈر نے اُسے زہرہ کہا، برق نہیں کہا تھا۔

اُس کی ساتھی رقاصہ سو گئی تھی اور اُس کے گروہ کے سازندے بھی سو گئے تھے۔ وہ اٹھی اور خیمے سے

باہر نکل گئی۔ اُس نے راستہ دیکھا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چوکی کی طرف چل پڑی۔ وہ اتنی تیز اور اتنا زیادہ چلنے کی عادی نہیں تھی لیکن اس کے جذبات اُسے قوت دے رہے تھے۔ وہ چوکی تک پہنچ گئی۔ کمانڈر کے خیمے سے وہ واقف تھی۔ وہ خیمے میں چلی گئی۔ کمانڈر گہری نیند سویا ہوا تھا.... اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اندھیرے میں اُس نے وہ ہاتھ پکڑ لیا جو کوئی اس کے منہ پر پھیر رہا تھا۔ ہاتھ چھوٹا سا تھا جو مردانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر پوچھا۔ "کون ہو؟"

"زہرہ"

وہ اٹھ بیٹھا۔ زہرہ نے کہا۔ "تمہیں دیکھنے آئی ہوں.... سو جاؤ۔ میں جا رہی ہوں"

کمانڈر نے دیا جلایا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ زہرہ نے بتایا تو کمانڈر باہر نکلا۔ دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ کو باہر لے جا کر ایک گھوڑے پر اُسے سوار کرایا۔ دوسرے پر خود سوار ہوا اور گھوڑے چل پڑے۔ راستے میں زہرہ جذباتی باتیں کرتی رہی اور کمانڈر شفقت اور پیار سے سنتا رہا۔ اپنے ٹھکانے سے کچھ دور ہی تھے کہ زہرہ نے اُسے روک کر واپس چلے جانے کو کہا۔ کمانڈر نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور واپس آ گیا۔

زہرہ جب اپنے ٹھکانے پر پہنچی تو اُس کے ساتھ کا ایک آدمی جاگ رہا تھا۔ اس نے زہرہ سے پوچھا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ زہرہ نے بتایا کہ ویسے ہی گھومنے پھرنے نکل گئی تھی۔ اس آدمی نے کریدنا شروع کر دیا۔ اُسے شک تھا۔ زہرہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کہاں گئی تھی۔

"تم ہماری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتی" اس آدمی نے حکم دیا۔

"میں تمہاری زر خرید نہیں ہوں" زہرہ نے کہا۔ "میں نے جو اُجرت لی تھی اس کے عوض کام پورا کر چکی ہوں۔ میں کسی کے حکم کی پابند نہیں"

"تم اپنے مالکوں کے پاس شاید زندہ نہیں پہنچنا چاہتی" اس آدمی نے کہا۔ "اب ہم سے پوچھے بغیر کہیں جا کے دیکھو"

☆

دونوں سپاہی اپنی گشت کے دوران دریا کے کنارے جاتے رہے۔ دونوں لڑکیاں انہیں الگ لے جاتیں اور اس دوران حبشیوں سے لدی ہوئی دو بادبانی کشتیاں تاریکی میں کنارے آ لگتیں اور حبشیوں کو پہاڑیوں میں اُگل کر تاریکی میں غائب ہو جاتیں۔ ان چار لڑکیوں نے دو اور سپاہیوں کو "بڑے خاوندوں کی نوجوان بیویاں" بن کر اور اُن کے ساتھ بھاگ جانے کا جھانسہ دے کر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ پہاڑی خطے میں اتنے زیادہ حبشی جمع ہو چکے تھے جو رات کے وقت سرحدی چوکیوں پر حملہ کر کے وہاں کی نفری کو سوتے میں آسانی سے ختم کر سکتے تھے لیکن اُن کے کمانڈروں نے عقل کی بات سوچی تھی۔ سرحدی چوکیوں پہ حملے کی خبر قاہرہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قاہرہ سے فوج آ جاتی اور صلیبیوں کی یہ سکیم تباہ ہو جاتی کہ قاہرہ پر اچانک اور بے خبری میں حملہ کریں گے۔



پہاڑیوں میں حبشیوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی اور سوڈان میں صلیبی مشیروں نے وہ صلیبی کمانڈر جنہیں قاہرہ پر حملہ کرنا تھا مقرر کر دیئے۔ انہیں چند دنوں بعد مصر کی سرحد میں داخل ہو کر ان پہاڑیوں میں آنا اور حملے کی تیاری کرنی تھی۔ سالار القند ابھی تک قاہرہ میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اُس کی کسی حرکت سے کسی کو شک نہیں ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑی غداری کا مرتکب ہونے والا ہے۔ اُسے رات کو گھر میں پوری رپورٹ مل جاتی تھی کہ کتنے حبشی گزشتہ رات آ چکے ہیں اور اُن کی تعداد کتنی ہو گئی ہے۔ حملے کی قیادت اسی کو کرنی تھی۔ اُس نے پلان تیار کر لیا تھا۔

حبشی ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے اپنے مذہب کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ پہلے وہ آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے۔ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ انسان کی قربانی دی جائے۔ القند نے وہاں جو آدمی بھیج رکھے تھے، انہوں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی لیکن حبشی اپنے ساتھ جو مذہبی پیشوا لائے تھے وہ ٹلتے نظر نہیں آتے تھے۔ حبشیوں نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا تھا کہ انسان کی قربانی دو ورنہ وہ واپس چلے جائیں گے۔ مذہبی پیشواؤں سے کہا گیا کہ وہ انہی حبشیوں میں سے کسی کو پکڑ کر ذبح کر دیں لیکن وہ کہتے تھے کہ یہ قربانی قبول نہیں ہوتی۔ قربانی کے لیے اُسی خطے کا انسان ہونا چاہیے جس پر حملہ کرنا ہے۔ لڑنے والے لوگ اپنی قربانی نہیں دیا کرتے۔

آخر انہیں کہا گیا کہ حملے سے ایک دن پہلے مصر کا ایک آدمی اُن کے حوالے کر دیا جائے گا۔ حبشیوں کے پروہت نے کہا۔ "نہیں وہ انسان ابھی چاہیئے۔ ہم بہت دنوں تک اُسے خاص غذا دے کر پالیں گے۔ اُس پر اپنا خاص عمل کریں گے۔ اپنی عبادت بھی کریں گے.... اور ابھی ہمیں یہ حساب بھی کرنا ہے کہ قربانی مرد کی دینی ہے یا عورت کی یا دونوں کی"

اُسی رات القند کو اطلاع دی گئی کہ حبشی قربانی کے لیے انسان مانگتے ہیں۔ القند نے کہا۔ "تو اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ کوئی آدمی پکڑو اور اُن کے حوالے کر دو"

"لیکن وہ ابھی بتائیں گے کہ انہیں ایک آدمی چاہیئے یا ایک عورت یا دونوں"

"ان کا جو بھی مطالبہ ہے پورا کرو" القند نے کہا۔ "چند دنوں بعد جب ہم قاہرہ پر حملہ کریں گے، تو معلوم نہیں قاہرہ کے کتنے لوگ ہمارے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ دو کو اگر پہلے ہی مار دو گے تو کیا قیامت آ جائے گی"

القند گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اتنے میں ایک صلیبی اندر آیا۔ اس نے مصری لباس پہن رکھا تھا۔ اندر آتے ہی اُس نے مصنوعی داڑھی اتار کر رکھ دی۔ اس نے القند سے پوچھا کہ وہ کیوں پریشان نظر آتا ہے۔

"حبشی اپنی رسم پوری کرنا چاہتے ہیں" القند نے جواب دیا۔ "وہ ابھی سے انسانی قربانی کا مطالبہ کر رہے ہیں"

"تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ حملے سے ایک دن پہلے ایک آدمی اُن کے حوالے کر دیں گے" القند نے جواب دیا۔

"نہیں" صلیبی نے کہا۔ "وہ ابھی قربانی دینا چاہتے ہیں تو ابھی اُن کی رسم پوری کرنے کا انتظام کریں۔ آپ سوڈان نہیں گئے۔ ہم اُن کے مذہب سے ساتھ کھیل کر انہیں یہاں لا رہے ہیں۔ آپ شاید انسانوں کو

استعمال کرنا نہیں جانتے۔ آپ کو صلاح الدین ایوبی نے صرف لڑنا سکھایا ہے۔ انسانوں کو تلوار کے بغیر مارنا ہم صلیبیوں سے سیکھیں۔ دوسروں کے مذہب کو استعمال کریں۔ اُن پر اُنہی کے مذہب کا جنون غالب کر کے اُن کی عقل کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اُن کی بے ہودہ اور بے معنی رسموں کی مخالفت کرنے کی بجائے ان کی پیروی کرو بلکہ اپنے ہاتھوں یہ رسمیں ادا کرو۔ عام انسان کا ذہن مذہب اور توہم پرستی سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے جتنے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملایا اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف استعمال کیا ہے وہ مذہب اور توہم پرستی کے ہتھیاروں سے کیا ہے۔ مسلمان مذہب کے نام پر جلدی ہمارے جال میں آتا ہے۔ یہ حبشی تو جنگلی ہیں۔ انہیں ہم ایک سال سے زیادہ عرصے سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ یہ سوڈان سے روانگی سے پہلے ہم نے دو سوڈانیوں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا اور بتایا تھا کہ یہ مصری ہیں۔ انہوں نے انہیں ذبح کیا تب وہ مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔"

"اُن سے پوچھو کہ انہیں قربانی کے لیے مرد چاہیے یا عورت؟" العقند نے پوچھا۔

"اور آپ کا وہاں چلنا بہت ضروری ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "لیکن آپ کو میں کسی اور طریقے سے ان کے سامنے لے جاؤں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان حبشیوں سے بڑھ کر آپ کو کوئی اور وحشی اور خونخوار جنگجو نہیں ملے گا۔ اس وقت ان کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔ اگر ہم نے ان پر ان کے مذہب کا بھوت سوار کیے رکھا اور انہیں یہ یقین دلائے رکھا کہ یہ ہماری نہیں ان کی اپنی جنگ ہے تو ان میں سے صرف ایک ہزار اس تمام فوج کو جو قاہرہ میں ہے کٹی ہوئی لاشوں میں بدل دیں گے۔ ہم نے انہیں یہ بتایا ہے کہ ہم انہیں ان کے خدا کے گھر لے جا رہے ہیں، اور یہ کہ ان کے خدا کی زمین پر ان کے دشمن نے قبضہ کر رکھا ہے۔"

"میں چلوں گا۔" العقند نے کہا۔

العقند مصر پر سوڈانیوں کی حکومت چاہتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ کسی غدار سے اس خواہش کا اظہار کر بیٹھا، تو اُس نے اس کی خواہش کو عزم بنا دیا اور اُس کی ملاقات صلیبیوں سے کرا دی تھی۔ صلیبیوں نے اُس کے ساتھ یہ سودا طے کیا تھا کہ مصر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ اُسے دے دیا جائے گا اور باقی نصف سوڈان کو۔ جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ حبشیوں کی فوج کا اہتمام صلیبیوں نے کیا تھا۔ مورخوں نے العقند کی بغاوت کو تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ اُس دور کی عظیم شخصیت قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی ڈائری بعنوان "سوانح صلاح الدین — سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی؟" میں تفصیل سے لکھا ہے کہ العقند نے صلیبیوں اور سوڈانی لیڈروں کی مدد سے تہذیب و تمدن سے دور جانوروں اور درندوں کی سی زندگی بسر کرنے والے حبشیوں پر اُن کے مذہب کا بھوت سوار کر کے اُن پر جنگی جنون طاری کیا اور العقند خود ان کا پیر و مرشد بنا۔ حبشیوں کو بتایا گیا کہ یہ اُن کے خدا کا وہ ایلچی ہے جو صدیوں سے خدا کے پاس گیا ہوا تھا۔ سلطان یوسف سے مراد سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ اس مجاہدِ اعظم کا پورا نام یوسف صلاح الدین تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد اُسے پیار اور شفقت سے یوسف کہا کرتا تھا۔

☆



وہ رات تاریک تھی۔ مصر کا آسمان آئینے کی طرح شفاف تھا۔ ستارے ہیروں اور سچے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ قاہرہ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چند دنوں بعد اُن پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ مصر کے سرحدی دستے بھی سوئے ہوئے تھے۔ صرف گشتی سنتری جاگ رہے تھے لیکن وہ صرف جاگ رہے تھے، بیدار نہیں تھے۔ دریائے نیل کے ساتھ کی چوکی جو دریائی راستہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی اور اُس سے چند میل دور دوسری چوکی جو پہاڑیوں کے علاقے کو سربمہر رکھنے کے لیے قائم کی گئی تھی، کے گشتی سنتری چار لڑکیوں کے حسین، اور دل فریب جال میں اُلجھے ہوئے تھے۔ لڑکیاں انہیں الگ الگ لے گئی تھیں۔ اس رات یہ گروہ بہت زیادہ چوکنا تھا۔

زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ اس گروہ سے کچھ دور خیمے میں سوئی ہوئی تھیں۔ ساربان سے بظاہر سوئے ہوئے تھے لیکن وہ بیدار تھے۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ آج رات بہت اہم ہے اور وہ بیدار رہیں۔ ان دونوں گروہوں کے لیے یہ حکم تھا کہ کوئی باہر کا آدمی دریا کے کنارے اور اس پہاڑی سلسلے کے قریب نہ آئے۔ کوئی آئے تو اُسے پکڑ کر اندر لے آؤ۔

کچھ دیر بعد ایک ساربان اٹھا۔ پہلے وہ باہر گھوما پھرا پھر اُس نے اس چھوٹے خیمے میں جھانکا جس میں دونوں لڑکیاں سوئی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ اندر جا کر ٹٹولا۔ اُسے کچھ شک ہوا۔ دیا جلا کے دیکھا تو زہرہ غائب تھی۔ دوسری گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ ساربان نے اُسے نہ جگایا۔ اُسے معلوم تھا کہ زہرہ کہاں گئی ہے۔ وہ چوکی کے کمانڈر کے پاس ہی جا سکتی تھی۔ اس میں خطرہ یہ تھا کہ کمانڈر اُس کے ساتھ آ گیا، تو اپنے سنتریوں کو غائب پا کر انہیں ڈھونڈے گا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دریا کے کنارے اس جگہ بھی پہنچ جائے جس جگہ کو اس رات باہر کی دنیا سے چھپا کر رکھنا تھا..... ساربان نے اپنے دو ساتھیوں کو جگایا اور انہیں بتایا کہ اُن کی ایک لڑکی غائب ہے۔ وہ چوکی پر ہی گئی ہو گی۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دریا سے دور گھات لگائی جائے اور اگر کمانڈر لڑکی کے ساتھ واپس آ رہا ہو تو دونوں کو پکڑ کر اپنے کمانڈر کے حوالے کر دیا جائے، اور اگر ضرورت پڑے تو دونوں کو قتل کر کے لاشیں دریا میں پھینک دی جائیں۔

پہاڑیوں کے اندر کی دنیا جاگ رہی تھی۔ یہ وسیع و عریض علاقہ تھا جہاں کوئی نہیں جاتا تھا۔ ایک اس لیے کہ یہ جگہ دور دراز اور راستوں سے ہٹ کر تھی اور دوسرے اس لیے مشہور تھا کہ اندر فرعونوں کی بھی بدروحیں رہتی ہیں، اور اُن کی بھی جو فرعونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ بدروحیں آپس میں لڑتی رہتی ہیں اور اگر کوئی انسان اس علاقے میں چلا جائے تو اس کے جسم کا گوشت غائب ہو جاتا ہے اور پیچھے ہڈیوں کا پنجرہ رہ جاتا ہے..... یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس پہاڑی خطے کے وسط میں فرعونوں کے بہت بڑے بڑے بت پہاڑیوں کو تراش کر بنائے گئے تھے۔ پہاڑیوں کو اندر سے کھوکھلا کر کے اندر محل جیسے کمرے اور غلام گردشیں بنائی گئی تھیں۔

اُس رات ان زمین دوز محلات میں روشنی ہی روشنی تھی۔ ہزاروں حبشی باہر اُس میدان میں جمع تھے،

جسے بروزن سے پہاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔ حبشیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اونچی بات نہ کریں۔ انہیں ان کا خدا دکھایا جانے والا ہے۔ حبشیوں پر خوف اور عقیدت مندی کے جذبات سوار تھے۔ ڈر کے مارے وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ وہ ان پہاڑیوں اور چٹانوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جس پہاڑی کی طرف وہ منہ کرکے بیٹھے ہیں اس کی نصف بلندی پر ایک بہت بڑا بت ہے۔ یہ ابو سمبل کا بت تھا جس کے متعلق ان حبشیوں کو بتایا گیا تھا کہ اُن کے خدا کا بت ہے اور ایک رات یہ خدا ایک انسان کے روپ میں اُن کے سامنے آئے گا۔

اچانک ایسی گرجدار آواز آئی جیسے گھٹائیں گرج رہی ہوں۔ حبشی پہلے ہی خاموش تھے۔ اس گرج نے اُن کی سانسیں بھی روک دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ایک آواز سنائی دی ـــ "خدا جاگ رہا ہے۔ سامنے پہاڑی پر دیکھو۔ اوپر دیکھو"۔ یہ آواز بڑی بلند تھی جو پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گونج بن کر کچھ دیر سنائی دیتی رہی۔ فضا میں دو شرارے اڑتے نظر آئے جو سامنے والی پہاڑی کی طرف گئے اور پہاڑی سے جہاں ٹکرائے وہاں سے ایک شعلہ اٹھا۔ ابو سمبل کا بت اس شعلے کے پیچھے اور کچھ اوپر تھا۔ شعلے کی ناچتی تھرکتی ہوئی روشنی بت کے مہیب چہرے پر پڑی تو ایسے نظر آنے لگا جیسے بت آنکھیں جھپک رہا ہو۔ اُس کا منہ کھلتا اور بند ہوتا نظر آتا تھا اور یوں بھی لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ دائیں بائیں ہل رہا ہو۔

حبشیوں کا یہ سیاہ کالا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ اُن کے مذہبی پیشوا سجدے سے اٹھے۔ سب نے بازو پھیلا دیئے۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے بت سے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔ "آگ اور پانی کے خدا ریگستانوں کو جلانے اور دریاؤں کو پانی دینے والے خدا! ہم نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ ہمیں بتا کہ ہم تیرے قدموں میں کتنے انسان قربان کریں۔ مرد لائیں یا عورت؟"

"ایک مرد ایک عورت"۔ پہاڑیوں میں سے آواز آئی ـــ "تم نے ابھی مجھے نہیں دیکھا۔ میں انسان کے روپ میں تمہارے سامنے آ رہا ہوں۔ اگر تم نے میرے دشمنوں کا خون نہ بہایا تو تم سب کو ان پہاڑیوں کے پتھروں کی طرح پتھر بنا دوں گا پھر تم دھوپ میں ہمیشہ جلتے رہو گے۔ تم میں سے جو لڑائی سے بھاگے گا اُسے صحرا کی ریت چُوس لے گی ..... انتظار کرو۔ میرا انتظار کرو"۔

خاموشی اور گہری ہو گئی۔ شعلہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ پہاڑیوں میں سے حبشیوں کے مذہبی ترانے کی آواز آنے لگی۔ یہ اُن کا وہ گیت تھا جو مذہبی تہواروں پر عبادت کے دوران گایا کرتے تھے۔ بہت سے آدمی مل کر گا رہے تھے اور ساتھ ڈھول بج رہے تھے۔ نیچے بیٹھے ہوئے ہزاروں حبشیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُن میں سے کوئی بھی نہیں گا رہا تھا۔ یہ غیب کی آواز معلوم ہوتی تھی۔

☆

زہرہ چوکی کے کمانڈر کے خیمے میں تھی۔ اس کی باتیں پہلے سے زیادہ جذباتی ہو گئی تھیں۔ اُس نے کمانڈر سے کہا ـــ "اگر میں تمہیں نہ دیکھتی تو باقی عمر ناچتے اور دوسروں کا دل بہلاتے گزار دیتی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے یاد آ گیا ہے کہ میں



بیٹی ہوں رقاصہ اور فاحشہ نہیں۔ یا تم اپنے آپ کو مار دو تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ میرا باپ مر گیا ہے یا مجھے قتل کر دو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو مجھے پناہ میں لے لو۔ اپنے گھر بھیج دو۔ آج مجھے واپس نہ جانے دو"۔

"تم آج چلی جاؤ"۔ کمانڈر نے جواب دیا ـــ "میں تمہیں چوکی میں نہیں رکھ سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے گھر بھیجنے کا انتظام کر دوں گا ..... اور اگر تم یہاں سے چلی گئی تو مجھے بتا دو میں اپنا ٹھکانہ بتا دو، وہاں آ کر تمہیں لے جاؤں گا"۔

تھوڑی دیر بعد کمانڈر نے دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ سے کہا کہ چلو چلیں۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔ راستے میں زہرہ نے کمانڈر سے پوچھا۔ "رات کو کشتیاں یہاں کیوں آیا کرتی ہیں؟"

"کشتیاں؟" کمانڈر نے حیران سا ہو کر پوچھا ـــ "کدھر سے آتی ہیں؟"

"اُدھر سے"۔ اس نے سوڈان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "مجھے اب رات کو نیند کم آتی ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کر خیمے سے باہر بیٹھ جاتی ہوں۔ میں نے دو راتیں دیکھا ہے۔ ایک رات تین اور ایک رات دو بادبانی کشتیاں آئیں۔ اُن کے سفید بادبان اندھیرے میں بھی نظر آتے تھے۔ آگے جا کر کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اس طرح کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جیسے ان سے بہت سے لوگ اتر رہے ہوں۔ مجھے کچھ لوگ درختوں کے پیچھے سائے سے جاتے اور پہاڑیوں میں غائب ہوتے نظر آئے"۔

"تم نے ہمارے دو سپاہیوں کو کبھی نہیں دیکھا؟" کمانڈر نے پوچھا ـــ "وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ انہیں دریا کے کنارے موجود رہنا چاہیئے"۔

"نہیں"۔ زہرہ نے جواب دیا ـــ "میں نے کبھی کوئی سپاہی نہیں دیکھا۔ دن کے دوران سپاہی آتے ہیں ہمارے ایک قافلہ اترا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ ایک روز میں نے ایک سپاہی کو ایک لڑکی کے ساتھ بے تکلفی سے چٹانوں کے پیچھے جاتے دیکھا تھا"۔

زہرہ کو تو علم ہی نہیں تھا کہ سرحدوں پر کیا ہوتا ہے اور کیا ہو سکتا ہے اور سرحدی دستوں کے فرائض کیا ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رات کو یا دن کو سوڈان کی طرف سے کشتیوں کو آنا چاہیئے یا نہیں۔ اس نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا لیکن کمانڈر کے لیے یہ اہم خبر تھی۔ زہرہ اگر صحیح کہہ رہی تھی تو وہ اُسے راز کی بات بتا رہی تھی۔ وہ بے شک اس ڈیوٹی اور سرحدی ماحول سے اکتا گیا تھا مگر زہرہ کی باتوں نے اُسے بیدار کر دیا۔ اس نے زہرہ سے کہا ـــ "آؤ، آج دریا کے کنارے چلتے ہیں"۔ ـــ اس نے گھوڑے کا رُخ موڑ دیا۔

وہ دریا تک پہنچے اور کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کمانڈر کی نظریں دریا پر تیر رہی تھیں۔ کچھ وقت گزرا تو اسے دریا میں دور ایک لَو نظر آئی جو دیئے کی معلوم ہوتی تھی۔ پھر ایک اور لَو نظر آئی اور پھر دونوں روشنیاں بجھ گئیں۔ اِدھر کنارے پر بھی ایک دیا جلا اور بجھ گیا۔ کمانڈر نے اُن گشتی سنتریوں کو آوازیں دیں جنہیں وہاں گشت پر ہونا چاہیئے تھا۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور بلند آواز سے پکارا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور زور سے پکارا۔ اسے اب دریا میں دو کشتیوں کے بادبان دکھائی دیئے۔ وہ پریشان ہو گیا۔ وہ زہرہ کی موجودگی کو بھول

کمانڈر سنتریوں کو پکار رہا تھا۔

گیا اور گھوڑے کو کنارے کے ساتھ آگے چلا دیا۔ زہرہ بھی اس کے پیچھے گئی۔ کمانڈر سنتریوں کو پکار رہا تھا۔ سنتریوں کو اس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ چٹانوں کی اوٹ میں بوڑھے خاوندوں کی نوجوان بیویوں "کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کی آواز پہچان لی اور وہاں سے اٹھے۔ وہ جب وہاں جا کر اکٹھے ہوئے جہاں وہ اپنے گھوڑے باندھ گئے تھے تو دیکھا کہ دونوں گھوڑے غائب ہیں۔ وہ وہیں رُکے رہے۔ انہیں دُور دو گھوڑے جاتے دکھائی دیئے۔

کمانڈر آگے جا رہا تھا۔ زہرہ کا گھوڑا اُس کے پہلو میں تھا۔ انہیں آواز سنائی دی —"تم جنہیں پکار رہے ہو وہ بہت دُور آگئے ہیں"۔

"تم کون ہو؟" کمانڈر نے پوچھا۔ "آگے آؤ"۔

"ہم مسافر ہیں"۔ اسے جواب ملا اور دو گھوڑے کمانڈر کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر ایک اور آواز آئی۔ "آگے چلیں ہم آپ کے ساتھ چلیں گے"۔

کمانڈر نے تلوار نکال لی۔ رات کے وقت مسافروں کا گھوڑوں پر سوار ہونا اور اس علاقے میں ہونا مشکوک تھا۔ وہ دونوں اُن کے قریب آگئے۔ ایک نے کمانڈر سے کہا۔ "اُدھر دیکھو۔ وہ آرہے ہیں"۔ جونہی کمانڈر نے اُدھر دیکھا اس آدمی نے ایک بازو کمانڈر کی گردن کے گرد لپیٹ کر بازو کا شکنجہ تنگ کر دیا اور دوسرے ہاتھ سے اُس کی تلوار والی کلائی پکڑ لی۔ دوسرے نے لڑکی کو دبوچ لیا۔ کمانڈر کو جس نے پکڑ رکھا تھا، اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا تیز چلا تو کمانڈر اپنے گھوڑے سے گرنے لگا۔ اندھیرے سے دو اور آدمی دوڑے آئے انہوں نے کمانڈر کو بے بس کر لیا۔

یہ سازندے تھے جو دراصل تربیت یافتہ چھاپہ مار سپاہی تھے۔ ان میں سے دو تین زہرہ کے پیچھے گئے تھے اور انہیں راستے میں دیکھ کر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن کے تعاقب میں آرہے تھے۔ سنتریوں کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آنے والے اُن کے ساتھی تھے۔ اُن میں سے کسی نے کہا۔"انہیں زندہ لے چلو۔ ہمیں حکم ملا تھا کہ کوئی مشتبہ آدمی نظر آئے تو اُسے زندہ لے آؤ"۔

کمانڈر اور زہرہ کو جب پہاڑیوں کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو انہوں نے دیکھا کہ کشتیوں میں سے جبشی سامان اُتار رہے تھے۔ یہ جنگی سامان اور رسد تھی۔

☆

پہاڑیوں میں دُور اندر ہزاروں حبشیوں کا ہجوم ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ شعلہ کبھی کا بُجھ چکا تھا۔ مذہبی گیت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ حبشیوں پر طلسم طاری تھا۔ اُن کی جذباتی کیفیت کچھ اور سوا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو ان حبشیوں سے برتر سمجھنے لگے تھے جو سوڈان میں رہ گئے تھے۔۔۔۔ گیت گانے والے خاموش ہو گئے۔ اچانک سامنے پہاڑی پر چمک نظر آئی تھی جیسے بجلی چمکی ہو۔ چمک پھر پیدا ہوئی جو مستقل روشنی بن گئی۔ یہ روشنی الوسبل کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ روشنی کہاں سے آرہی ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے الوسبل کا چہرہ اپنی روشنی سے روشن



ہو گیا ہو۔

روشنی بجھ گئی۔ ذرا سی دیر بعد روشنی پھر نظر آئی۔ سب نے دیکھا کہ الوسبل کے پہاڑ جیسے بت کی گود میں سے ایک آدمی اُترا اور آگے چل پڑا۔ بت کے پیچھے سے چار آدمی نمودار ہوئے۔ سب ایک ایک سفید چادر میں ملبوس تھے جنہوں نے کندھوں سے پاؤں تک جسم ڈھانپ رکھے تھے۔ جو آدمی بت کی گود سے آیا تھا وہ کوئی بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے سر پر تاج تھا اور تاج پر ایک مصنوعی سانپ کے پھن کا سایہ تھا۔ اُس کا چغہ لال رنگ کا تھا۔ روشنی جو معلوم نہیں کہاں سے آرہی تھی اس آدمی پر پڑ رہی تھی۔ اُس کے چغے پر ستارے تھے جو روشنی میں چمکتے اور ٹمٹماتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں ننگی تلوار تھی۔ تلوار بھی چمکتی تھی۔ سفید چادروں والے آدمی اُس کے پیچھے آئے۔

وہ ڈھلان سے اُتر رہے تھے اور روشنی اُن کے ساتھ ساتھ آرہی تھی۔ اگلا آدمی جو بادشاہ لگتا تھا رُک گیا۔ پیچھے والے چاروں آدمیوں نے اکٹھے بڑی ہی بلند آواز سے کہا —"خدا زمین پر اُتر آیا ہے۔ سجدہ کرو۔ اٹھو اور غور سے دیکھو"۔ سارا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ سب نے سر اٹھائے اور "خدا" کو دیکھا۔ اس وقت خدا نے تلوار اوپر اٹھائی تھی۔ وہ ڈھلان سے اُترنے لگا۔ سناٹا ایسا طاری ہو گیا جیسے وہاں ایک بھی انسان نہ ہو۔ وہ اُترتے اُترتے ایسی جگہ آن کھڑا ہوا جو بلند تھی اور ہجوم کے قریب۔ یہ جگہ چوڑی تھی۔ روشنی صرف اس پر اور اُن چار آدمیوں پر پڑ رہی تھی جو اُس کے ساتھ تھے۔ اچانک اس روشنی میں چار لڑکیاں داخل ہوئیں۔ اُن کے لباس اتنے سے ہی تھے کہ صرف ستر ڈھانپے ہوئے تھے۔ اُن کے جسموں کے رنگ گورے تھے۔ اُن کی پیٹھوں پر کندھوں سے ذرا نیچے پرندوں کی طرح پَر پھیلے ہوئے تھے۔ اُن کے بال کھلے تھے۔ وہ یوں حرکت کرتی تھیں جیسے اُڑ رہی ہوں۔ وہ رقص کی اداؤں سے اس بادشاہ (حبشیوں کے "خدا") کے ارد گرد گھوم کر وہیں کہیں غائب ہو گئیں۔ شاید چٹان کے پیچھے اُتر گئی تھیں۔

اُس وقت چار آدمی کمانڈر اور زہرہ کو وہاں ایک غار میں لے گئے اور ایک کمرے میں داخل کر دیا۔ ایک آدمی باہر چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ اسے بتا دیا گیا کہ یہ چوکی کا کمانڈر ہے اور یہ ناصر ہے اور انہیں دریا کے کنارے سے اُس وقت پکڑا گیا ہے جب کشتیاں سامان اور مزید حبشیوں کو اُتار رہی تھیں۔ اس آدمی نے کمانڈر اور زہرہ کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ ایک آدمی کو ساتھ لے کے باہر نکل گیا۔

"تم انہیں بڑے اچھے وقت لائے ہو"۔ اُس نے کہا —"یہ بدبخت حبشی انسانی قربانی مانگ رہے تھے۔ ہم نے القند کے کہنے پر خدا کی آواز میں اعلان کر دیا تھا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی قربانی دی جائے گی۔ ہمیں کہیں سے ایک مرد اور ایک عورت کو اغوا کر کے ان کے حوالے کرنا تھا۔ تم نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم کامیاب ہوں گے۔ ہر کام پوری کامیابی سے ہو رہا ہے۔ قربانی کے لیے اپنے آپ ہی دو انسان آگئے ہیں"۔

"حبشیوں نے خدا دیکھ لیا ہے؟" ایک نے پوچھا۔

"اگر تم ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے کیسی استادی سے انہیں خدا دکھایا ہے"۔ اس نے جواب دیا۔ —"بت کی سامنے والی پہاڑی سے جلتے ہوئے گیلتے والے دو تیر چلائے گئے۔ تیر اندازوں نے اندھیرے میں ایسا نشانہ

باندھا کر صحیح جگہ پر تیر گرے۔ ہم نے تیل اور مادہ زیادہ جگہ پھیلایا تھا۔ پہلے ہی دو تیروں نے اُسے آگ لگا دی۔ اینڈریس تجربہ کار آدمی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ شعلے میں بُت ہنستا، مسکراتا اور جھلکتا نظر آئے گا۔ یہ شعلے کا کرشمہ تھا کہ خود ہمیں یقین ہونے لگا تھا کہ بُت نہ صرف آنکھوں اور ہونٹوں کو حرکت دے رہا ہے بلکہ اس کا چہرہ دائیں بائیں حرکت کر رہا ہے۔

"اور حبشیوں کا ردِعمل کیا تھا؟"

"سجدے میں گر پڑے تھے۔" اس نے جواب دیا۔ "ہمارے آدمیوں کی آوازیں بڑی گونجدار تھیں۔ پہاڑیوں میں ان کی گونج کچھ دیر تک سنائی دیتی رہی۔ میں اندھیرے میں دیکھ نہیں سکا۔ مجھے یقین ہے کہ حبشی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ الفند کا ناٹک تو بہت ہی کامیاب رہا۔ شعلہ بجھا تو ہم نے اُسے پوشاک پہنا کر بُت کی گود میں بٹھا دیا اور چار آدمی پہلے ہی وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ بُت پر سامنے کی پہاڑی سے روشنی پھینکنے کا سلسلہ بھی کامیاب رہا۔ ساتھ والی پہاڑی پر جو آگ جلائی گئی تھی وہ نیچے کسی کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس کے قریب بڑا آئینہ رکھ کر بُت پر عکس پھینکا تو یوں لگتا تھا جیسے یہ بُت کے چہرے کا نور ہے۔ اس میں سے الفند 'خدا' بن کے اُترا تو ہماری لڑکیوں نے سب کو یقین دلا دیا کہ یہ خدا ہے اور وہ پریاں ہیں۔ ہم کسی قدم پر ناکام نہیں ہوئے۔ اب الفند کو اندر بٹھا کر تمام حبشیوں کو اس کے سامنے سے گزارا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا 'خدا' جو جنگ میں تمہارے ساتھ ہوگا۔"

"ان دونوں (کمانڈر اور زہرہ) کو آج ہی قربان کر دیں گے؟"

"اس کا فیصلہ حبشی کریں گے۔ وہ شاید انہیں تین چار روز پالیں پوسیں گے اور اپنی کچھ رسمیں ادا کریں گے۔"

انہیں کسی کی آواز سنائی دی۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ لڑنے والے سالار کو یہ سوانگ بھی بھرنا پڑے گا۔" تین چار آدمیوں کی ہنسی سنائی دی۔ کسی اور نے کہا۔ "اس کے بغیر ان حبشیوں کو لڑانا آسان نہیں تھا۔ بہرحال آپ کو اس سوانگ کی بہت زیادہ قیمت مل رہی ہے۔ پورا مصر۔"

یہ الفند اور اس کے ساتھیوں کی آوازیں تھیں۔ وہ قریب آئے تو ان دونوں نے بتایا کہ ایک مرد اور ایک عورت اتفاق سے ہاتھ آگئی ہے۔ انہیں حبشیوں کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ الفند نے یہ نہ پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ وہ سر سے تاج اتار کر اُس کمرے میں چلا گیا جہاں کمانڈر اور زہرہ کو رکھا گیا تھا۔ الفند کمانڈر کو نہ پہچان سکا۔ کمانڈر نے اسے پہچان لیا۔ کمانڈر کے کانوں میں وہ باتیں بھی پڑی تھیں جو باہر ایک آدمی دوسرے کو سنا رہا تھا۔ اُس نے اس کے منہ سے کئی بار الفند کا نام سنا تھا اور اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اُسے اور زہرہ کو قربان کیا جائے گا۔ الفند اُس کے سامنے آیا تو اُسے اس پر حیرت نہ ہوئی کہ اُس کا سالار یہاں کیسے آگیا ہے۔

الفند یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ ان دونوں کو حبشیوں کے مذہبی پیشواؤں کے حوالے کر دو۔

☆

تین چار روز بعد قاہرہ میں العادل نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا۔ "تین چار دنوں سے سالار الفند نہیں



مل رہا۔ میں اُسے جب بھی بلاتا ہوں جواب آتا ہے کہ گھر نہیں ہے۔ اس کے گھر سے بھی یہی جواب ملا ہے۔ وہ کہاں جا سکتا ہے؟"

"اگر سرحدی دستوں کے معائنے کے لیے سرحد کے قلعے پر جاتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آتا ہے کہ اُسے تخریب کاروں نے اغوا یا قتل کر دیا ہوگا۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تخریب کاروں سے ہی جا ملا ہو۔" العادل نے کہا۔

"کبھی ایسا شک ہوا نہیں تھا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں اس کے گھر سے پتہ کراتا ہوں۔"

وہ خود اس کے گھر چلا گیا۔ الفند کے بارہ باڈی گارڈ موجود تھے۔ ان کے کمانڈر سے پوچھا کہ سالار الفند کہاں ہیں؟ اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کسی بھی باڈی گارڈ کو معلوم نہیں تھا۔ ملازمہ کو باہر بلا کر کہا گیا کہ الفند کی بیویوں سے پوچھے کہ الفند کہاں گیا ہے۔ ملازمہ اسے اندر لے گئی۔ الگ کمرے میں بٹھایا۔ وہ بوڑھی عورت تھی۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا۔ "اس گھر سے آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ سالار الفند کہاں چلے گئے ہیں۔ میں ایک عرصے سے یہاں جو کچھ دیکھ رہی ہوں وہ بتا دیتی ہوں لیکن میری جان کی حفاظت آپ کے ذمے ہوگی۔ اگر میں مر گئی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ خاوند مدت ہوئی مر گیا تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا وہ سوڈان کی لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ میں نے یہاں نوکری کر لی ہے۔ یہ لوگ مجھے غریب اور سیدھی سادی عورت سمجھتے رہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ شہید کی ماں اس ملک اور اس مذہب کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی جس کی خاطر اُس نے اپنا بیٹا شہید کرایا ہو...... اس گھر میں مشکوک سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک رات ایک آدمی کو اندر آتے دیکھا۔ وہ عربی لباس میں تھا اور اس کی داڑھی تھی۔ مجھے اندر بلا کر کہا گیا کہ میں شراب لانے کا انتظام کروں۔ شراب ایک نئی بیگم پلایا کرتی ہے جو مصری یا عربی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے دیکھا کہ داڑھی والا مہمان داڑھی اتار رہا تھا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں مصنوعی تھیں۔ اس سے پہلے بھی یہاں ایسے لوگ آتے رہے ہیں جن پر مجھے شک ہے کہ نیک نیت لوگ نہیں۔ میرے کانوں میں اس قسم کے الفاظ بھی پڑے ہیں ۔۔۔ آدھا مصر سوڈان کا...... مصر کی امارت...... ایک ہی رات میں کام ہو جائے گا ۔۔۔ سالار رات کو نکلے تھے۔ ان کے ساتھ وہ حبشی صورت آدمی تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ سالار نے محافظوں کے کمانڈر سے کچھ باتیں کی تھیں۔"

بوڑھی ملازمہ نے کچھ اور باتیں بتا کر علی بن سفیان پر یہ ثابت کر دیا کہ سالار الفند کو نہ اغوا کیا گیا ہے نہ قتل اور نہ ہی وہ کسی سرکاری ڈیوٹی پر گیا ہے۔ مصر میں تخریب کاری اور غداری اتنی زیادہ ہو گئی تھی اور ہو رہی تھی کہ کسی شریف انسان پر بھی شک نہ کرنا بہت بڑی لغزش تھی۔ الفند نے کبھی شک پیدا نہیں ہونے دیا تھا لیکن علی بن سفیان بال کی کھال اتارنے والا سراغرساں تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ کسی سالار کے رتبے کے آدمی کے گھر کی تلاشی کسی شہادت کے بغیر نہیں لے سکتا تھا۔ اُس کے لیے مصر کے قائم مقام سپریم کمانڈر العادل کی اجازت کی ضرورت تھی۔ اس نے فوری طور پر یہ کارروائی کی کہ اپنے محافظ کو بھیج کر اپنے شعبے کے تین چار سراغرساں بلا لیے اور انہیں الفند کے مکان پر نظر رکھنے کے لیے ادھر ادھر چھپا دیا۔ انہیں ہدایت یہ دی کہ کوئی مرد یا عورت مکان سے باہر آئے تو چوری چھپے اس کا تعاقب کیا جائے۔

باہر آ کر اُس نے باڈی گارڈ کے کمانڈر کو حکم دیا کہ اپنے اور تمام محافظوں کے ہتھیار اندر رکھ دو اور سب میرے ساتھ چلو۔ بارہ آدمیوں کی گارد کو نہتہ کر کے علی بن سفیان اپنے ساتھ لے گیا اور العادل کو تفصیلی رپورٹ دی۔ العادل نے اُسے الفند کے گھر پر چھاپہ مارنے کی اجازت دے دی۔۔۔۔ وقت ضائع کیے بغیر سپاہیوں کی ایک ٹولی بلائی گئی۔ اِدھر الفند کے گھر میں کوئی اور ہی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ علی بن سفیان جب وہاں سے نکلا تھا تو الفند کی ایک بیوی جو جوان تھی ملازمہ کو اپنے کمرے میں لے گئی اور اس سے پوچھا کہ علی بن سفیان نے اُس سے کیا پوچھا اور اس نے کیا بتایا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ وہ سالار کے متعلق پوچھ رہا تھا اور میں نے بتایا تھا کہ میں غریب سی ملازمہ ہوں مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔

"تمہیں بہت کچھ معلوم ہے"۔ بیگم نے اُسے کہا۔ "اور تم نے بہت کچھ بتایا ہے"۔

بڑھیا اپنی بات پر قائم رہی۔ بیگم نے ایک ملازم کو بلایا اور اُسے ساری بات بتا کر کہا۔ "اس نامراد بڑھیا کی زبان کھلوا۔ کہتی ہے میں نے کچھ نہیں بتایا"۔

ملازم نے بڑھیا کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور ایسا جھٹکا دیا کہ وہ چکرا کر گری۔ ملازم نے اس کی شہ رگ پر پاؤں رکھ کر دبایا۔ بڑھیا کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ ملازم نے دانت پیس کر کہا۔ "بتا اسے کیا بتایا ہے" — اس نے پاؤں اٹھا لیا۔

بڑھیا میں اٹھنے کی ہمت کم ہی رہ گئی تھی۔ وہ خاموش رہی۔ ملازم نے اس کی پسلیوں میں لات ماری۔ بڑھیا تڑپنے لگی۔ اس کے بعد ملازم نے اُسے طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر ادھ مؤا کر دیا۔ تب اس نے کہا۔ "جان سے مار ڈالو۔ اپنے شہید بیٹے کی روح کے ساتھ غداری نہیں کروں گی۔ تم غدار ہو۔ تم ایمان فروش کی بیکار بیوی ہو"۔

کوشش نہ کرے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں بتائے گا تو اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ اُس نے یہ کہہ کر وہ حکم کا پابند اور انعام واکرام کا طلبگار تھا، علی بن سفیان کو بتایا کہ الفند کا مسلسل رابطہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ تھا اور وہ انہی کے ساتھ گیا ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک گھریلو ملازم کو ایک سالار کے خفیہ پلان کا علم ہوتا۔ ملازم نے بتایا کہ الفند نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ بہت دنوں کے بعد آئے گا اور جب تک ممکن ہو سکے اس کی غیر حاضری کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرتے رہیں۔ ملازم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ الفند گیا کہاں ہے۔

نئی بیگم کو علی بن سفیان نے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ اپنے مخصوص تہ خانے میں بھیج دیا اور خود کچھ اور تفتیش کر کے اور الفند کے گھر پر پہرہ لگا کر اپنے دفتر میں چلا گیا جہاں الفند کے باڈی گارڈ نہتے بیٹھے تھے۔ ان سب کو علی بن سفیان نے کہا۔ "تم مصر اور شام کی متحدہ سلطنت کے فوجی ہو۔ کچھ چھپاؤ گے تو اس کی سزا موت ہے اور اگر تم نے حکم کی پابندی کرتے ہوئے سالار الفند کی سرگرمیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے تو شاید میں تمہیں کوئی سزا نہ دوں"۔

گارد کا کمانڈر بول پڑا۔ اس نے جو بیان دیا، اس سے اس کی تصدیق ہو گئی کہ الفند کے پاس صلیبی اور سوڈانی آتے تھے اور الفند غداری کا مرتکب ہو رہا تھا۔ انہیں بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ الفند گیا کہاں ہے۔



آدھی رات کے قریب علی بن سفیان تہ خانے میں گیا۔ الفند کی نئی بیگم تنگ سی ایک کوٹھڑی میں بند تھی۔ اُسے دہشت زدہ کرنے کے لیے اس کی کوٹھڑی میں ایک ایسے قیدی کو ڈال دیا گیا تھا جو مسلسل اذیتوں سے تڑپتا اور کراہتا تھا۔ وہ صلیبیوں کا جاسوس تھا۔ اپنے ساتھیوں کی نشاندہی نہیں کرتا تھا۔ نئی بیگم دو پہر سے اس کے ساتھ بند تھی اور اُسے تڑپتا دیکھ رہی تھی۔ اب آدھی رات ہو گئی تھی۔ وہ تو شہزادی تھی۔ تہ خانے اور کوٹھڑی کی صرف بدبو ہی اُسے پاگل کرنے کو کافی تھی۔ اس آدمی کی حالت دیکھ دیکھ کر اس کا خون خشک ہو گیا تھا۔ علی بن سفیان جب اس کے سامنے گیا تو لڑکی چیخنے چلانے لگی۔ اُسے باہر نکال کر علی بن سفیان ایک اور کوٹھڑی کے سامنے لے گیا۔ سلاخوں کے پیچھے تنگ سی کوٹھڑی میں ایک سیاہ کالا حبشی بند تھا۔ ہیبت ناک شکل اور جسم بھینسے جیسا۔ اس نے سرحدی دستے کے ایک کمانڈر کو قتل کیا تھا۔ علی بن سفیان نے لڑکی سے کہا کہ باقی رات اسے اس کے ساتھ بند کیا جائے گا۔ لڑکی چیخ کر علی بن سفیان کے پاؤں میں گر پڑی۔

"پوچھو مجھ سے کیا پوچھتے ہو"۔ — اُس نے علی بن سفیان کی ٹانگوں سے لپٹ کر کہا۔

"الفند کہاں گیا ہے؟ کیوں گیا ہے؟ اس کے ارادے کیا ہیں؟" — علی بن سفیان نے پوچھا۔ "اور اسے تہ خانے میں لے جا کر ختم کر دو"۔ بیگم نے کہا۔ "رات کو لاش غائب کر دینا۔ ہمارے سر سے ابھی خطرہ ٹلا نہیں۔ وہ ہمارے محافظوں کو نہتہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس بدبخت بڑھیا کو بہت کچھ معلوم ہے اسے اس راز سمیت زمین میں دبا دو"۔

بڑھیا فرش پر پڑی تھی۔ اس پر نیم غشی کی کیفیت طاری تھی۔ ملازم نے اُسے ہلکی سی گٹھڑی کی طرح اٹھا کر کندھے پر ڈال دیا۔ کمرے سے نکل کر وہ برآمدے میں جا رہا تھا کہ آواز آئی۔ "رک جاؤ"۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ سپاہی دوڑے آ رہے تھے۔ علی بن سفیان کے حکم پر وہ سب بکھر کر کمروں اور برآمدوں وغیرہ میں پھیل گئے۔ ملازم بھاگ نہ سکا۔ اس کے کندھے سے بڑھیا کو اتارا گیا۔ بڑھیا کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ علی بن سفیان کو دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا۔ "اس سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ تم آئے تو میرے شک پختہ ہو گئے کہ یہ تو گڑبڑ ہے"۔ اس کی آواز اکھڑ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے بتایا کہ نئی بیگم اور اس کے اُس ملازم نے اس سے یہ اگلوانے کے لیے کہ اس نے علی بن سفیان کو کیا بتایا ہے اُسے بہت مارا ہے۔

علی بن سفیان نے ایک سپاہی سے کہا کہ بڑھیا کو فوراً طبیب کے پاس لے جاؤ۔ بڑھیا نے روک دیا اور کہا۔ "مجھے کہیں نہ بھیجو۔ میں اپنے شہید بیٹے کے پاس جا رہی ہوں۔ مجھے نہ روکو"۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

الفند کے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا گیا۔ تہ خانے میں گئے تو یہ اسلحہ خانہ بنا ہوا تھا۔ گھر سے سونے کے ٹکڑوں اور نقدی کے انبار برآمد ہوئے۔ ایک مہر بھی برآمد ہوئی جس پر الفند کا پورا نام اور اس کے ساتھ "سلطانِ مصر" کندہ تھا۔ الفند کو اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ اس نے اپنے نام کی مہر بھی بنوالی تھی۔ اس مہر نے شکوک کو یقین میں بدل دیا۔ الفند کے گھر میں چھ بیویاں تھیں اور شراب کا ذخیرہ بھی تھا۔ الفند کے متعلق مشہور تھا کہ شراب نہیں پیتا۔ اب اس

کے گھر سے پتہ چلا کر رات کو پیا کرتا تھا۔ علی بن سفیان نے اس کی تمام بیویوں سے پوچھ گچھ کی تو کارآمد معلومات حاصل ہوئیں۔ اہم شہادت نئی بیگم کی تھی جس نے ملازم کے ہاتھوں بڑھیا کو مروا دیا تھا۔ باقی تمام بیویوں نے کہا کہ سارا راز نئی بیگم کے سینے میں ہے۔ اس کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی زبان مصری نہیں، سوڈانی ہے اور جب باہر کے آدمی آتے ہیں تو صرف یہی لڑکی اُن میں اٹھتی بیٹھتی اور ان کے ساتھ شراب پیتی ہے۔ ان بیویوں کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ انہیں اور کچھ بھی معلوم نہیں۔

نئی بیگم کو الگ کر لیا گیا۔ بڑھیا کو مارنے والے ملازم کو علی بن سفیان نے کہا کہ وہ اب کچھ چھپانے کی ... اس کے متعلق جو کچھ جانتی ہو بتا دو۔"

نازک سی لڑکی نے سب کچھ ہی بتا دیا۔ اُسے بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ القند کہاں گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ سوڈان سے حبشیوں کی فوج لائی جا رہی ہے جو کسی رات قاہرہ پر حملہ کر کے سارے مصر پر قابض ہو جائے گی۔ یہ لڑکی چونکہ شراب پلانے کا فرض ادا کرتی تھی، اس لیے القند کے گھر میں آئے ہوئے صلیبی اور سوڈانی مہمان اسے اپنا سمجھ کر اس کے سامنے بھی باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ لڑکی سوڈان کے کسی بڑے آدمی کی بیٹی تھی۔ اُسے القند کے لیے تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ القند نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ لڑکی بہت ہوشیار اور تیز تھی۔ وہ سوڈان کے مقصد کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس کے بتانے کے مطابق یہ سونا اور نقدی جو اس کے گھر سے برآمد ہوئی تھی، سوڈان سے آئی تھی۔ یہ جنگ کے اخراجات کے لیے اور مصری فوج سے غدار خریدنے کے لیے تھی۔ اس لڑکی کو اس مقام کا علم نہیں تھا جہاں حبشیوں کی بہت سی فوج آ چکی تھی، اُس نے بتایا کہ فوج کہیں دریا کے کنارے ہے اور اس کا حملہ شب خون کی قسم کا ہوگا۔

جس قدر معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں کر لی گئیں۔ علی بن سفیان نے العادل کو تفصیلی رپورٹ دی اور تجویز پیش کی کہ دو دو چار چار سپاہی دیکھ بھال کے لیے ہر طرف پھیلا دیئے جائیں جو یہ دیکھیں کہ سوڈانی فوج کا اجتماع کہاں ہے اور یہ بھی معلوم کیا جائے کہ حبشیوں کی فوج اگر واقعی اندر آ گئی ہے تو کدھر سے آئی ہے۔ اس نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ سلطان کو اطلاع نہ دی جائے کیونکہ وہ سوائے پریشان ہونے کے کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ العادل سلطان ایوبی کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ حالات زیادہ بگڑ سکتے ہیں۔ اس صورت میں سلطان ایوبی کی ضرورت پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مکمل رپورٹ لکھ کر ایک سینئر کمانڈر کو چار محافظوں کے ساتھ دی گئی اور اُسے یہ حکم دیا گیا کہ ہر چوکی پر گھوڑے تبدیل کریں اور کہیں رکیں نہیں۔

☆

میدانِ جنگ میں سلطان ایوبی کا ہیڈکوارٹر کسی ایک جگہ نہیں رہتا تھا۔ وہ دن کو کہیں اور رات کو کہیں اور ہوتا اور خود گھومتا پھرتا رہتا تھا لیکن اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اس تک پہنچتے دقت نہیں ہوتی تھی۔ جگہ جگہ راہنما موجود رہتے تھے جنہیں خبر پہنچا دی جاتی تھی کہ سلطان کہاں ہے۔ یہ ایک راز ہوتا تھا، اس لیے راہنما ذہین قسم کے افراد ہوتے تھے جس حل تین دنوں کی مسافت کے بعد پیغام لے جانے والا کمانڈر چار محافظوں کے ساتھ دمشق



پہنچا اس وقت سلطان ایوبی الرستان کے سلسلۂ کوہ میں تھا۔ سردی کا عروج تھا۔ کمانڈر اور اس کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ بھوک، نیند اور مسلسل سواری سے ان کے چہرے لاشوں کی طرح سوکھ گئے تھے، زبانیں باہر نکلی ہوئیں اور سر ڈول رہے تھے، پھر بھی وہ فوراً روانہ ہونے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ انہیں زبردستی کھلایا پلایا گیا اور وہ الرستان کے لیے روانہ ہو گئے۔

تریپولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ الملک الصالح کی مدد کے لیے آیا اور بغیر لڑے واپس چلا گیا تھا کیونکہ سلطان ایوبی نے آگے گھات لگائی اور عقب سے اس کی رسد روک لی تھی جنہیں بھی سلطان ایوبی کی فوج دیکھ کر ریمانڈ اپنی فوج کو کسی اور طرف سے نکال کر لے گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کا تعاقب مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس سے وقت اور طاقت ضائع ہوتی تھی۔ اس نے زیادہ نفری کے چھاپہ مار دستے ریمانڈ کی رسد کو پکڑ لانے یا دوسری صورت میں تباہ کر دینے کے لیے بھیج دیئے۔ موسم سرما کی بارشیں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ صلیبیوں کی رسد کا قافلہ بہت ہی بڑا تھا۔ رات کے وقت رسد کے محافظ گھوڑا گاڑیوں کے نیچے اور خیموں میں پڑے تھے۔ انہیں رسد واپس لے جانی تھی۔ اگلی صبح انہیں کوچ کرنا تھا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دن کے وقت پہاڑیوں اور چٹانوں کی اوٹ سے چند آنکھیں انہیں دیکھتی رہی تھیں۔ انہیں غالباً توقع تھی کہ اتنی سردی میں اور بارش کے دوران اُن پر کوئی حملہ کرنے نہیں آئے گا۔

رات کو اچانک اُن کے کیمپ کے ایک طرف شور اٹھا۔ شعلے بھی اٹھے۔ خیمے جل رہے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کا شب خون تھا۔ انہوں نے پہلے چھوٹی منجنیقوں سے آتش گیر مادے کی ہانڈیاں پھینکیں، پھر جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے تھے۔ شعلوں کی روشنی میں انہوں نے حملہ کر دیا۔ برچھیوں اور تلواروں سے بہت سے صلیبیوں کو ختم کر کے چھاپہ مار پہاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ کچھ دیر تک قریبی چٹانوں سے رسد کے کیمپ پر تیر برستے رہے۔ اس کے بعد چھاپہ ماروں کی دوسری پارٹی نے حملہ کیا۔ صبح تک ڈیڑھ دو میل علاقے میں پھیلے ہوئے کیمپ میں رسد رہ گئی تھی یا لاشیں رہ گئیں یا ایسے زخمی جو چلنے کے قابل نہیں تھے۔ بہت سے گھوڑوں کو صلیبی بھگا لے گئے تھے۔ بہت سے پیچھے بھی رہ گئے تھے۔ چھاپہ ماروں کے شب خونوں کے درمیانی وقفے میں صلیبی کچھ گھوڑا گاڑیاں نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے جو رسد اور گھوڑے رہ گئے وہ سلطان ایوبی کی فوج نے قبضے میں لے لیے۔

حلب کا محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اس اہم شہر کو ایک بار پھر محاصرے میں لینے کی سکیم بنا رہا تھا۔ دن کے وقت جب چھاپہ ماروں کا کمانڈر سلطان ایوبی کو گزشتہ رات کے شب خونوں کی رپورٹ دے رہا تھا، دربان خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے سلطان کو اطلاع دی کہ قاہرہ سے ایک کمانڈر پیغام لایا ہے۔ پیغام قاصد لایا لے جایا کرتے تھے۔ کمانڈر کا نام سن کر سلطان ایوبی دوڑ کر باہر آیا اور اُس کے منہ سے نکلا ۔۔۔ "خیریت؟..... تم کیوں آئے ہو؟"

"پیغام اہم ہے۔" کمانڈر نے کہا ۔۔۔ "خدائے ذوالجلال سے خیریت کی اُمید رکھنی چاہیے۔"

سلطان ایوبی نے پیغام لیا اور کمانڈر کو اندر لے گیا۔ اس نے پیغام پڑھا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔
"ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سوڈانیوں کی فوج مصر میں داخل ہو کر کہاں خیمہ زن ہوئی ہے؟" ـــــ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"دیکھ بھال کے دستے بھیج دیئے گئے ہیں" ـــــ کمانڈر نے جواب دیا۔

"مجھے توقع تھی کہ میری غیر حاضری میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی" ـــــ سلطان ایوبی نے کہا ـــــ "میرے بھائی (العادل) سے کہنا کہ گھبرائے نہیں۔ قاہرہ کے دفاع کو مضبوط کرے لیکن صرف دفاعی لڑائی نہ لڑے۔ زیادہ تر دستے اپنے پاس رکھے اور اُن میں سے جوابی حملے کے لیے تجربہ کار دستے الگ کرے لیکن انہیں شہر میں ہی رہنے دے۔ فوج کی کوئی نقل و حرکت نہ کرے تاکہ دشمن کو یہ اُمید رہے کہ وہ تمہیں بے خبری میں لے لے گا۔ ظاہر یہ کرتے رہنا کہ قاہرہ کی فوج کو علم نہیں کہ قاہرہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ شہر کو محاصرے میں نہ آنے دینا۔ اس سے پہلے ہی جوابی حملہ کر دینا۔ کوشش یہ کرو کہ دشمن کو حملے سے پہلے ہی ڈھونڈ لو۔ اگر پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہے تو زیادہ نفری سے حملہ نہ کرنا۔ شبخون مارنا۔ سرحدی دستوں کی نفری زیادہ کر دو تاکہ دشمن بھاگ کر نہ جا سکے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی فوج سرحد پار کس طرح کر آئی ہے۔ کسی نہ کسی سرحدی چوکی کی مدد یا کوتاہی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ دشمن رسد اور کمک کے بغیر نہیں لڑ سکے گا۔ سرحد کو مضبوطی سے بند کر دینا۔ لڑائی کو طول دینا تاکہ دشمن بھوک سے مرے۔ میں تمہیں عملاً بتا چکا ہوں کہ دشمن کو بکھیر کر کس طرح لڑا جاتا ہے۔ زیادہ نفری کے خلاف زیادہ نفری سے آمنے سامنے آ کر لڑنا قطعاً ضروری نہیں....

"مجھے توقع نہیں تھی کہ القند بھی غدار نکلے گا۔ پھر بھی میں حیران نہیں۔ ایمان کی نیلامی میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ بادشاہی کا صرف تصور ہی انسان کو ایمان سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اقتدار کا نشہ قرآن کو بند کر کے الگ رکھ دیتا ہے۔ مجھے افسوس القند پر نہیں، میں اسلام کے مستقبل کے متعلق پریشان ہوں۔ ہمارے بھائی صلیبیوں کے ہاتھوں فروخت ہوتے جا رہے ہیں۔ اِدھر میرے بھائی میرے خلاف لڑ رہے ہیں۔ میرا پیر و مُرشد نورالدین زنگی اس دنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ کل پرسوں ہم بھی اُٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہی سوال مجھے پریشان رکھتا ہے۔ کوشش کرنا کہ جب تک زندہ رہو اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے باخبر رکھنا۔"

اُس نے پیغام لانے والے کمانڈر کو بہت سی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

مصری فوج کے چند ایک دستوں کو دو دو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر کے بھیج دیا گیا کہ وہ گھوم پھر کر دشمن کے اجتماع کو ڈھونڈیں۔ اس دوران اس سرحدی چوکی سے جس کا کمانڈر زہرہ کے ساتھ لاپتہ ہو گیا تھا، ایک سپاہی نے قاہرہ آ کر رپورٹ دی کہ چوکی کا کمانڈر چند دنوں سے لاپتہ ہے۔ سپاہی نے یہ نہ بتایا کہ ان کی چوکی پر ناچ گانا ہُوا تھا اور ایک رقاصہ کمانڈر کے خیمے میں گئی تھی۔ اس اطلاع سے شک ہُوا کہ وہ دشمن کے ساتھ مل گیا ہے اور اسی کی مدد سے دشمن اندر آیا ہے۔ علی بن سفیان نے رائے دی کہ چونکہ وہ چوکی دریائی راستے کی نگرانی کے لیے ہے، اس لیے دشمن دریا کے راستے آیا ہوگا۔ فیصلہ ہُوا کہ کسی ذہین کمانڈر کو اس چوکی پر محافظوں کے ایک دستے کے ساتھ بھیجا جائے۔



چوکی کا کمانڈر اور زہرہ حبشیوں کے قبضے میں تھے لیکن قید ہوتے ہوئے بھی وہ قیدی نہیں تھے۔ انہیں جو لباس پہنایا گیا تھا وہ پرندوں کے رنگ برنگ پروں کا بنا ہُوا تھا۔ جس کمرے میں انہیں رکھا گیا تھا، اُسے پروں اور پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ انہیں خاص قسم کی غذا کھلائی جا رہی تھی۔ حبشیوں کے مذہبی پیشوا ان کے آگے سجدے کرتے اور کچھ بڑبڑا کر چلے جاتے تھے۔ کسی اور کو اُن کے قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک بار انہیں درختوں کی مضبوط ٹہنیوں اور پتوں کی بنی ہوئی پالکیوں پر اُٹھا کر دریا میں نہلانے کے لیے لے جایا گیا تھا۔ دونوں کو معلوم تھا کہ انہیں ذبح کیا جائے گا۔ رات کو وہ تنہا ہوتے تھے لیکن باہر آٹھ دس حبشی موجود رہتے تھے۔ کمانڈر نے کئی بار اُٹھ کر دیکھا تھا کہ فرار کی کوئی صورت بن سکتی ہے یا نہیں۔ فرار ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

ایک رات حبشیوں کے دو مذہبی پیشوا آئے۔ کمانڈر اور زہرہ سوئے ہوئے تھے۔ انہیں جگایا گیا۔ وہ سمجھے کہ اُن کی موت آن پہنچی ہے۔ مذہبی پیشواؤں نے اُن کے آگے سجدہ کیا اور دونوں کو باہر لے گئے۔ باہر پالکیاں رکھی تھیں۔ ایک پر کمانڈر اور دوسری پر زہرہ کو بٹھایا گیا۔ دو دو حبشیوں نے ایک ایک پالکی اٹھائی۔ مذہبی پیشوا آگے آگے چل پڑے۔ وہ دونوں مل کر کچھ گنگنانے لگے۔ پالکیوں کے پیچھے دو اور حبشی تھے جن کے پاس برچھیاں تھیں۔ وہ محافظ تھے۔ کمانڈر اور زہرہ خاموش تھے۔ پہاڑیوں سے نکل کر وہ لوگ دریا کی طرف چل پڑے۔ کمانڈر نے دیکھا کہ چاند اُفق سے نکل رہا تھا۔ اس سے اس نے اندازہ کیا کہ رات آدھی گزر گئی ہے۔ اس وقت سے پہلے چاند نہیں ہوتا تھا۔

دریا کے کنارے سے جا کر پالکیاں اتاری گئیں۔ مذہبی پیشوا آگے بڑھ کر کمانڈر اور زہرہ کا لباس اُتارنے لگے۔ چاند کی روشنی میں کمانڈر نے دیکھا کہ برچھیوں والے دونوں محافظ اور پالکیاں اٹھانے والے دونوں حبشی اُن کی طرف پیٹھ کر کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے شاید یہی حکم تھا۔ کمانڈر نے چیتے کی طرح جست لگائی اور ایک حبشی سے برچھی چھین لی۔ وہ تجربہ کار سپاہی تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر دوسرے حبشی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ اس حبشی کی برچھی گر پڑی۔ کمانڈر نے چلا کر کہا ـــــ "زہرہ بھاگ کر آؤ۔ یہ برچھی اٹھا لو" زہرہ دوڑی۔ کمانڈر نے گری ہوئی برچھی کو ٹھڈا مارا تو وہ زہرہ تک پہنچ گئی۔ کمانڈر نے کہا ـــــ "اب مرد بن جاؤ" ـــــ حبشیوں نے خالی ہاتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ برچھیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مذہبی پیشوا بھاگ اٹھے۔ کمانڈر نے انہیں دُور نہ جانے دیا۔ زہرہ بھی اُدھر کو ہی دوڑ پڑی۔ دونوں پیشوا ختم ہو گئے۔ باقی بھی مرنے سے پہلے زور زور سے کراہ اور چلا رہے تھے۔ کمانڈر کی برچھی نے سب کو خاموش کر دیا اور وہ چوکی کی طرف دوڑ پڑے۔ بہت آگے گئے تو انہیں دو گشتی سنتری گھوڑوں پر سوار آتے نظر آئے۔ کمانڈر نے انہیں پکار کر کہا کہ جلدی آگے آؤ۔

سنتریوں نے اپنے کمانڈر کو پہچان لیا۔ کمانڈر نے انہیں کہا ـــــ "گھوڑے ہمیں دو۔ ہم قاہرہ جا رہے

ہیں۔ تم دونوں واپس چوکی میں چلے جاؤ۔ اگر کوئی ہماری تلاش میں آئے تو کہنا کہ تم نے ہمیں نہیں دیکھا۔"

سپاہی پیدل واپس چلے گئے۔ کمانڈر نے زہرہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر زہرہ سے کہا کہ اگر تم نے کبھی گھوڑسواری نہیں کی تو گھبرانا نہیں۔ گھوڑا تمہیں گرائے گا نہیں۔ کمانڈر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑے اور اس کے ساتھ ہی زہرہ نے ڈر کے مارے چیخنا شروع کر دیا۔ کمانڈر نے گھوڑا روک لیا اور زہرہ کو اپنے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور دوسرے گھوڑے کی باگیں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر زہرہ سے کہا کہ وہ اس کی کمر کے گرد بازو ڈال لے۔

گھوڑا پھر دوڑ پڑا۔ کمانڈر پہاڑی خطے سے دور ہٹ کر اور چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ اسے سمت اور راستے کا علم تھا۔ وہ ابھی دو میل بھی نہیں گیا ہو گا کہ ایک طرف سے اُسے آواز سنائی دی ـــ "ٹھہر جاؤ۔ کون ہو؟" ـــ کمانڈر رکا نہیں۔ بیک وقت چار گھوڑے اس کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ کمانڈر نے اپنے گھوڑے کی رفتار اور تیز کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا گھوڑا تھک گیا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ دوسرے گھوڑے کو اپنے پہلو میں کر کے اُس پر سوار ہو جائے۔ وہ گھوڑا بغیر وزن کے بھاگ رہا تھا اس لیے زیادہ تھکا ہوا نہیں تھا مگر زہرہ کے ساتھ بھاگتے گھوڑے سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہونا ممکن نہیں تھا۔ چاند اوپر آ گیا تھا جس سے دور تک نظر آ سکتا تھا۔ چاروں گھوڑے بہت قریب آ گئے تھے۔

دو تیر آئے جو کمانڈر کے قریب سے گزر گئے۔ اُن کے ساتھ آواز آئی ـــ "اگر نہ رکے تو اب تیر کھوپڑی میں اُتر جائیں گے۔"

کمانڈر کو معلوم تھا کہ رُکنا تو بھی موت ہے۔ یہ لوگ حبشیوں کے حوالے کر کے آج ہی رات ذبح کر دیں گے۔ جاگتے رہنے میں بچ نکلنے کی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھما گھما کر دوڑانا شروع کر دیا تاکہ تیر نشانے پر نہ آئیں۔ یہ اُس کی غلطی تھی۔ اُس کے تعاقب میں آنے والے سیدھے آ رہے تھے جس سے فاصلہ کم ہو گیا اور وہ گھیرے میں آ گیا۔ اس کے جسم پر پیرول کا لباس تھا جس سے وہ پرندہ لگتا تھا۔ یہی حالت زہرہ کی تھی۔ کمانڈر نے ان چاروں کو دیکھا تو اُسے کچھ شک ہوا۔ اُن میں سے ایک نے پوچھا ـــ "تم کون ہو؟ یہ لڑکی کون ہے؟" ـــ دوسرے نے کہا ـــ "پوچھتے کیا ہو، سوڈانی ہے یہ۔ دیکھو تو انہوں نے بہروپ کیا رکھا ہے۔"

کمانڈر ہنس پڑا اور بولا ـــ "میرے دوستو، میں تمہاری فوج ایک کمانڈر ہوں" ـــ اس نے زہرہ کا تعارف کرایا اور ساری واردات سنائی۔

یہ چار سوار دیکھ بھال کے کسی دستے کے تھے۔ وہ یہی دیکھتے پھر رہے تھے کہ سوڈان کی فوج کہاں ہے اور کہیں سے بھی پا نہیں۔ وہ کمانڈر اور زہرہ کو ساتھ لے کر قاہرہ کی سمت چل پڑے۔

☆

بڑی ہی لمبی مسافت طے کر کے وہ اگلی رات قاہرہ پہنچے۔ انہیں سب سے پہلے علی بن سفیان کے پاس لے جایا گیا اور رات کو ہی العادل کو جگا کر بتایا گیا کہ چار ہزار سے زیادہ حبشی فوج فلاں جگہ چھپی ہوئی ہے اور



اس کی قیادت سالار القند کر رہا ہے۔ العادل نے اسی وقت اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان ایوبی کے طریقۂ جنگ کے مطابق اس نے ہراول میں سوار دستے رکھے، جن کی نفری خاصی تھوڑی تھی۔ دو دستے پہلوؤں میں پیچھے رکھے۔ درمیان میں اپنا ہیڈ کوارٹر اور اپنے پیچھے زیادہ سے زیادہ دستے ریزرو میں رکھے۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ خطہ پہاڑی ہے۔ اس نے فوج کو تکلے کا محاصرہ کرنے کی ترتیب میں رکھا اور کمانڈروں کو وہ جگہ سمجھا کر محاصرے کی ہی ہدایات دیں۔ پہاڑیوں پر چڑھنے کے لیے اس نے چھاپہ مار دستے الگ کر لیے جنہیں اس نے اپنی کمان میں رکھا۔

اُدھر صبح کے وقت کسی نے دیکھا کہ مذہبی پیشواؤں اور چار حبشیوں کی لاشیں دریا کے کنارے پڑی ہیں۔ القند اور اس کے صلیبی مشیروں کو اطلاع دی گئی۔ کسی حبشی کو پتہ نہ چلنے دیا گیا۔ القند کو یہ بھی بتایا گیا کہ جس مرد اور عورت کو قربانی کے لیے رکھا گیا تھا وہ لاپتہ ہیں۔ تب القند نے پوچھا کہ وہ آدمی کون تھا۔ اُسے جب بتایا گیا کہ وہ اس قریبی چوکی کا کمانڈر تھا تو وہ چونکا۔ اُسے یاد آ گیا کہ اس کمانڈر نے اُسے دیکھا تھا۔

"وہ سیدھا قاہرہ گیا ہو گا" ـــ القند نے کہا ـــ "اُسے چوکی میں جا کر دیکھنا اور پکڑنا بیکار ہے۔ اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہم قاہرہ پر بے خبری میں قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے وقت ضائع کیا۔ اب ہم بے خبری میں مارے جائیں گے۔ میں اپنی فوج کو جانتا ہوں۔ خبر ملتے ہی اُڑ کر پہنچے گی ..... اور ایک کام فوراً کرو۔ حبشیوں کی لاشیں دریا میں بہا دو۔ اگر ان حبشیوں کو پتہ چل گیا کہ ان کے مذہبی پیشوا اور ان کے محافظ مارے گئے اور جنہیں قربان کرنا تھا وہ بھاگ گئے ہیں تو یہ ہجوم قاہرہ کی بجائے خرطوم کی طرف چل پڑے گا۔"

فوراً ہی اعلان کر دیا گیا کہ دریا کے کنارے قربانی دے دی گئی ہے۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ بیرے دشمنوں پر فوراً حملہ کر دو ..... ان کے جو کمانڈر مقرر کیے گئے تھے انہوں نے حبشیوں کو تعداد کے مطابق الگ الگ کر لیا۔ تیر انداز الگ ہو گئے۔ جنگی سکیم کے مطابق انہیں ترتیب میں کر لیا گیا۔ انہیں پہاڑیوں کے اندر سے نکال کر دریا کے کنارے اُس جگہ کے قریب سے گزارا گیا جہاں حبشیوں کا خون بکھرا ہوا تھا اور پالکیاں پڑی تھیں۔ وہاں ایک آدمی کھڑا اعلان کر رہا تھا ـــ "یہ خون اُس مرد اور عورت کا ہے جنہیں قربان کیا گیا ہے۔"

یہ فوج دریا کے کنارے قاہرہ کی سمت روانہ ہوئی۔ حبشی جنگی ترانہ گاتے جا رہے تھے۔ دن چلتے گزر گیا رات آئی تو پڑاؤ کیا گیا۔ اگلی صبح پھر کوچ ہوا۔ پہاڑی خطہ بہت پیچھے رہ گیا۔ یہ دن بھی گزر گیا۔ اور ایک اور رات آئی۔ حبشیوں کو پڑاؤ کرنے کو کہا گیا۔ وہ کھلے صحرا میں بکھر گئے اور بے سُدھ سو گئے ـــ آدھی رات کے وقت اُن کے پچھلے حصے پر العادل کے ایک چھاپہ مار گروہ نے شبخون مارا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے اور غائب ہو گئے۔ حبشیوں میں ہڑبونگ مچ گئی۔ بہت دیر بعد ایسا ہی ایک اور ریلا آیا جو بہت سے حبشیوں کو روندتا کچلتا نکل گیا۔ القند سب سے آگے تھا۔ اُسے اطلاع ملی تو اس نے اگلے روز کی پیش قدمی روک دی۔

"یہ شبخون بتاتے ہیں کہ ہم مصری فوج کی نظر میں آ گئے ہیں" اس نے صلیبی اور سوڈانی کمانڈروں سے کہا۔
"یہ صلاح الدین ایوبی کا خصوصی طریقۂ جنگ ہے۔ ہم اب آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تم ہزار جتن کرو مصری فوج سے

تم کھلے صحرا میں نہیں لڑ سکتے اور اب تم بھاگ بھی نہیں سکتے۔ اب پیچھے چلو اور پہاڑیوں میں لڑو۔ ہمارا تمام تر منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ قاہرہ والے نہ صرف بیدار ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے فوج بھیج دی ہے۔"

"کیا ہم صحرا میں مصری فوج کو ڈھونڈ کر اس سے لڑ نہیں سکتے؟" ایک صلیبی نے کہا۔

"اگر تم لوگ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو سامنے لا کر لڑا سکتے تو آج مصر تمہارا ہوتا۔" القند نے کہا۔ "میں اسی فوج کا سالار ہوں۔ تم مجھ سے بہتر نہیں سمجھتے کہ اس فوج سے کیسے لڑنا ہے۔"

☆

سحر کے وقت حبشیوں کی فوج واپس چل پڑی۔ ہر طرف حبشیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ القند ٹھیک کہتا تھا کہ اس کی فوج مصری فوج کی نظر میں آ گئی ہے۔ مصری فوج کا دیکھ بھال کا انتظام القند کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ وہ حبشیوں کی فوج کو پیچھے لے چلا تو العادل فوراً سمجھ گیا کہ القند پہاڑیوں میں لڑنا چاہتا ہے۔ اس نے اسی وقت سوار تیرانداز دستے دُور کے راستے سے پہاڑی خطّے کی طرف روانہ کر دیئے۔ پیادہ دستے بھی بھیجے گئے اور اُس نے زیادہ تر دستے اپنے پاس روک کے رکھے۔ ان دستوں کے ساتھ وہ حبشی فوج سے بہت فاصلہ رکھ کر تعاقب میں پیچھے چل پڑا۔

راستے میں رات آئی۔ حبشیوں کا پڑاؤ ہوا۔ رات کو العادل کے چھاپہ مار دستے حرکت میں آ گئے۔ حبشیوں کے ایک جیش کو بیدار رکھا گیا تھا۔ یہ تیرانداز تھے۔ انہوں نے بہت تیر چلائے جن سے کچھ سوار چھاپہ مار شہید ہوئے لیکن وہ جو نقصان کر گئے وہ بہت زیادہ تھا۔ سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ حبشیوں کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو گیا تھا۔ وہ کچھ اور سہم گئے تھے۔ وہ آمنے سامنے لڑنے کے عادی تھے مگر یہاں دشمن انہیں نظر ہی نہیں آتا تھا اور تباہی بپا کر جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

اگلے دن حبشیوں نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھیں اور پیچھے کو چل پڑے ..... سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی جب وہ پہاڑی خطّے میں داخل ہوئے لیکن اب انہیں پہلے کی طرح ایک جگہ جمع نہیں کرنا تھا، بلکہ پہاڑیوں کے اوپر، نیچے اور وادیوں میں لڑنے کی ترتیب میں رکھنا تھا۔ اُن کی آدھی نفری پہاڑیوں میں پہنچ چکی تھی جب اُن پر بلندیوں سے تیر برسنے لگے۔ العادل کے برق رفتار دستے پہلے ہی وہاں پہنچ کر مورچہ بند ہو گئے تھے۔ حبشیوں کے کمانڈروں نے چیخ چلّا کر انہیں اوٹ میں کیا اور تیراندازی کا حکم دیا۔ باقی نصف فوج ابھی باہر تھی۔ اُسے پیچھے ہٹایا گیا۔ القند نے اس نفری کو پہاڑیوں پر چڑھا کر آگے جانے اور اوپر سے تیر چلانے کی چال چلی مگر حبشی ابھی پہاڑیوں پر چڑھنے ہی والے تھے کہ اِدھر سے العادل کی فوج جو اُن کے تعاقب میں آ رہی تھی پہنچ گئی۔

حبشیوں کی خاصی نفری بلندیوں پر جانے میں کامیاب ہو گئی۔ جہاں سے حبشیوں نے نہایت کارگر تیراندازی کی۔ العادل کو نقصان اٹھانا پڑا مگر اس کی سکیم اچھی تھی۔ اس نے اِدھر سے دستے پیچھے ہٹا لیے۔ اس کی پہلی ہدایات کے مطابق دوسری طرف سے تیرانداز اور دیگر دستے پہاڑی خطّے کی بلندیوں پر جا رہے تھے۔ سوار دستوں میں سے ایک کو دریا کے کنارے بھیج دیا گیا۔



اسوان کے اس سلسلۂ کوہ میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ وادیوں اور بلندیوں پر تیر برس رہے تھے۔ پھر سوار دستوں کو وادیوں میں ہلّہ بولنے کا حکم ملا۔ رات کو حبشی تو دبک گئے لیکن العادل نے منجنیقوں کے دستوں کو حکم دیا کہ وہ جگہ جگہ آتش گیر مادے کی ہانڈیاں پھینک کر آگ کے گولے پھینکیں۔ تھوڑی دیر بعد پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر آگ کے شعلے اُٹھے اور ہر طرف روشنی ہو گئی۔ اس روشنی میں رات کو بھی معرکہ جاری رہا۔ صبح کے وقت حبشی خاموش ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ زمین دوز خلاؤں میں چلے گئے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔

دن کے وقت القند کی لاش مل گئی۔ وہ کسی کے تیر سے یا تلوار سے نہیں اپنی تلوار سے مرا تھا۔ اُس کی اپنی تلوار اس کے دل کے مقام پر اُتری ہوئی تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ چند ایک صلیبی اور سوڈانی کمانڈر زندہ پکڑے گئے اور حبشی جنگی قیدیوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

العادل نے وہیں سے قاصد کو سلطان ایوبی کے نام کامیابی کا پیغام دے کر روانہ کر دیا اور اُسے حکم دیا کہ بہت جلدی سلطان تک پہنچو۔ وہ بہت پریشان ہوں گے۔ ☆ ☆

# یہ چراغ لہو مانگتے ہیں

عالمِ اسلام کے اُسی خطے میں جہاں آج شامی مسلمان لبنانی صلیبیوں کے ساتھ مل کر فلسطینی حریت پسندوں کو پوری جنگی قوت سے کچل رہے ہیں، وہیں آٹھ سو سال پہلے بہت سے سلطان امراء اور حاکم اور سلطان زنگی مرحوم کا نو عمر بیٹا صلیبیوں سے مدد لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا تھا۔ اُس وقت فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا اور سلطان ایوبی قبلۂ اوّل کے اس خطے کو کفار سے آزاد کرانے کا عزم لے کر نکلا تھا۔ صلیبی اُس سے فلسطین کو نہیں بچا سکتے تھے مگر مسلمان ہی اُس کے راستے میں حائل ہو گئے۔ آج بھی فلسطین پر کفار کا قبضہ ہے اور فلسطینی حریت پسند جو قبلۂ اوّل کو آزاد کرانے کے لیے اُٹھے تھے شامی مسلمانوں کی توپوں اور ٹینکوں سے بھسم کیے جا رہے ہیں۔

مارچ ۱۱۷۵ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی اسی خطے کے الرستان سلسلۂ کوہ میں کسی جگہ اپنے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا اپنے مشیروں اور کمانڈروں کے ساتھ اگلے اقدام کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اُس نے حلب کا محاصرہ اس لیے اُٹھا لیا تھا کہ ملک الصالح نے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کے ساتھ جو جنگی معاہدہ کیا تھا، اس کے مطابق ریمانڈ سلطان ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے آ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے بروقت محاصرہ اٹھا لیا اور ایسی چال چلی کہ ریمانڈ کی فوج کے عقب میں چلا گیا اور ریمانڈ نے لڑے بغیر بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔ حلب مسلمانوں کا شہر تھا جو سلطان ایوبی کے دشمن مسلمان امراء اور الملک الصالح کا جنگی مرکز بن گیا تھا۔ حلب کے مسلمانوں نے خلیفہ اور امراء کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سلطان ایوبی کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا۔

وہ حلب پر ایک بار پھر حملہ کر کے غداروں اور ایمان فروشوں کے اس مرکز کو ختم کرنے کی سکیم بنا رہا تھا کہ اُسے مصر سے اطلاع ملی کہ مصر میں اُس کے ایک جرنیل القند نے صلیبیوں کی مدد سے سوڈانی حبشیوں کی فوج اس مقصد کے لیے تیار کر لی ہے کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصر پر حملہ کیا جائے اور مصر کی امارت سلطان ایوبی سے چھین لی جائے لیکن سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے حبشیوں کو اسوان کے مقام پر شکست دی اور القند نے خودکشی کر لی۔ اس کی اطلاع ابھی سلطان ایوبی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے وہ الرستان میں پریشان بیٹھا تھا۔

عظمتِ اسلام کا یہ پاسبان ہر طرف سے خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ کئی ایک مسلمان امراء کی فوجیں اُس کے خلاف

متحد تھیں اور صلیبیوں کا خطرہ الگ تھا۔ ان سب کے مقابلے میں سلطان ایوبی کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ اُس نے ایسا اقدام کر دکھایا تھا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اُس کے دشمنوں کو یہ توقع تھی کہ اس پہاڑی خطے میں سردیوں میں کوئی جنگ کی سوچ ہی نہیں سکتا۔ چاٹیاں جو بلند تھیں وہاں برف بھی پڑتی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو ٹریننگ دے کر اُس وقت حملہ کیا جب سردی عروج پہ تھی۔ اس دلیرانہ اور غیر متوقع اقدام سے اُس نے قلیل فوج سے سب کو خوفزدہ کر دیا اور ایسی پوزیشن حاصل کر لی کہ دشمن کی کسی بھی فوج کو اپنی پسند کی جگہ گھسیٹ کر لڑا سکتا تھا۔ اُس کی فوج اتنی تھوڑی تھی کہ اُسے کبھی کبھی ناکامی کا خطرہ بھی محسوس ہونے لگتا تھا لیکن سبھی اُس سے ڈر رہے تھے۔ اُسے یہ ڈر تھا کہ ریجنالڈ سیکیم اور راستہ بدل کر اُس پہ حملہ کرے گا لیکن ریجنالڈ کی حالت یہ تھی کہ اُس نے اپنے علاقے تریپولی کا دفاع اس ڈر سے مضبوط کر لیا تھا کہ سلطان ایوبی حملہ کرے گا۔

سلطان ایوبی نے جس طرح اُسے بھگایا تھا اس سے سلطان اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتا تھا کہ صلیبیوں کا تعاقب کرتا مگر فوج کی قلت نے اُسے آگے نہ جانے دیا اور بڑی وجہ یہ تھی کہ مصر میں القند کی بغاوت نے اُسے روک دیا تھا۔ اُسے خطرہ نظر آ رہا تھا کہ مصر کے حالات بگڑ جائیں گے۔ اُس صورت میں اُسے مصر چلے جانا تھا۔ وہ اس صورتِ حال سے ڈرتا تھا۔ اگر اُسے مصر جانا پڑتا تو سلطان اُمرا، عالم اسلام کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے۔ اس کا دارومدار اس پر تھا کہ مصر سے اُسے کیا اطلاع ملتی ہے۔

اپنے مشیروں اور کمانڈروں سے وہ مصر کے متعلق ہی پریشانی کا اظہار کر رہا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ قاہرہ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے بادشاہوں کی طرح یہ نہ کہا کہ اُسے اندر بھیج دو۔ وہ اٹھا اور دوڑتا خیمے سے باہر نکل گیا۔ قاصد لمبے سفر کی تھکن سے چور گھوڑے سے اُتر کر خیمے کی طرف آ رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے گھبراہٹ کے لہجے میں پوچھا — "کوئی اچھی خبر لائے ہو؟"

"بہت اچھی سلطانِ عالی مقام!" اس نے جواب دیا۔ "محترم العادل نے حبشیوں کے لشکر کو اسوان کی پہاڑیوں میں ایسی شکست دی ہے کہ اب سوڈان کی طرف سے لمبے عرصے تک کوئی خطرہ نہیں رہا۔"

سلطان ایوبی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ خیمے سے دوسرے لوگ بھی باہر آ گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں یہ خوشخبری سنائی اور قاصد کو خیمے میں لے گیا۔ اُس کے لیے کھانا وہیں لانے کو کہا اور اُس سے اسوان کے معرکے کی تفصیل سُن کر پوچھا۔ "اپنی فوج کی شہادت کتنی ہے؟"

"تین سو ستائیس شہید۔" قاصد نے جواب دیا۔ "پانچ سو سے کچھ زیادہ زخمی۔ دشمن کا تمام تر جنگی سامان ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ ایک ہزار دو سو دس حبشی قیدی پکڑے ہیں۔ صلیبی اور سوڈانی سردار اور کمانڈر جو قید کیے گئے ہیں الگ ہیں۔" قاصد نے پوچھا۔ "محترم العادل نے پوچھا ہے کہ قیدیوں کے متعلق کیا حکم ہے؟"

"صلیبی اور سوڈانی سالاروں اور کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دو۔" سلطان ایوبی نے کہا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا۔ "اور وہ جو ایک ہزار اور کچھ حبشی قیدی ہیں انہیں اسوان کی پہاڑیوں میں لے جاؤ۔ وہ جن غاروں میں چھپے تھے وہ ان سے پتھروں سے بھرواؤ۔ وہاں فرعونوں کے جو زمین دوز محل ہیں نہیں



بھی پتھروں سے بھروا دو۔ یہ کام ان حبشیوں سے کرواؤ۔ اگر پہاڑ کھودنے پڑیں تو ان حبشیوں سے کھدواؤ۔ وہاں کوئی غار اور پہاڑوں کے اندر کوئی محل نہ رہے۔ العادل سے کہنا کہ قیدیوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرے اور ان سے اتنا کام لینا جتنا ایک انسان کر سکتا ہے۔ کوئی قیدی بھوکا اور پیاسا نہ رہے اور کسی پر صرف اس لیے تشدد نہ ہو کہ وہ قیدی ہے۔ وہیں اسوان کے قریب کھلا قید خانہ بنا لو اور کھانے کا انتظام وہیں کرو۔ اس کام میں کئی سال لگیں گے۔ اگر تمہارے سامنے کوئی اور کام ہو تو وہ ان قیدیوں سے کراؤ اور اگر سوڈانی اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کریں تو مجھے اطلاع دینا۔ میں خود اُن کے ساتھ سودا کروں گا۔"

اس پیغام کے بعد سلطان ایوبی نے قاصد سے کہا۔ "العادل سے کہنا کہ مجھے کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اپنی ضرورت کا بھی خیال رکھنا۔ بھرتی اور تیز کر دو۔ جنگی مشقیں ہر وقت جاری رکھو۔ جاسوسی کا جال اور زیادہ پھیلا دو۔ اگر القند جیسا قابلِ اعتماد سالار غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے تو تم بھی غلط ہو سکتے ہو اور میں بھی۔ اب کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ علی بن سفیان سے کہنا کہ اور تیز اور چوکنا ہو جائے۔"

☆

"مصر سے کمک آنے تک میں کوئی بڑی جارحانہ کارروائی نہ کروں تو بہتر ہوگا۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصد کو واپس روانہ کر کے اپنے سالاروں وغیرہ سے کہا۔ "ابھی ہم ان کامیابیوں کے دفاع میں رہیں گے جو ہم حاصل کر چکے ہیں۔ اپنی موجودہ صورتِ حال پر ایک نظر ڈالو۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا اپنا بھائی ہے۔ تمہارے طاقتور دشمن تین ہیں۔ حلب میں الملک الصالح بیٹھا ہے۔ دوسرا اس کا قلعہ دار گمشتگین ہے جو حران میں فوج تیار کیے بیٹھا ہے۔ اور تیسرا سیف الدین ہے جو موصل کا حاکم ہے۔ یہ تینوں فوجیں اکٹھی ہو گئیں تو ہمارے لیے ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوگا۔ ریجنالڈ کو تم نے پسپا کر دیا ہے لیکن وہ اس انتظار میں ہے کہ مسلمان فوجیں آپس میں اُلجھ جائیں تو وہ ہمارے عقب میں آ جائے۔ میں محصور ہو کر بھی لڑ سکتا ہوں لیکن لڑنا چاہوں گا نہیں۔"

"کیا ایک کوشش اور نہ کی جائے کہ ملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کو اسلام اور قرآن کا واسطہ دے کر راہِ راست پر لایا جائے؟" ایک سالار نے کہا۔

"نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "جو لوگ اپنے دل اور دماغ حق کی آواز کے لیے سر بمہر کر لیا کرتے ہیں، وہ خدا کے قہر اور عذاب کے بغیر اپنے دل اور دماغ نہیں کھولا کرتے۔ کیا میں کوشش کر نہیں چکا؟ اس کے جواب میں مجھے دھمکیاں ملیں۔ اگر اب میں صلح اور سمجھوتے کے لیے ایلچی بھیجوں گا تو وہ لوگ کہیں گے کہ صلاح الدین لڑنے سے گھبراتا اور ڈرتا ہے۔ اب میں اُن پر خدا کا وہ عذاب اور قہر بن کر گرنا چاہتا ہوں جو اُن کے دل اور دماغ کی مہریں توڑ دے گا۔ یہ قہر تم ہو اور تمہاری فوج۔" اُس نے آہ بھری اور کہا۔ "تم نے حلب کا محاصرہ کیا تو حلب کے مسلمان جس دلیری سے لڑے وہ تم کبھی نہیں بھولو گے۔ وہ بے شک ہمارے خلاف لڑے لیکن میں اُن کی تعریف کرتا ہوں۔ ایسی بے جگری سے صرف مسلمان لڑ سکتا ہے۔ کاش یہ جذبہ اور یہ طاقت اسلام کے لیے استعمال ہوتی۔ تم جانتے ہو کہ میں بادشاہ نہیں بننا چاہتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ عالم اسلام متحد ہو اور یہ قوت جو بکھر گئی ہے مرکز ہو کر صلیبی عزائم

کے خلاف استعمال ہو اور فلسطین آزاد کرا کے ہم سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع کریں۔"

"ہم مایوس نہیں۔" ایک سالار نے کہا۔ "نئی بھرتی آ رہی ہے۔ اس علاقے نے جوان خاصی تعداد میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ مصر سے بھی کمک آ رہی ہے۔ ہم آپ کی ہر توقع پوری کریں گے۔"

"لیکن میں کب تک زندہ رہوں گا؟" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم کب تک زندہ رہو گے؟ ابلیسی قوتیں زور پکڑ رہی ہیں۔ اُن کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ میرے وہ عزیز دوست جن پر مجھے بھروسہ اور اعتماد تھا صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیلے اور میرے ہاتھوں قتل ہوئے۔ القند تمہارے ساتھ کا معتمد سالار تھا۔ کیا تم سُن کر حیران نہیں ہوئے کہ القند نے سوڈان سے حبشیوں کی فوج بلائی اور مصر پر قابض ہونے کی کوشش کی؟ اُس نے مجھ پر یہ کرم کیا ہے کہ شکست کھا کر اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لی ہے۔ میں نے اُسے سزائے موت نہیں دی۔ حکومت کا نشہ، دولت اور عورت اچھے اچھے انسانوں کو اندھا کر دیتی ہیں۔ ایمان میں کیا رکھا ہے؟ ایمان سونے کی طرح چمکتا نہیں، عورت کی طرح عیاشی کا ذریعہ نہیں بنتا اور ایمان بادشاہ اور فرعون نہیں بننے دیتا۔ ایک بار روح کے دروازے بند کر لو تو ایمان بیکار شے بن جاتا ہے، پھر عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں....

"سپین سے تمہارا پرچم کیوں اُترا؟ تاریخ کہتی ہے کہ یہ کفار کی سازش کا نتیجہ تھا مگر اُن کی سازشیں کیوں کامیاب ہوئیں؟ کیونکہ خود مسلمانوں نے اپنے آپ کو کفار کا آلۂ کار بنایا اور اُجرت وصول کی۔ سپین اُن کا تھا جنہوں نے سمندر پار جا کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں تاکہ واپسی کا خیال ہی دل سے نکل جائے۔ سپین کی قیمت وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ قیمت دی تھی۔ سپین شہیدوں کا تھا۔ یہ ہوتا آیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہی ہوتا چلا جائے گا کہ خون کے نذرانے دے کر ملک حاصل کرنے والے دُنیا سے اُٹھ جاتے ہیں تو وہ لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں جن کے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا۔ انہیں چونکہ ملک مفت ہاتھ آ جاتا ہے اس لیے اسے وہ عیاشی کا ذریعہ بناتے ہیں اور اپنے تخت و تاج کی سلامتی کے لیے دین و ایمان والوں اور دل میں قوم کا درد رکھنے والوں کی زبانیں بند کرتے اور اُن کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ انہیں افلاس اور فاقوں کی چکی میں پیس کر اُن کے جذبوں کو ختم کر دیتے ہیں....

"سپین میں یہی ہوا۔ کفار نے ہمارے بادشاہوں کو زر و جواہرات اور یورپ کی حسین لڑکیوں سے اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہیں انہی کی فوج کے خلاف کیا۔ مجاہدین کو مجرم بنایا اور سپین کی اسلامی مملکت کو دیمک کھا گئی۔ ہمارے رسولِ اکرمؐ کے پروانوں نے لہو کے چراغ جلا کر آدھی دُنیا کو حق کی آواز سے منور کیا۔ کہاں ہیں وہ چراغ؟ ایک ایک کر کے بجھتے جا رہے ہیں۔ یہ چراغ لہو مانگتے ہیں مگر لہو دینے والے صلیبیوں کی شراب اور عورت کے طلسم میں گم ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ سلطنت مفت ہاتھ آئی ہے۔ وہ اُن شہیدوں کو بھول چکے ہیں جن کے خون کے عوض خدا نے قوم کو یہ سلطنت عطا کی تھی اور خدا نے یہ سلطنت بادشاہیاں قائم کرنے اور عیاشی کے لیے عطا نہیں کی تھی، بلکہ اس لیے کہ اسے مرکز بنا کر اسلام کا نور ساری دُنیا میں پھیلایا جائے اور بنی نوع انسان کو شر کی قوتوں سے نجات دلائی جائے مگر شر کا جادو چل گیا اور آج جب قبلۂ اوّل پر کفار کا قبضہ ہے، ہم ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔"

"کافر سے پہلے غدار کا قتل ضروری ہے۔" ایک مشیر نے کہا۔ "اگر ہم حق پر ہیں تو ہم ناکام نہیں ہوں گے۔"



"مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ خطہ خون میں ہی ڈوبا رہے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "حکومت شاید مسلمانوں کی ہی رہے مگر اُن کے دلوں پر صلیبیوں کی حکمرانی ہوگی۔"

☆

جنگی نقطۂ نگاہ سے سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو ایسی پوزیشنوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ کسی بھی ایسے قلعے پر جو وہ فتح کر چکا تھا دشمن براہِ راست حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان قلعوں میں اُس نے مختصر سی نفری رکھی تھی کیونکہ وہ قلعہ بند ہو کر لڑنے کا قائل نہیں تھا۔ پہاڑی علاقہ تھا۔ اس نے تمام راستوں اور وادیوں کی بلندیوں پر تیر انداز بٹھا دیئے تھے۔ جو راستے تنگ تھے اُن کے اوپر پہاڑیوں پر اُس نے بہت بڑے بڑے پتھر رکھ کر کچھ آدمی بٹھا دیئے تھے، تاکہ دشمن گزرے تو اوپر سے پتھر لڑھکا دیئے جائیں۔ دمشق سے آنے والے راستے کو اُس نے کمانڈو قسم کے گشتی دستوں سے محفوظ کر رکھا تھا تاکہ رسد دشمن سے محفوظ رہے۔ ایک جگہ ایسی تھی جسے "حماۃ کے سینگ" کہا جاتا تھا۔ یہ ایک وسیع وادی تھی جس میں ایک ٹیکری جو خاصی بلند تھی آگے جا کر سینگوں کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اُسے سلطان ایوبی نے پھندے کی حیثیت دے رکھی تھی۔ اُس نے اپنے سالاروں کو تکنیکی لحاظ سے سمجھا دیا تھا کہ دشمن باہر آ کر لڑا تو اُسے اس وادی میں گھسیٹ کر لڑایا جائے گا۔

سلطان ایوبی نے تمام علاقے میں ایسی جگہوں پر پوزیشنیں قائم کر لی تھیں جن سے وہ دشمن کو کسی بھی جگہ لڑنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اس اہتمام کے علاوہ اُس کے چھاپہ مار جوان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں دُور دُور تک گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ جاسوسی (انٹیلی جنس) کا انتظام ایسا تھا کہ دشمن کے قلعوں کے اندر بھی سلطان ایوبی کے جاسوس موجود تھے جو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ اُسے یہاں تک معلوم ہو گیا تھا کہ سلطانی کے نام نہاد دعویدار الملک الصالح نے اپنے گورنر (حران کے قلعہ دار) گمشتگین کو اور موصل کے حاکم سیف الدین کو مدد کے لیے بلایا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کچھ شرائط کے بدلے مدد دیں گے، صرف بلاوے پر نہیں جائیں گے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مسلمان حکمران اور امراء بظاہر اتحادی ہیں لیکن اُن کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں۔ ہر ایک اپنی جنگ لڑ کر زیادہ سے زیادہ علاقے پر قابض ہونے کی فکر میں ہے اور صلیبی انہیں مدد کم اور شہ زیادہ دے رہے ہیں اور اُن کی باہمی چپقلش کو ہوا بھی دے رہے ہیں۔

"شمس الدین اور شاد بخت کی کوئی اطلاع نہیں آئی؟" سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ سے پوچھا۔

"کوئی تازہ اطلاع نہیں۔" حسن بن عبداللہ نے جواب دیا۔ "وہ بڑی کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ گمشتگین نے کوئی بھی قدم اٹھایا یہ دونوں سالار اپنا پورا کام کریں گے۔ اُن کا پیغام بھی یہی تھا کہ حالات کے مطابق وہ کارروائی کریں گے۔"

حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ وہ علی بن سفیان کا نائب تھا۔ علی بن سفیان مصر میں تھا کیونکہ دشمن کی جاسوسی اور تخریب کاری کا زیادہ خطرہ مصر میں تھا۔ سلطان ایوبی حسن بن عبداللہ کے ساتھ باہر ٹہل رہا تھا۔ اُس نے شمس الدین اور شاد بخت کا نام لیا تھا۔ یہ دونوں گمشتگین کے جرنیل تھے۔ گمشتگین کے

متعلق بتایا جا چکا ہے کہ شیطان فطرت مسلمان تھا۔ عہدے اور رُتبے کے لحاظ سے وہ گورنر تھا اور حران کے قلعے میں مقیم تھا۔ اُس قلعے میں اور باہر اُس نے خاصی فوج جمع کر رکھی تھی۔ وہ خلافت کے تحت تھا اور خلیفہ کے احکام کا پابند، لیکن اُس نے ذاتی سیاست بازی اور چالبازیوں سے فوجی اور سیاسی لحاظ سے ایسی پوزیشن حاصل کر لی تھی جہاں وہ کسی کو پلے نہیں باندھتا تھا۔ اس نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے قلعے میں نور الدین زنگی کے پکڑے ہوئے صلیبی قیدی تھے جن میں کمانڈر بھی تھے۔ زنگی فوت ہو گیا تو گمشتگین نے کسی کے حکم کے بغیر تمام قیدی رہا کر دیئے۔ اُس نے یہ اقدام صلیبیوں کی خوشنودی کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ اب صلیبیوں کے خلاف نہیں بلکہ اُن سے مدد حاصل کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اُس کے دو سالار تھے جو ذہانت اور جنگی اہلیت کی بدولت اُس کے معتمد تھے۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ ایک کا نام شمس الدین علی اور دوسرے کا شاد بخت علی تھا۔ یہ دونوں ہندوستانی مسلمان تھے۔ عراق کے اُس وقت کے ایک مورخ کمال الدین نے عربی میں "تاریخ حلب" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اُس نے ان کا اتنا ہی ذکر کیا ہے کہ یہ دو سگے بھائی تھے اور نور الدین زنگی کی زندگی میں ہندوستان سے اُس کے پاس آئے تھے۔ زنگی نے انہیں فوج میں اچھا رتبہ دے کر حران بھیج دیا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد نے بھی ان کا اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے۔ عرب میں چونکہ نام کے ساتھ باپ کا نام بھی لکھا اور بولا جاتا ہے اس لیے ان دو بھائیوں کے نام تحریروں میں اس طرح آتے ہیں۔ "شمس الدین علی ابن الضیا اور شاد بخت علی ابن الضیا"۔ یہ اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ ضیا کون تھا۔ تاریخ میں ان دونوں کا نام آنے کا باعث ایک واقعہ ہے جسے اُس دور کے وقائع نگاروں نے قلمبند کیا ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ گمشتگین من مانی کا قائل تھا۔ حران میں عملاً اُسی کی حکومت تھی۔ اُس نے اپنے ایک خوشامدی اور بدطینت افسر ابن الخاشب ابو الفضل کو قاضی کا رتبہ دے دیا تھا۔ اسلام کے قاضی انصاف اور دانش کی وجہ سے مشہور تھے لیکن ابو الفضل بے انصافی اور گمشتگین کی خوشنودی کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اُس کی بے انصافی کے قصے شمس اور شاد بخت تک بھی پہنچتے رہتے تھے لیکن وہ خاموشی اختیار کیے رکھتے تھے۔ وہ فوج کے جرنیل تھے قاضی کے فیصلوں اور شہری امور کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ طبعاً بھی وہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ یہ مشہور تھا کہ گمشتگین پر اُن کا بہت اثر ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ انہوں نے گمشتگین پر اپنا اثر پیدا کر رکھا تھا۔

اُن دنوں جب سلطان ایوبی نور الدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سواروں کے ساتھ آیا اور شام اور مصر کی وحدت کا اعلان کیا تھا، اُس نے اپنے بہت سے جاسوس اِن اسلامی علاقوں میں بھیج دیئے تھے جو خلافت کے تحت ہوتے ہوئے ذاتی ریاستوں کی صورت اختیار کر گئے تھے (ان جاسوسوں کے چند ایک کارنامے سنائے جا چکے ہیں) ان میں سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا انطالون نام کا ایک تُرک جاسوس حران چلا گیا۔ وہ خوبرو اور وجیہہ جوان تھا۔ ترکی کے علاوہ عربی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اُس نے گمشتگین تک رسائی حاصل کر لی اور یہ کہانی سنائی کہ اس کا خاندان یروشلم میں آباد ہے جو اُس وقت صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ اُس نے بتایا کہ صلیبی وہاں مسلمانوں پر بے رحمی



سے ظلم و تشدد کرتے ہیں اور بلاوجہ جسے چاہتے ہیں بیگار پر لگا دیتے ہیں۔ انہوں نے اس کی دو جوان بہنوں کو اغوا کر لیا اور اس کے بھائیوں اور باپ کو بیگار کے لیے پکڑ لیا ہے۔ وہ فرار ہو کر یہاں تک پہنچا ہے اور صلیبیوں سے انتقام لینے کے لیے صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

اُس نے اپنا حال حلیہ بگاڑ رکھا تھا اور پتہ چلتا تھا کہ وہ یروشلم سے پیدل آیا ہے اور بھوک اور تھکن نے اُسے ادھ موا کر رکھا ہے۔ گمشتگین نے اُسے فوجی نظروں سے دیکھا تو اُس کا قد بُت اُسے پسند آیا۔ اُس سے پوچھا کہ وہ گھوڑ سواری اور تیر اندازی جانتا ہے یا نہیں۔ اُس نے کہا کہ اُسے غذا، آرام اور کھانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد دکھائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ گمشتگین نے اُسے کھلا پلا کر سُلا دیا۔ وہ بہت دیر بعد اُٹھا تو اُسے گمشتگین کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ایک گھوڑا منگوایا گیا۔ باہر لے جا کر ایک باڈی گارڈ کی کمان اور ایک تیر اُسے دے کر کہا گیا کہ خود ہی کہیں نشانے پر تیر چلا کر دکھاؤ پھر گھوڑا دوڑاؤ۔

قریب ایک درخت تھا جس پر پرندے بیٹھے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا پرندہ ایک چڑیا تھی۔ اُس نے اُس کا نشانہ لیا اور تیر چلایا۔ تیر چڑیا کے جسم میں اتر کر اُسے اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ اُس نے ایک اور تیر مانگا جسے لے کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور کہا کہ وہ قریب آئے تو کوئی چیز اوپر پھینکی جائے۔ وہاں گمشتگین کے باڈی گارڈ کھڑے تھے۔ ایک دوڑ گیا اور اپنے کھانے کی پلیٹ اٹھا لایا جو مٹی کی تھی۔ انطالون گھوڑے کو دور لے گیا۔ وہاں سے موڑ کر ایڑ لگائی تو گھوڑا سرپٹ دوڑا۔ انطالون نے کمان میں تیر ڈالا۔ ایک باڈی گارڈ نے پلیٹ ہوا میں اچھالی۔ انطالون نے دوڑتے گھوڑے سے تیر چلایا اور پلیٹ کے ٹکڑے ہوا میں بکھیر دیئے۔ اُس نے گھوڑا موڑ کر سواری کے کچھ اور کرتب دکھائے۔ یہ تو کسی کو بھی نہ معلوم تھا کہ وہ تجربہ کار جاسوس اور چھاپہ مار کمانڈو ہے اور اُسے ہر ایک ہتھیار کے استعمال اور گھوڑ سواری کا ماہر بنایا گیا ہے۔

اُس کے قد بُت، گٹھے ہوئے جسم، گورے چٹے رنگ اور کرتب دیکھ کر گمشتگین بہت متاثر ہوا اور اُسے اپنے باڈی گارڈز میں رکھ لیا۔ وہ باڈی گارڈز گمشتگین کے گھر بھی ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انطالون گھر کی ڈیوٹی پر گیا جہاں اُسے آٹھ دن اور آٹھ راتیں رہنا تھا۔ مسلمان حکمرانوں کی طرح گمشتگین کا حرم بھی اعلیٰ تھا۔ اس میں بارہ چودہ لڑکیاں تھیں۔ انطالون نے پہلے دن جا کر گھر کے تمام دروازوں اور کونوں کھدروں کو دیکھا۔ اس نے وہاں کے تمام ملازم مردوں اور عورتوں سے کہا کہ وہ چونکہ گھر کی حفاظت کے لیے آیا ہے اس لیے سارے گھر سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اُس نے کمرے تک دیکھ ڈالے۔ وہ بہت چالاک تھا۔ باتوں کا جادو چلانا جانتا تھا۔ حرم میں جانے کی اُسے جرأت نہ ہوئی۔ ایک جوان لڑکی اُسے برآمدے میں مل گئی۔ یہ بھی حرم کی ملکیت تھی۔ اس نے انطالون سے شہزادیوں والے رعب سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟

"محافظ ہوں۔" اُس نے گردن تان کر جواب دیا۔ "دیکھ رہا ہوں کہ اس محل جیسے مکان میں آنے اور جانے کے راستے کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے علاوہ یہاں کون رہتا ہے۔"

"محافظ تو پہلے بھی یہاں رہتے ہیں۔ کبھی کوئی اندر نہیں آیا۔" لڑکی نے کہا۔ "یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں۔"

"یہ میرا فرض ہے۔" اُس نے جواب دیا۔ "اگر حرم سے کوئی ایک بھی حسینہ غائب ہوگئی تو محترم قلعہ دار اُس کی جگہ میری بہن کو اٹھا لائیں گے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی بہن کی حفاظت کے لیے آئے ہو۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"اگر میں اُس کی حفاظت کرسکتا تو آج ایک لڑکی سے یہ نہ کہلواتا کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔" اُس نے چہرے پر اُداسی کا تاثر پیدا کر کے کہا۔ "میں اپنی بہن کی حفاظت نہیں کرسکا تھا اس لیے آپ کی حفاظت میں پوری پوری احتیاط کر رہا ہوں۔" اُس نے آہ بھر کر کہا۔ "وہ بھی آپ جیسی تھی۔ بالکل آپ جیسی.... مجھے رونے کی کوشش نہ کریں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔"

اُس نے اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا وہ نشانے پر لگا۔ اُس نے عورت کی جذباتیت پر تیر چلایا تھا۔ وہ بھی جوان لڑکی تھی۔ پوچھے بغیر نہ رہ سکی کہ وہ اپنی بہن کی حفاظت نہیں کرسکا تھا تو کیا ہوا تھا؟ کیا اُس کی بہن اغوا ہو گئی تھی؟

"اگر اغوا کرنے والے مسلمان ہوتے یا وہ خود کسی مسلمان کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔" اُس نے کہا۔ "دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ کوئی اُس سے شادی کرے گا یا اُسے کسی مسلمان امیر کے حرم میں دے دیا جائے گا۔ اُسے صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ ایک نہیں دو بہنوں کو۔ میں اُن کی حفاظت نہیں کرسکا۔"

لڑکی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے اور کس طرح اغوا ہوئی ہیں۔ اُس نے وہی یروشلم والی کہانی سنا دی اور اپنے فرار کی کہانی ایسی سنسنی خیز بنا کر سنائی کہ لڑکی کا چہرہ بتاتا تھا جیسے یہ تیر اُس کے دل میں اُتر گیا ہے۔ اُس نے کہا۔ "میں وہاں سے پیدل یہ ارادہ لے کر آیا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر صرف اپنی بہنوں کا ہی نہیں اُن تمام بہنوں کا انتقام لوں گا جنہیں صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ قلعہ دار نے مجھے اپنے محافظ دستے میں رکھ لیا ہے۔" اُس نے اور بھی بہت سی جذباتی باتیں کیں جو لڑکی کے دل میں اُترتی گئیں۔

انطانون اچھی طرح جانتا تھا کہ حرم کی لڑکیوں کے جذبات نازک ہوتے ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے وہ کمزور ہوتی ہیں۔ وجہ صاف ہے۔ ایک آدمی کی ایک درجن یا اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوں تو کوئی بھی دعویٰ نہیں کرسکتی کہ یہ آدمی اُسی کو چاہتا ہے اور جب بیویاں بغیر نکاح کے حرم میں قید رکھی ہوئی ہوں تو انہیں محبت کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ جوان لڑکی کے کچھ جذبات بھی ہوتے ہیں۔ حرم کی جوان لڑکی یہ بھی جانتی ہے کہ چند سال بعد اُس کی قدروقیمت ختم ہو جائے گی۔ انطانون کو معلوم تھا کہ حرم کی لڑکیوں نے اپنے خوابوں اور رومانوں کو دبا کے رکھا ہوتا ہے اور وہ چوری چھپے اپنے خاوند یا آقا کے کسی جوان دوست یا کسی جوان اور خوبرو ملازم کے ساتھ عشق و محبت کا نشہ پورا کر لیتی ہیں۔

انطانون کے سامنے چونکہ یہی لڑکی اتفاق سے آگئی تھی اس لیے اُس نے اسی کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی۔ اپنے جاسوسی کے مقاصد کے لیے اُسے حرم کی ایک لڑکی کے دوستانے کی ضرورت تھی۔ اُسے ٹریننگ میں بتایا گیا تھا کہ گنتگین جیسے عیاش گورنر اور امراء رقص اور شراب کی محفلیں جماتے ہیں جن میں حرم





کی لڑکیاں بھی شریک ہوتی ہیں۔ شراب اور عورت کے نشے میں ان لوگوں کی زبانیں بے قابو ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا لڑکیاں انہی محفلوں اور ضیافتوں میں بے نقاب ہوتے ہیں۔ انطانون اور اُس کے ساتھی جاسوس علی بن سفیان کے تربیت یافتہ تھے اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں بے دریغ مالی اور دیگر مراعات دے رکھی تھیں۔ کوئی جاسوس دشمن کے علاقے میں پکڑا یا مارا جاتا تو سلطان ایوبی اُس کے خاندان کو اتنا زیادہ مستقل وظیفہ دیا کرتا تھا کہ مالی لحاظ سے اس خاندان کو کسی کی محتاجی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

انطانون نے اس لڑکی پر ایسا اثر پیدا کر دیا جو اُس کے چہرے سے عیاں تھا۔ اُسے اُمید نظر آنے لگی کہ یہ لڑکی اُس کے جال میں آجائے گی۔ وہ وہاں سے ہٹنے لگا تو لڑکی نے اُسے دبی زبان میں کہا:

"پچھلی طرف ایک باغیچہ ہے۔ رات کے دوسرے پہر وہاں بھی آ کر دیکھ لینا۔ مکان میں کوئی اُدھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے۔" لڑکی کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی اس نے دل کی بات کہہ دی۔

☆

باڈی گارڈز کے فرائض میں رات کو پہرہ دینا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بڑے دروازے کے سامنے نہایت اچھے لباس میں چمکتی ہوئی برچھیاں تھامے نمائش کے لیے موجود رہتے تھے اور جب باڈی گارڈز اپنے آقا کے ساتھ ہوتے تو وہ اُس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ اُن کا اصل کام میدان جنگ میں سامنے آتا تھا جب وہ اپنے آقا کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ انطانون رات کے دوسرے پہر باغیچے میں چلا گیا اور ٹہلتا رہا۔ یہ مکان محل جیسا تھا۔ اندر سے گانے بجانے اور ناچنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انطانون نے اُن مہمانوں کو بڑی غور سے دیکھا تھا جو آئے تھے۔ اِن میں دو تین صلیبی بھی تھے۔ وہ باغیچے میں کچھ دیر ٹہلا تو پچھلے دروازے سے لڑکی نکلی اور اُس کے پاس آگئی۔

"آپ کیوں آئی ہیں؟" انطانون نے انجان بن کر پوچھا۔

"اور تم کیوں آئے ہو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"آپ کا حکم بجا لانے۔" انطانون نے جواب دیا۔ "آپ نے حکم دیا تھا کہ رات کے دوسرے پہر باغیچے میں آ کر دیکھ لینا۔ کوئی اِدھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے۔" اُس نے پوچھا۔ "آپ اتنی گرما گرم محفل چھوڑ کر باہر کیوں آگئی ہیں؟"

"وہاں دم گھٹتا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "شراب کی بُو سے متلی آنے لگتی ہے۔"

"آپ شراب کی عادی نہیں؟"

"نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "میں یہاں کی کسی بھی چیز کی عادی نہیں ہو سکی.... بیٹھ جاؤ۔" اُس نے پتھر کے ایک بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں مالکہ کی برابری کی جرأت نہیں کر سکتا۔" انطانون نے کہا۔ "کسی نے دیکھ لیا تو...."

"دیکھنے والے شراب میں بدمست ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "بیٹھو اور اپنی بہنوں کی باتیں سناؤ۔"

انطانون نے اپنے فن کے کمالات دکھانے شروع کر دیئے اور لڑکی اُس کے قریب ہوتی گئی۔ وہ بات کو بہنوں سے پھیر کر اپنے آپ پر لے آئی۔ اس میں جو جھجک تھی وہ انطانون نے ختم کر دی۔ یہ انطانون تھا جس نے

کہا کہ اُسے اب چلے جانا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ قلعہ دار لڑکی کی تلاش کے لیے ڈیوں کو دوڑا دے اور وہ پکڑی جائے۔ لڑکی نے کہا کہ اُس کی غیر حاضری کو کوئی بھی محسوس نہیں کرے گا۔ وہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ انطانون نے اگلی رات پھر ملنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ لڑکی نے اُسے اپنے متعلق جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ اُسے شراب سے نفرت ہے۔ اُسے جس طرح عیاشی کا ذریعہ بنایا گیا ہے اس سے بھی اُسے نفرت ہے۔ وہ حلب کی رہنے والی تھی۔ اُس کے باپ کے ایک دوست نے اُسے گمشتگین کے لیے منتخب کیا اور برائے نام نکاح پڑھا کر باپ نے اُسے رخصت کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی پیار کی پیاسی تھی۔

دوسری رات اُن کی وہیں ملاقات ہوئی۔ لڑکی انطانون کے انتظار میں بے حال ہو گئی تھی۔ وہ آیا تو لڑکی نے اُسے پہلی بات یہ کہی۔ "اگر تم مجھے ایک خوبصورت لڑکی سمجھ کر کسی اور نیت سے آئے ہو تو واپس چلے جاؤ۔ مجھے تم سے ایسی کوئی غرض نہیں۔"

"جس روز میں نے بدنیتی کا اظہار کیا اُس روز میرے منہ پر تھوک کر اندر چلی جانا۔" انطانون نے کہا۔ "میں تمہیں اپنی بہنوں جیسی پاکیزہ لڑکی سمجھتا ہوں۔"

"لیکن مجھے ابھی بہن نہ کہنا۔" لڑکی نے سنجیدگی کو مسکراہٹ میں بدل کر کہا۔ "معلوم نہیں میں کسی وقت کیا فیصلہ کر بیٹھوں۔"

"یعنی تم میرے ساتھ کہیں بھاگ چلنے کا فیصلہ کرو گی؟"

"یہ تم پر منحصر ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ساری عمر چوری چھپے ملتے تو نہیں گزرے گی۔ تم یہاں آٹھ یا دس دنوں کے لیے آئے ہو۔ چلے جاؤ گے تو میں تمہاری صورت کو بھی ترستی رہوں گی۔"

اُس رات وہ ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے۔ اگلے دن لڑکی اتنی بے قابو ہوئی کہ اُس نے انطانون کو دن کے وقت اپنے کمرے بلا لیا۔ اُس دن گمشتگین حران سے کہیں باہر چلا گیا تھا۔ یہ ملاقات دونوں کے لیے خطرناک تھی۔ لڑکی جذبات کے جادو میں بھول گئی تھی کہ ان محلات میں سازشیں بھی ہوتی ہیں اور حرم کی لڑکیاں ایک دوسری کو خاوند کی نظروں میں گرانے کے موقعے ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ انطانون کی شخصیت اور اُس کی باتوں کے طلسم نے اُسے اندھا کر دیا تھا۔ یہ محبت کی تشنگی کا نتیجہ تھا۔ انطانون نے اُسے شک تک نہ ہونے دیا کہ اُسے اُس کے جسم کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے۔ وہ لڑکی کے لیے سراپا خلوص اور پیار بن گیا تھا۔ وہ جب اُس کے کمرے سے نکلا تو لڑکی کی یہ کیفیت تھی جیسے اس کے ساتھ ہی نکل جائے گی۔ رات کے دوسرے پہر انہیں پھر ملنا تھا۔

وہ جب وہاں سے نکلا تو حرم کی ایک اور لڑکی اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس لڑکی نے اُسے کمرے میں جاتے بھی دیکھا تھا۔

☆

گمشتگین رات کو بھی غیر حاضر تھا۔ لڑکی باغیچے میں چلی گئی۔ انطانون بھی آ گیا۔ اب اُن کے درمیان نہ کوئی حجاب رہا تھا اور نہ کوئی پردہ۔ لڑکی نے اُسے کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم اپنی بہنوں کا انتقام لینے کے لیے سلطان



صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونے آئے تھے، پھر تم اس فوج میں کیوں بھرتی ہو گئے ہو؟"

"کیا یہ سلطان کی فوج نہیں؟" انطانون نے ایسے پوچھا جیسے اُسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اُس نے کہا۔ "یہ اسلامی فوج ہے اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے؟"

"یہ فوج اسلامی ہے لیکن اسے سلطان کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ تو بہت بُری بات ہے۔" انطانون نے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے ایسی فوج میں رہنا چاہیے جو سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو رہی ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یروشلم میں اور اُن تمام علاقوں میں جہاں صلیبیوں کا قبضہ ہے، مسلمان سلطان صلاح الدین ایوبی کو امام مہدی بھی کہتے ہیں۔ وہ صلیبیوں کے مظالم سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ مسجدوں میں امام بھی کہتے ہیں کہ یہ قوم کو گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ دمشق سے امام مہدی صلاح الدین ایوبی کے روپ میں نجات دلانے آ رہا ہے..... مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے ساتھ لو، یہاں سے نکلو۔" لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تک پہنچا دوں گی۔ تمہیں اس فوج میں نہیں رہنا چاہیے لیکن میں یہ نہیں چاہوں گی کہ تم مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔"

"کیا تم اپنے خاوند سے اس لیے بھاگنا چاہتی ہو کہ اُس نے تمہیں زر خرید لونڈی بنا رکھا ہے یا وہ بوڑھا ہے یا اس لیے کہ وہ سلطان ایوبی کے خلاف ہے؟"

"مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "وجوہات تم نے خود ہی بتا دی ہیں۔ اُس نے مجھے لونڈیوں کی طرح حرم میں قید کر رکھا ہے۔ وہ بوڑھا بھی ہے اور نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ سلطان ایوبی کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ اس کے حرم میں آنے سے پہلے جوانی کی امنگوں کے ساتھ میرے دل میں ایک اور جذبہ بھی تھا جو مجھے مجبور کرتا تھا کہ میں شادی نہ کروں اور نور الدین زنگی کے پاس جا کر کہوں کہ مجھے کوئی سا جنگی فرض سونپ دیں۔ میں صلیب کے خلاف لڑنا چاہتی تھی۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کا نام سن رکھا تھا۔ میں نے تیر اندازی سیکھی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کی بھی مشق کی مگر میرے جذبے کو اس بدبخت کے حرم میں قید کر کے اسے شراب سے مار دیا گیا۔ سچ پوچھو تو میں اس قلعے میں آئی تو خوش ہوئی تھی کہ ایک جنگجو کی بیوی بن کے آئی ہوں اور یہ جنگجو صلیبیوں کے خلاف لڑے گا لیکن سلطان نور الدین زنگی کی وفات کے فوراً بعد اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔"

"یہ ابھی تک سلطان ایوبی کے مقابلے میں آیا ہے یا نہیں؟" انطانون نے پوچھا۔

"مقابلے میں آنے کے لیے تیار ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "لیکن یہ بہت گہرا آدمی ہے۔ خلیفہ الملک الصالح اور اُس کے درباری امراء کا دوست ہے۔ وہ سب سلطان ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ گمشتگین نے انہیں وعدہ دے رکھا ہے کہ وہ انہیں اپنی فوج دے گا مگر یہ صلیبیوں کے ساتھ یارانہ گانٹھ کر آزادانہ طور پر سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسے اُمید ہے کہ وہ بہت سے علاقے پر قبضہ کر لے گا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ حران اور

مفتوحہ علاقوں کا بادشاہ بن جائے گا۔"

"تم نے اس کے ساتھ کبھی اس مسئلے پر بات کی ہے؟"

"کی تھی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "اس نے میرے ملک ہی سلطان ایوبی کے خلاف باتیں ڈالنے کی کوشش کی۔ میں سلطان ایوبی کو اپنا پیر اور پیغمبر مانتی ہوں۔ گمشتگین کی کسی بات نے بھی مجھ پر اثر نہ کیا تو اس نے میرے ساتھ تعلق توڑ دیا۔ مجھے ماتا پیٹتا بھی رہا۔ اس کے بعد اس نے مجھے کہا کہ تم سلطان ایوبی کے علاقے میں چلی جاؤ۔ تم بہت خوبصورت ہو اور نوجوان بھی ہو۔ سلطان ایوبی کے تین چار سالاروں کو اپنے جال میں پھانس کر سلطان کے خلاف کر دو۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ تمہارے ساتھ دو بہت ہوشیار اور بہت خوبصورت صلیبی لڑکیاں ہوں گی۔ تم تینوں مل کر چاروں کو بھی اپنا مرید بنا سکتی ہو۔ اُس نے مجھے طریقے بتائے اور کہا کہ میں جا کر جاسوسی بھی کروں، اور اگر میں اس کے یہ سارے کام کر دوں تو وہ میرے خاندان کو بے انداز زر و جواہرات دے گا اور مجھے آزاد کر کے میری پسند کے آدمی کے ساتھ میری شادی کر دے گا۔ میں نے کوئی بھی شرط نہ مانی۔"

"تم مان لیتیں۔" انطانون نے کہا۔ "یہاں سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاتیں۔"

"اس مردود نے اور اس کے صلیبی دوستوں نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ ان کے دشمنوں کے علاقے میں جا کر کوئی لڑکی یا جاسوس غداری کرے تو اُسے اغوا کر کے لے آتے ہیں یا وہیں قتل کر دیتے ہیں۔ ان کا تعلق حسن بن صباح کے قاتل فدائیوں کے ساتھ بھی ہے۔ میری روح مر گئی تھی۔ یہ جسم رہ گیا تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ ایسے ہی کروں جیسے تم نے کہا ہے لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔ تمہیں دیکھا اور تم میرے قریب آئے تو میری روح جاگ اٹھی۔ میں تمہارا احسان ساری عمر نہیں بھولوں گی کہ تم نے مجھے اپنے دل میں بٹھایا لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ آؤ یہاں سے نکل چلیں۔"

"تم یہیں، اسی قلعے میں صلیب کے خلاف اور سلطان ایوبی کے دشمنوں کے خلاف لڑ سکتی ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"جس طرح تمہارا آقا گمشتگین تمہیں سلطان صلاح الدین کے علاقے میں جاسوسی کے لیے بھیجنا چاہتا ہے اسی طرح سلطان کو بھی جاسوسوں کی ضرورت ہے جو یہاں رہ کر اُسے اِن لوگوں کے ارادوں اور دوسرے رازوں سے آگاہ کرتے رہیں۔"

"تمہیں کیسے پتہ ہے کہ سلطان ایوبی کو جاسوسوں کی ضرورت ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"میں خود سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔" انطانون نے کہا۔ لڑکی اس طرح چونکی جیسے اُسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔ "کیوں؟ تم حیران کیوں ہو گئی ہو؟ یہ سچ ہے۔ میں یروشلم سے نہیں، قاہرہ سے آیا ہوں۔ میری کوئی بہن اغوا نہیں ہوئی۔"

"تم نے جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں یہ بھی جھوٹ ہو گا کہ تم نے مجھے دلی محبت دی ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "تمہارا پیار اور تمہارے وعدے بھی جھوٹے ہوں گے۔"



"میری محبت کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے۔" انطانون نے کہا۔ "یوں سمجھو کہ میں نے اپنی زندگی تمہارے قدموں میں رکھ دی ہے۔ تم گمشتگین کو میری اصلیت بتا کر مجھے مروا سکتی ہو۔ کوئی جاسوس اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتا۔ مجھے تمہارے جذبے نے اور تمہاری محبت نے اتنا مجبور کیا کہ میں نے اپنا آپ تم پر ظاہر کر دیا ہے۔ محبت کا دوسرا ثبوت اُس وقت دوں گا جب یہاں سے اپنا کام کر کے واپس جاؤں گا۔ میں اکیلا نہیں جاؤں گا، تم میرے ساتھ ہو گی، لیکن ایک بات صاف صاف سن لو۔ اگر تمہاری محبت اور میرا فرض اکٹھے میرے سامنے آ گئے اور خدا نے میرا امتحان لینا چاہا کہ میں کسے پسند کرتا ہوں تو میں فرض کا انتخاب کروں گا۔ تمہاری محبت کو قربان کر دوں گا۔ دھوکہ نہیں دوں گا۔ تم نہیں جانتی کہ جاسوس سے اُس کا فرض کیسی کیسی قربانیاں مانگتا ہے۔ سپاہی میدانِ جنگ میں لڑتا اور مرتا ہے۔ اُس کے دوست اس کی لاش گھر لے جاتے اور بڑی عزت سے دفن کرتے ہیں۔ جاسوس مارا نہیں پکڑا جاتا ہے۔ دشمن اُسے قید خانے میں لے جا کر ایسی ایسی اذیتیں دیتا ہے جو تم سن کر ہی بے ہوش ہو جاؤ۔ جاسوس مرتا بھی نہیں زندہ بھی نہیں رہتا۔ جاسوس کے لیے فولاد جیسے مضبوط ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ایسا ہی ایمان لے کر آیا ہوں۔ تم سے محبت کی ہے تو فولاد کی طرح مضبوط رہوں گا مگر ایمان کا حکم نہیں ٹال سکوں گا۔"

لڑکی نے اُس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور چوم کر اپنے منہ پر پھیرا۔ اُس نے کہا: "تم مجھے بھی اتنا ہی مضبوط پاؤ گے۔ بتاؤ میں کیا کروں؟"

انطانون نے اُسے بتانا شروع کر دیا کہ وہ کیا کرے۔ اُس کے لیے ضروری ہدایت یہ تھی کہ وہ گانے بجانے اور پینے پلانے کی اِن محفلوں سے غیر حاضر نہ ہوا کرے جس میں صلیبی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اگر اُسے شراب کے دو گھونٹ پینے پڑیں تو پی لیا کرے اور ان لوگوں میں گھل مل کر اُن کی باتیں سنے۔ سلطان ایوبی کو بُرا بھلا کہے اور اِن سالاروں کے سینوں سے یہ راز نکلوائے کہ اُن کے جنگی ارادے کیا ہیں۔ صلیبیوں کی باتیں غور سے سنے۔ انطانون نے اُس سے اُن دو سالاروں کے متعلق پوچھا جن کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔

"شمس الدین علی اور شاد بخت کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔ "گمشتگین اُن کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ وہ اکثر یہاں آتے ہیں۔ راگ رنگ میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن شراب نہیں پیتے۔"

"تم اُن کے قریب ہو جاؤ۔" انطانون نے کہا۔ "باتوں باتوں میں اُن سے پوچھنا: 'کیا ترکستان میں برف پگھل رہی ہے؟' وہ تم سے پوچھیں گے: 'کیا تم ترکستان جا رہی ہو؟' تم مسکرا کر کہنا: 'ارادہ تو یہی ہے۔' اس کے بعد وہ تمہارے ساتھ کچھ باتیں کریں گے اور شاید یہ بھی پوچھیں کہ اُدھر سے کون آیا ہے۔ تم بتا دینا کہ تمہیں مل جائے گا۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"سب سمجھ جاؤ گی۔" انطانون نے کہا۔ "فاطمہ! میں تمہیں کبھی ان جھمیلوں میں نہ ڈالتا لیکن فرض کا تقاضا

ہے کہ ہم اپنی عزیز ترین شے کو بھی اپنے فرض پر قربان کر دیں۔ تم مجھے قربان کر دو۔ میں تمہیں قربان کر دوں۔ گھبرا نہ جانا فاطمہ! آنے والا وقت معلوم نہیں ہمارے لیے کیسے کیسے مصائب اور کیسی کیسی آزمائشیں لا رہا ہے۔ اگر ہم دونوں قید خانے کے جہنم میں چلے گئے یا مارے بھی گئے تو ہمارا خون ضائع نہیں ہوگا۔ خدائے ذوالجلال ہمیں فراموش نہیں کرے گا۔ اسلام کی عظمت کی پاسبانی خون دیئے بغیر نہیں ہو سکتی۔"

"تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔" فاطمہ نے کہا۔ "تم نے میرے اُس جذبے کو بھی زندہ کر دیا ہے جو میں سمجھتی تھی کہ مر گیا ہے۔"

"میں جا رہا ہوں۔" انطانون نے کہا۔ "اپنا کام آج ہی سے شروع کر دو۔"

☆

انطانون چلا گیا۔ فاطمہ اُسے دیکھتی رہی۔ وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو فاطمہ نے محسوس کیا کہ وہ اکیلی نہیں۔ اُس کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ حرم کی ہی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ بھی فاطمہ کی ہی طرح جوان اور خوبصورت تھی۔ اُس نے کہا۔ "فاطمہ! اِس محبت کا انجام سوچ لو۔ تم آزاد نہیں ہو۔ میرے جذبات بھی تم جیسے ہیں۔ میں بھی پنجرہ توڑ کر اُڑ جانا چاہتی ہوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ ہماری قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہمیں مل گیا ہے۔ دل کو کچل ڈالو۔ اگر دل کی تسکین کا سامان کرنا ہی ہے تو اور بہت ہیں۔ اپنے محافظ کو اتنا بڑا درجہ نہ دو۔"

"کون محافظ؟" فاطمہ نے حیران سا ہو کے پوچھا۔ "تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں نے ابھی وہ نہیں کہا جو میں نے سنا ہے۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "مجھ سے اب کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ تم نے اُس کے ساتھ جو سودا کیا ہے وہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور فاطمہ وہیں کھڑی اندھیرے خلاؤں میں گھورتی رہی۔

اُسے یاد آ گیا کہ انطانون اُسے کہہ گیا تھا کہ اپنا کام آج ہی سے شروع کر دو۔ اُسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اُس نے انطانون سے کہا تھا کہ تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔ اُس نے دل ہی دل میں اس لڑکی پر لعنت بھیجی اور اپنے آپ سے کہا کہ حرم میں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی لڑکی کسی لڑکی کو ہمدردی سے کچھ سمجھاتی ہے اور بعض آقا کی نظروں میں ایک دوسری کو گرانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اُسے اب ایک سہارا اور قومی جذبے کی تسکین کا ذریعہ مل گیا تھا، مگر وہ ناتجربہ کار تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ حرم میں کچھ بھی کسی سے چھپایا نہیں جا سکتا اور یہ بھی کہ اس ماحول میں اخلاق اور کردار پلید ہے اور یہاں کسی بھی وقت کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔ گناہوں کی اس پُراسرار دنیا میں وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہی تھی۔

دو تین روز بعد اُس کی ملاقات شمس الدین اور شادبخت سے ہو گئی۔ اُس رات بھی گمشتگین نے بزمِ عیش و طرب منعقد کی تھی۔ اپنے سالاروں، صلیبی مشیروں اور اعلیٰ افسروں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے وہ انہیں خوب عیش کراتا تھا۔ ان دو تین دنوں کی ملاقاتوں میں انطانون نے فاطمہ کو ٹریننگ دے دی تھی۔ فاطمہ اس ضیافت میں خوب دلچسپی لے رہی تھی۔ گمشتگین حیران ہوتا ہوگا اور خوش بھی کہ اس لڑکی میں تبدیلی آ گئی ہے۔ وہ ہر



کسی کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ وہ شمس الدین کے پاس جا رُکی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے اُس نے کہا۔ "کیا الرستان میں برف پگھل رہی ہے؟"

سالار شمس الدین چونک اُٹھا۔ گمشتگین جیسے چالاک اور سخت مزاج قلعہ دار کے حرم کی کسی لڑکی کی زبان سے ایسے الفاظ نکلنے کی اُسے توقع نہیں تھی کیونکہ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کے خفیہ الفاظ تھے جو بول کر جاسوس ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ ان الفاظ سے جاسوسوں کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ شمس الدین کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس قلعے میں کوئی جاسوس قید نہیں تھا جس نے یہ الفاظ بتا دیئے ہوں۔ اُس نے کوڈ کا اگلا فقرہ بولا۔ "کیا تم الرستان جا رہی ہو؟"

"فاطمہ نے مسکرا کر کہا۔ "ارادہ تو یہی ہے۔"

شمس الدین باتیں کرتے کرتے فاطمہ کو الگ لے گیا۔ دوسرے لوگ شراب اور رقص میں مگن تھے۔ شمس الدین نے اُس سے پوچھا۔ "تم جانتی ہو میں سالار ہوں؟"

"میں کچھ اور بھی جانتی ہوں۔" فاطمہ کی مسکراہٹ میں طنز نہیں اپنائیت اور ایک مطلب تھا۔

"کون آیا ہے؟" شمس الدین نے رازداری سے پوچھا۔

"وہ آپ کو مل جائے گا۔" فاطمہ نے جواب دیا۔

"تم جانتی ہو کہ مجھے دھوکہ دے کر تمہارا انجام کیا ہوگا؟"

"دھوکہ نہیں۔" فاطمہ نے جواب دیا۔ "آپ ٹہلتے ٹہلتے بڑے دروازے تک چلے جائیں۔ وہاں دو محافظ کھڑے ہیں۔ پوچھنا کہ یروشلم سے کون آیا ہے؟"

شمس الدین دروازے پر چلا گیا۔ وہاں دو محافظ کھڑے تھے جنہیں وہ جانتا تھا۔ اُس نے پوچھا۔ "تم میں سے یروشلم سے کون آیا ہے؟" انطانون نے آگے بڑھ کر بتایا کہ وہ یروشلم سے آیا ہے۔ شمس الدین نے پوچھا۔ "تم اگر الرستان کی طرف سے آئے ہو تو وہاں برف پگھل رہی ہوگی؟"

"کیا آپ الرستان جا رہے ہیں؟" انطانون نے پوچھا۔

"ارادہ تو یہی ہے۔" شمس الدین نے مسکرا کر کہا۔

جب اُسے یقین ہو گیا کہ انطانون واقعی جاسوس ہے تو اُس نے پوچھا۔ "وہ لڑکی دھوکہ تو نہیں دے رہی؟"

"نہیں۔" انطانون نے جواب دیا۔ "ملاقات کا موقعہ دیں۔ ساری بات بتاؤں گا۔"

☆

ملاقات کا موقع پیدا کر لیا گیا۔ شمس الدین آخر سالار تھا۔ وہ موقع پیدا کر سکتا تھا۔ اُس نے انطانون سے پوچھا کہ اُس نے فاطمہ کو کس طرح اپنے جال میں پھانسا ہے اور اسے وہ کس طرح اتنا قابلِ اعتماد سمجھتا ہے کہ اُسے خفیہ (کوڈ) الفاظ تک بتا دیئے ہیں۔ انطانون نے اُسے شروع سے آخر تک سنا دیا کہ یہ لڑکی کس طرح اُسے ملی اور اُن کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں۔

"میں ایک خطرہ محسوس کر رہا ہوں" شمس الدین نے کہا۔ "تم جوان ہو، خوبرو اور تنومند ہو۔ لڑکی جوان ہے اور اُس کی خوبصورتی غیر معمولی ہے۔ جذبات فرض پر غالب آنے کے امکانات مجھے صاف نظر آرہے ہیں۔ تمہارا دن کے دوران اُس کے کمرے میں جانا جذبات کے تحت تھا۔ تم نے احتیاط نہیں کی۔ لڑکی میں محبت اور خلوص کی تشنگی ہے۔ تم نے اسے محبت بھی دی خلوص بھی دیا ہے۔ ایسی لڑکیوں کے جذبات نازک اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تم اپنے فرض کو روحانی جذبات کے شعلے سے تباہ کر دو گے۔ جوانی اور تشنگی مل کر بارود بن جاتی ہیں... کیا تم مجھے یقین دلا سکتے ہو کہ تمہارے دل میں اس لڑکی کی محبت پیدا نہیں ہو گئی؟ میں تمہارے ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔"

"میں نے اُسے اپنے کام کے لیے گرویدہ بنایا ہے۔" انطانون نے کہا۔ "لیکن میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ لڑکی میرے دل میں اتر گئی ہے۔ میں آپ کو خدا اور رسولؐ کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ یہ محبت میرے فرض پر غالب نہیں آسکے گی۔"

پھر اُن کے درمیان اپنے کام کی کچھ باتیں ہوئیں اور شمس الدین نے اُسے کچھ ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔ اسی روز شمس الدین نے اپنے بھائی شاد بخت کو بتایا کہ سلطان ایوبی نے یہاں ایک اور آدمی بھیج دیا ہے جس کا نام انطانون ہے اور وہ محافظ دستے میں شامل ہوتے ہی کامیاب ہو گیا ہے۔ ان دونوں بھائیوں کے ذاتی محافظ، اُن کے اردلی اور دو ملازم بھی سلطان ایوبی کے لڑاکا جاسوس تھے۔ شمس الدین اور اُس کے بھائی نے انہیں بھی بتایا کہ اُن کا ایک اور ساتھی آگیا ہے جس نے یہاں آکر اپنے آپ کو ایک خطرے میں ڈال لیا ہے۔ یہ اُس کا کارنامہ ہے کہ اُس نے قلعہ دار کی ذاتی رہائش گاہ میں سے ایک مچھلی پکڑ لی ہے مگر اس میں خطرہ بھی ہے۔ شمس الدین نے اپنے آدمیوں کو یہ خطرہ تفصیل سے بتایا اور کہا۔ "ابھی تک حران میں ہمارا کوئی جاسوس نہیں پکڑا گیا۔ مجھے ڈر ہے کہ انطانون پکڑا جائے گا۔ ہم اُس پر نظر رکھیں گے، تاہم تم سب کو تیار رہنا ہوگا۔ اگر وہ پکڑا گیا تو ہماری بے عزتی ہوگی۔ یہ ڈر بھی ہے کہ اذیتوں سے گھبرا کر وہ ہم سب کی نشاندہی کر دے لیکن مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیال آتا ہے۔ وہ کہیں گے کہ دو سالار اور چھ لڑاکا جاسوس ایک آدمی کی حفاظت نہ کر سکے۔"

"آپ اور ہم موجود تھے تو ایک اور آدمی کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟" ایک نے پوچھا۔

"یہی ضرورت تھی جو اُس نے پوری کر لی ہے۔" شمس الدین نے جواب دیا۔ "گمشتگین کے حرم تک رسائی ضروری تھی۔ تم اِن بحثوں میں نہ پڑو۔ میں جانتا ہوں یہ حسن بن عبداللہ کا فیصلہ ہے جو صحیح ہے۔ میں تمہیں اس کے خطروں سے آگاہ کر رہا ہوں۔ تیار رہنا، ہو سکتا ہے اس لڑکی کو اغوا کر کے غائب کرنا پڑے۔ اس کے لیے بھی تیار رہو۔"

"ہم تیار ہیں۔" سب نے کہا۔ "لیکن ہمیں بروقت اطلاع ملنی چاہیے۔"

"یہ ممکن نہیں کہ اطلاع بروقت ملے۔" شمس الدین نے کہا۔ "ہو سکتا ہے مجھے بھی اُس وقت پتہ چلے جب انطانون شکنجے میں جکڑا ہوا اور اُس کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں۔"

☆



"کیا تم دونوں بھائی پسند کرو گے کہ ہم کسی سے مدد لیے بغیر اپنی جنگ آزادی سے لڑیں؟" گمشتگین سالار شمس الدین اور شاد بخت سے پوچھ رہا تھا۔ "آپ دونوں جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہم کئی ایک لوگ ہیں۔ ہم سب نے بظاہر متحدہ محاذ بنا رکھا ہے لیکن ہم دل سے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ الملک الصالح بچہ ہے۔ وہ جن امراء کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے وہ صلاح الدین کو شکست دے کر الصالح کو باہر پھینک دیں گے اور خود مختار حاکم بن جائیں گے۔ موصل کا حاکم سیف الدین بھی ہمارا دوست ہے اور صلاح الدین کا دشمن لیکن وہ بھی اپنی ریاست الگ بنانا چاہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے حلب کے گرد و نواح سے کافی فوج تیار کر لی ہے۔ میں نے صلیبی حکمران ریجنالڈ کو اور اُس کے تمام جنگی قیدیوں کو اس معاہدے کے تحت آزاد کر دیا تھا کہ میں صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آؤں تو صلیبی اگر میری مدد براہ راست نہ کریں تو عقب سے یا پہلو سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کریں یا ایسے حملے کا دھوکہ دے کر اُس کی توجہ مجھ سے ہٹا دیں۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ایک وسیع و عریض علاقہ آپ کی عملداری میں ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم سلطان صلاح الدین کو شکست دے سکیں گے۔ وہ صلیبیوں کو پسپا کر سکتا ہے۔ صلیبی اُس کی جنگی چالوں سے واقف نہیں۔ ہم واقف ہیں اور ہم بھی مسلمان ہیں۔ اگر اس کی فوج بے جگری سے لڑ سکتی ہے تو ہم اس سے زیادہ بہادری کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ صلاح الدین پہلی بار حلب میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ حلب والوں نے اس کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس سے میری حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔"

شمس الدین اور شاد بخت نے اُسے بالکل نہ کہا کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے اور صلیبی جو ہم سب کے دشمن ہیں ہمیں مدد کا دھوکا دیں گے مدد نہیں دیں گے۔ ان دونوں بھائیوں نے اُسے یہ بھی یاد دلایا کہ الملک الصالح نے صلیبی حکمران ریمانڈ کو سونے کی شکل میں معاوضہ دیا اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کی صورت میں ریمانڈ اُس پر عقب سے حملہ کرے گا۔ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ فوج لے کر آ گیا مگر سلطان ایوبی کے صرف چھاپہ مار دستوں نے اُسے روک دیا اور ریمانڈ لڑے بغیر واپس چلا گیا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے گمشتگین کے ساتھ کسی بھی نکتے پر بحث نہ کی۔ اُس کی تائید کی اور اُسے مشورہ دیا کہ اس وقت سلطان ایوبی الرستان کی پہاڑیوں میں بیٹھا ہے۔ اس سلسلہ کوہ میں "حماۃ کے سینگ" نام کی جو وادی ہے اسے میدان جنگ بنایا جائے تو سلطان ایوبی کو شکست دی جا سکتی ہے۔ انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ اپنی جنگ آزادی سے لڑی جائے اور صلیبیوں سے مدد لی جائے۔

"مجھے کچھ ایسی اطلاعیں مل رہی ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہمارے درمیان موجود ہیں اور وہ ہر ایک خبر اُسے پہنچا رہے ہیں۔" گمشتگین نے کہا۔ "آپ دونوں محتاط اور چوکنے رہیں اور چھان بین کریں۔"

"کہنے کی ضرورت نہیں۔" سالار شاد بخت نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں کہ سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی بہت مضبوط اور تیز ہے۔ ہم نے یہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں جو ہمیں مشتبہ اور مشکوک افراد سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔"

"میں اس معاملے میں بہت سخت ہوں۔" گمشتگین نے کہا۔ "اگر مجھے اپنے بیٹے کے متعلق بھی شک ہوا کہ جاسوس ہے تو میں اُسے بھی شکنجے میں ڈال دوں گا۔ ذرہ بھر رحم نہیں کروں گا۔"

گمشتگین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ جن دو سالاروں سے اتنے نازک مشورے لے رہا ہے وہ سلطان ایوبی کے جاسوس ہیں۔ یہ دونوں بھائی تو بہت ہی خطرناک جاسوس تھے کیونکہ وہ دونوں اُس کی فوج کے جرنیل تھے اور فوجوں کی کمان انہی کے پاس تھی۔ گمشتگین سے فارغ ہو کر وہ جب اکیلے بیٹھے تو انہوں نے آپس میں یہ سکیم بنائی کہ وہ جب فوج لے کر سلطان ایوبی کے خلاف جائیں گے تو اُسے اپنی پیشقدمی کے متعلق پہلے اطلاع دے دیں گے۔ وہ اُن کی فوج کو گھیرے میں لے لے گا اور ہتھیار ڈال دیئے جائیں گے۔ دونوں بھائی دیر تک سکیم بناتے اور ہر پہلو پر غور کرتے رہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ گمشتگین کب حملہ کرنا چاہتا ہے۔ انہیں اُسے اس پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ جلدی حملہ کرے۔

☆

انطانون اب گمشتگین کی رہائش گاہ کی ڈیوٹی سے ہٹ گیا تھا کیونکہ اُس کی ڈیوٹی کے آٹھ دن پورے ہو چکے تھے۔ فاطمہ نے اُسے کام کی کچھ باتیں بتائی تھیں۔ اب اُس کا فاطمہ سے ملنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ہر لمحہ اُسے ملنے کے لیے بیتاب رہتا تھا جس کی ایک وجہ تو اپنے فرض کی ادائیگی تھی اور دوسری وجہ جذباتی اور رومانی تھی۔ فاطمہ نے ایک خادمہ کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ایک شام اس خادمہ کے ذریعے فاطمہ نے انطانون کو اطلاع بھجوائی کہ رات اُسی وقت وہ باغیچے میں آجائے۔ بڑے دروازے سے اندر جانا ناممکن تھا۔ باغیچے کے پیچھے اونچی دیوار تھی۔ فاطمہ نے کہلا بھیجا تھا کہ دیوار کے باہر رسّہ لٹک رہا ہو گا۔ اس رات وہاں بہت بڑی ضیافت تھی۔ گمشتگین نے ایسے تمام بڑے بڑے لوگوں کو مدعو کیا تھا، جو جنگ میں اُس کے مددگار ہو سکتے تھے۔ ان میں صلیبی کمانڈر بھی تھے اور چند ایک مسلمان فوجی افسر بھی جو موصل سے چوری چھپے آئے تھے۔ گمشتگین نے ایسے غیر فوجی آدمیوں کو بھی مدعو کیا تھا جن کے پاس بے اندازہ دولت تھی۔ ان سب مہمانوں سے وہ جنگ کے لیے مدد لینا چاہتا تھا۔ ان میں شمس الدین اور شاد بخت بھی تھے اور ان میں گمشتگین کا قاضی ابن الخشّاب ابوالفضل بھی تھا۔

یہ اجتماع فاطمہ کے لیے بہت اچھا تھا۔ اُسے اس کی اہمیت کا علم ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے مزاج کے خلاف اپنا بناؤ سنگھار ایسے طریقے سے کیا تھا جس میں مردوں کے لیے بے پناہ کشش تھی۔ اس کی جوانی اور خوبصورتی کی کشش الگ تھی۔ وہ پھدکتی پھر رہی تھی۔ ہر مہمان کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی تھی۔ اُسے جہاں بھی کوئی صلیبی اور اپنی فوج کا کوئی اعلیٰ افسر باتیں کرتا نظر آتا وہاں اس طرح بیٹھ کر کے کھڑی ہو جاتی کہ انہیں شک نہ ہوتا۔ وہ اُن کی طرف کان لگا دیتی۔ وہ شمس الدین اور شاد بخت کے پاس بھی گئی۔ دونوں نے اُسے کہا کہ وہ بہت محتاط رہے اور اُس کے کان میں کوئی راز کی بات پڑے تو انہیں بتا دے۔ انطانون سے زیادہ ملاقاتیں نہ کرے لیکن اُس نے یہ راز اُن سے چھپائے رکھا کہ اُس نے آج رات انطانون کو بلا رکھا ہے اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اُس سے باغیچے میں ملنے جائے گی پھر واپس آکر اپنا کام کرے گی۔ اُس نے شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی خادمہ سے رسّہ دیوار کے اوپر باندھ کر پچھلی طرف لٹکوا دیا تھا۔ دیوار کی اندر کی طرف ایک درخت تھا۔ انطانون کو باہر سے رسّے کے ذریعے اوپر آنا اور اسی رسّے کو اندر کی طرف لٹکا کر درخت کی اوٹ میں اترنا تھا۔



اس ضیافت میں باہر سے نہایت اعلیٰ درجے کی ناچنے والیاں بلائی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ لڑکیوں جیسے خوبصورت نوعمر لڑکے بھی بلائے گئے تھے جو نیم عریاں ہو کر خاص قسم کا رقص کرتے تھے۔ حرم کی ساری لڑکیاں گمشتگین کی اس ہدایت یا حکم کے ساتھ موجود تھیں کہ مہمانوں کو پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کریں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ شراب کے مٹکوں کے منہ کھول دیئے گئے تھے۔ فاطمہ بھی اس میں آزاد تھی کہ مہمانوں میں سے کسے ملتی ہے اور اس کے ساتھ کیسی باتیں اور حرکتیں کرتی ہے۔

محفل کی رونق اور سازوں کے ہنگامے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور فاطمہ بے چین ہوتی جا رہی تھی کیونکہ انطانون کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ اُس وقت وہ ایک صلیبی کمانڈر کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ یہ صلیبی روانی سے عربی زبان بولتا تھا۔ فاطمہ سلطان ایوبی کے خلاف باتیں کر رہی تھی تاکہ یہ صلیبی اپنے دل کی باتیں اُگل دے۔ ایسا ہی ہُوا۔ وہ فاطمہ کو بتانے لگا کہ وہ کس طرح سلطان ایوبی کو ختم کریں گے۔ اِن باتوں کے دوران اُس نے فاطمہ کے ساتھ بے تکلفی پیدا کر لی۔ فاطمہ نے مزاحمت نہ کی۔ اُسے کچھ قیمتی راز حاصل ہو رہے تھے۔ صلیبی اُسے باتوں میں لگائے محفل سے پرے لے گیا۔ چلتے چلتے وہ اندر والے باغیچے میں چلے گئے۔ وہاں روشنی نہیں تھی۔ وہاں جا کر فاطمہ نے محسوس کیا کہ انطانون آگیا ہو گا اور اُس کے انتظار میں پریشان ہو رہا ہو گا۔ اس نے صلیبی سے کہا کہ آؤ واپس چلیں لیکن صلیبی ابھی واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ فاطمہ کوئی جھوٹ موٹ وجہ بتائے بغیر بھاگ بھی نہیں سکتی تھی مگر بھاگنے کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ بھاگنے کی بظاہر وجہ بھی کوئی نہیں تھی۔

صلیبی نے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھاس پر بٹھا لیا اور اُس کے حُسن کی تعریفیں شروع کر دیں۔ فاطمہ نے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔ صلیبی نشے میں بھی تھا۔ اُس نے دست درازی کی تو فاطمہ نے ہنس کر کہا۔ "یہ سوچ لو کہ میں کس کی بیوی ہوں۔"

"اُسی کی اجازت سے یہ جرأت کر رہا ہوں۔" اُس نے کہا اور فاطمہ کو اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ کہنے لگا۔ "تم جسے اپنا خاوند کہہ رہی ہو وہ تمہارا خاوند نہیں ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "اس حقیقت سے تم بھی واقف ہو۔ اگر وہ تمہارا خاوند ہی ہے تو اُس نے صلاح الدین کو شکست دینے اور بادشاہ بننے کے لیے اپنی تمام بیویاں آج رات کے لیے ہم پر حلال کر دی ہیں۔"

"وہ بے غیرت ہے۔" فاطمہ نے غصّے کو ہنسی میں دبا کر کہا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ صلیبی جو کچھ کہہ رہا ٹھیک کہہ رہا ہے۔

"جو آدمی اپنا ایمان بیچ ڈالتا ہے وہ اپنی بیوی، اپنی بہن اور اپنی بیٹی کی عزت سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے۔ تم بیوقوف لڑکی ہو۔ عیش و عشرت سے کیوں بیزار ہو؟ کہتی ہو میں شراب بھی نہیں پیتی۔"

فاطمہ کو دو باتیں پریشان کر رہی تھیں۔ پہلی یہ کہ انطانون آگیا ہو گا اور دوسری یہ کہ گمشتگین اگر غیرت مند ہوتا تو وہ دوڑتی اُس کے پاس جاتی اور اُسے بتاتی کہ یہ آدمی مجھ سے دست درازی کرتا ہے۔ اگر وہاں صورت یہ پیدا کر دی گئی تھی کہ کسی مہمان کو خصوصاً کسی صلیبی کمانڈر کو ناراض کرنا گمشتگین کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ وہ اپنی

بیویوں کی عصمت کے عوض سلطان ایوبی کے خلاف جنگی مدد لے رہا تھا۔ فاطمہ جال میں الجھ کے رہ گئی۔ وہ اس صلیبی کے منہ پر تھوک نہیں سکتی تھی اور اُسے دھتکار بھی نہیں سکتی تھی۔ ان مجبوریوں کے باوجود اپنی عزت سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کیا کرے۔

اُس نے اُسے ذرا سلجھے ہوئے طریقے سے ٹالنے کی کوشش کی جو محض بے کار ثابت ہوئی۔ اُسے بڑی شدت سے خیال آیا کہ انطانون آگیا ہوگا۔ وہ پیچ و تاب کھانے لگی۔ اس ذہنی کیفیت میں صلیبی نے ایک بیہودہ حرکت کی۔ فاطمہ بھڑک اٹھی۔ وہ گھاس پر بیٹھے تھے۔ اُس نے صلیبی کو بڑے زور سے دھکا دیا۔ وہ پیٹھ کے بل گرا۔ عورت میں غیرت بیدار ہو جائے تو وہ چٹانوں کو بھی دھکیل کر گرا سکتی ہے۔ یہ صلیبی تو نشے میں تھا۔ اُس نے اُسے فاطمہ کا مذاق سمجھا اور قہقہہ لگایا۔ قریب ہی مٹی کا ایک بڑا گلدان رکھا تھا۔ فاطمہ کو غصے نے پاگل کر دیا۔ اُس نے گلدان اٹھایا۔ یہ بہت وزنی تھا۔ گلدان اوپر کو اٹھا کر اُس نے صلیبی کے منہ پر دے مارا۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا قہقہے لگا رہا تھا۔ گلدان اُس کی پیشانی پر گرا اور اُس کے قہقہے خاموش ہو گئے۔ فاطمہ نے گلدان پھر اٹھایا۔ صلیبی بے ہوش ہو کر پہلو کے بل ہو گیا تھا۔ فاطمہ نے گلدان اپنے سر سے اوپر لے جا کر اُس کے سر پر پھینکا اور وہاں سے غلام گردش میں چلی گئی۔ کسی کمرے میں داخل ہوئی اور اندھیرے میں پچھلے باغیچے میں چلی گئی۔

محفل پر شراب کا نشہ طاری ہو چکا تھا۔ رقص عروج پر تھا۔ شرابیوں کی ہاؤ ہو نے اس قلعہ نما محل کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ کسی کو ہوش نہ تھا کہ کون زندہ ہے اور کون قتل ہو گیا ہے۔ اس ہنگامے سے لاتعلق ہو کر فاطمہ پچھلے باغیچے میں گئی۔ انطانون کی محبت کے جوش اور نشے میں اُسے ابھی یہ احساس نہیں تھا کہ وہ ایک انسان کو قتل کر آئی ہے اور مقتول صلیبی ہے۔ وہ انطانون کو فخر سے سنانا چاہتی تھی کہ اُس نے اپنی عزت کی حفاظت میں ایک صلیبی کو قتل کر دیا ہے، مگر انطانون وہاں نہیں تھا۔ فاطمہ کا دل اس خیال سے ڈوبنے لگا کہ وہ آکر چلا گیا ہے۔ اُس نے درخت کے پیچھے جا کر دیکھا کہ رسہ باہر ہے یا اندر۔ رسہ اندر تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انطانون آیا ہے۔ اسی لیے رسہ اندر ہے، مگر وہ ہے کہاں؟ اگر وہ واپس گیا ہوتا تو رسہ باہر کو ہوتا۔

وہ وہاں کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اُسے اندھیرے میں ایک سایہ سا حرکت کرتا نظر آیا۔ اُس نے غور سے دیکھا۔ اُس کی خادمہ معلوم ہوتی تھی۔ فاطمہ نے اُسے آہستہ سے آواز دی۔ وہ خادمہ ہی تھی۔ فاطمہ کی طرف دوڑی گئی۔ اُس نے فاطمہ سے کہا۔ "اُسے یہاں نہ ڈھونڈو۔ وہ آیا تھا۔ میں اُس کے انتظار میں چھپ کر کھڑی تھی۔ میں نے اُسے دیوار پر دیکھا۔ اُس نے رسہ اندر پھینکا اور اُترنے لگا۔ اُدھر سے دو آدمی آتے نظر آئے۔ اُس وقت وہ رسے سے اُتر رہا تھا۔ وہ دونوں آدمی قریب آ گئے۔ میں اُسے خبردار نہ کر سکی۔ وہ دونوں درخت کے تنے سے لگ گئے۔ وہ جونہی اُترا ان دونوں نے اُسے ایسا جکڑا کہ وہ ان سے آزاد نہ ہو سکا۔ میں آپ کو ڈھونڈتی رہی لیکن میں مہمانوں میں نہیں جا سکتی تھی۔"

فاطمہ کو چکر آ گیا اور جب اُسے یہ خیال آیا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ یہ الف لیلےٰ کی پُراسرار اور طلسماتی دنیا تھی جسے فاطمہ جیسی لڑکی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اُسے حرم کی ایک لڑکی نے خبردار کیا



بھی تھا کہ وہ ایک محافظ سپاہی کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل کر غلطی کر رہی ہے۔ اُسے اب یہ مسئلہ پریشان کرنے لگا کہ انطانون کو کس نے گرفتار کرایا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو پہلے سے معلوم ہوگا کہ وہ آ رہا ہے۔ اب فاطمہ کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ اُسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔ اُسے اپنی خادمہ پر بھی شک تھا۔ وہ بھی تو مخبری کر سکتی تھی۔

وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ خادمہ کو ساتھ لے کر اُس نے اوپر سے رسہ کھلوایا اور اُسے کہا کہ اسے کہیں چھپا دے۔ وہ خود انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں سالار شمس الدین اور شاد بخت کی طرف دوڑی گئی۔ رقص اور شراب کی محفل گرم تھی۔ فاطمہ کو شاد بخت نظر آ گیا۔ اُسے محفل کے انداز سے معلوم ہوا کہ صلیبی کے قتل کا کسی کو پتہ نہیں چلا۔ وہ خراماں خراماں شاد بخت تک گئی اور اُسے اشارے سے بلایا۔ الگ جا کر اُسے بتایا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے۔ اُس نے قتل کی وجہ بھی بتائی۔

شاد بخت نے یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہ فاطمہ کو کسی نہ کسی نے اس صلیبی کے ساتھ اُدھر جاتے دیکھا ہوگا جہاں اُس کی لاش پڑی ہے اور اس کے پکڑے جانے کا امکان بڑا واضح ہے، اُسے کہا۔ "تمہیں اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ تم اگر گرفتار ہو گئی تو میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ گمشتگین تم جیسی خوبصورت لڑکی کا قید خانے میں کیا حال کرائے گا۔ اگر اس کا باپ مارا جاتا تو وہ پروا نہ کرتا۔ وہ ایک صلیبی کمانڈر کے قتل کا بڑا بھیانک انتقام لے گا۔"

"میں کہاں جاؤں؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"تھوڑی دیر یہیں گھومو پھرو۔" شاد بخت نے کہا۔ "میرا بھائی شمس الدین آ جائے تو اُس سے بات کروں گا۔"

"وہ کہاں چلے گئے ہیں؟" فاطمہ نے خوف سے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"کچھ دیر گزری انہیں اطلاع ملی تھی کہ پچھواڑے کی دیوار رسے سے پھلانگ کر ایک آدمی اندر آ گیا تھا۔ معلوم نہیں وہ کون ہے اور کس ارادے سے اندر آیا تھا۔ شمس الدین اُسے دیکھنے اور اُسے قید خانے میں ڈالنے یا جو بھی کارروائی مناسب سمجھے گا کرنے کے لیے گیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر تک نہ آیا تو میں خود چلا جاؤں گا۔ دل مضبوط رکھنا۔ ہم تمہیں چھپا لیں گے۔"

فاطمہ کے ذہن میں خیال آیا کہ پکڑا جانے والا انطانون ہی ہوگا۔ اُسے اطمینان سا ہوا کہ انطانون کو سالار شمس الدین کے حوالے کیا گیا ہے اور وہ اُسے بچانے کی کوشش کرے گا۔

وہ انطانون ہی تھا۔ اُسے دو سپاہیوں نے پکڑا تھا۔ چونکہ یہ شمس الدین کے شعبے کی ذمہ داری تھی کہ اس قسم کے مجرموں سے پوچھ گچھ کر کے کارروائی کرے اس لیے اُسی کو اطلاع دی گئی کہ ایک آدمی دیوار پھلانگ کر اندر آتے پکڑا گیا ہے۔ شمس الدین محفل سے اُٹھ کر باہر گیا تو سپاہیوں نے انطانون کو پکڑ رکھا تھا۔ شمس الدین نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اس مجرم کو نہیں جانتا اُس سے پوچھا۔ "تم تو شاید محافظ دستے کے جوان ہو۔ دیوار کیوں پھلانگی ہے؟ سچ سچ بتا دو ورنہ سزائے موت سے کم سزا نہیں دوں گا۔"

انطانون خاموش رہا۔ شمس الدین کو اس خیال سے غصہ آ رہا تھا کہ اُسے اُس نے کہا بھی تھا کہ [illegible] اور ذہن پر جذبات کو غالب نہ آنے دے۔ اُس نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا۔ ایک طرف تو اس نے فن کا یہ کمال دکھایا تھا

کہ ایک ہی کوشش میں محافظ دستے میں بھی شریک ہو گیا اور فوراً بعد اُس نے حرم تک رسائی حاصل کر لی مگر دوسری
طرف اُس نے ایسی حماقت کی کہ ایک ہی ہفتے میں پکڑا گیا۔ جاسوس کی حیثیت سے یہ اُس کا جرم تھا لیکن اس کی سزا اُسے
یہاں نہیں دی جاسکتی تھی، یہاں سے اُسے بچانا اور نکالنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فاطمہ کو بھی وہاں سے نکالنا ضروری
تھا کیونکہ اس انکشاف کا بھی خطرہ تھا کہ انطانون کو فاطمہ نے بلایا تھا اور رستہ دکھانے کا انتظام اُسی نے کیا تھا۔
شمس الدین نے دونوں سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر کہا کہ اسے وہاں لے جائیں اور وہ اُسے قید خانے میں
لے جانے کا انتظام کرنے جا رہا ہے۔ سپاہی اُسے لے گئے تو شمس الدین کسی اور طرف چلا گیا۔ اُس نے اپنے باڈی گارڈ
کو بلایا جو وہیں کہیں موجود تھا۔ باڈی گارڈ چلا گیا۔ اس کے بعد شمس الدین اندر چلا گیا اور اپنے بھائی شاد بخت کو
اپنے پاس بلایا۔ رقص ہو رہا تھا۔ مہمان عش عش کر رہے تھے۔ شراب بہہ رہی تھی۔ مشعلوں کے شعلوں اور فانوس
کی رنگ برنگی روشنیوں نے ناچنے والیوں کے رنگا رنگ لباسوں سے مل کر ایسی رونق پیدا کر رکھی تھی جس میں
الف لیلیٰ کا طلسم تھا۔ سب مدہوش اور مخمور ہوئے جا رہے تھے۔ صلیبی کی لاش ابھی وہیں پڑی تھی۔ اس طلسماتی
ماحول اور فضا میں شمس الدین اور شاد بخت کے درمیان انطانون اور فاطمہ کے متعلق باتیں ہوئیں۔ شاد بخت نے
شمس الدین کو بتایا کہ فاطمہ ایک صلیبی کو قتل کر چکی ہے۔
انہوں نے فاطمہ کو اپنے پاس بلایا اور اُسے اپنے کمرے میں جا کر لباس اور حلیہ بدل کر وہاں سے نکلنے کی ترکیب
اچھی طرح سمجھا دی۔ وہ خراماں خراماں وہاں سے غائب ہو گئی۔
کچھ دیر بعد دربان نے اندر آ کر شمس الدین کو اطلاع دی کہ باہر فلاں کمانڈر کھڑا ہے۔ شمس الدین باہر گیا۔
ایک کمانڈر گھبرایا ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے رپورٹ دی: "انطانون نام کے جس محافظ کو دیوار پھلانگتے پکڑا گیا تھا،
وہ فرار ہو گیا ہے۔"
"کیا وہ دو سپاہی مر گئے تھے جن کے حوالے میں انہیں کر کے آیا تھا؟" شمس الدین نے گرج کر پوچھا۔
"معلوم ہوتا ہے یہ اکیلے انطانون کا نہیں ایک سے زیادہ آدمیوں کا کام ہے۔" کمانڈر نے بتایا۔ "دونوں سپاہی
وہاں بے ہوش پڑے ہیں۔ ان کے سروں پر ضربوں کے نشان ہیں۔"
شمس الدین نے موقعۂ واردات پر جا کر دیکھا۔ دونوں سپاہی ہوش میں آ چکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یہاں کھڑے
تھے۔ اندھیرے میں پیچھے سے اُن کے سروں پر کسی نے ایک ایک ضرب لگائی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ شمس الدین نے
بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اُس وقت ایک عورت جس نے سر سے پاؤں تک برقعے کی طرز کا سیاہ ریشمی لبادہ لے رکھا تھا
اور اس میں سے اُس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، گمشتگین کی رہائش گاہ کے بڑے دروازے سے نکلی اور جانے
کہاں چلی گئی۔ اُس رات مہمانوں کا آنا جانا تو جاری ہی تھا۔ دربان اور محافظوں نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی
کہ یہ کون ہے جو مستور ہو کر جا رہی ہے۔
آدھی رات کے بعد جب مہمان رخصت ہوئے تو شہر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ گھوڑے اور بگھیاں گزرنے لگیں۔
ابھی ہیں ایک گھوڑ سوار گزرا جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر وہی مستور عورت تھی جو



گمشتگین کے گھر سے اکیلی نکلی تھی۔ یہ انتظام شمس الدین اور شاد بخت نے کیا تھا۔ اُس نے اُن دو سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر
کہا تھا کہ انطانون کو وہاں لے جا کر میرا انتظار کریں۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا تھا کہ وہ انطانون کو آزاد کرا کے اور
اُس کے گھر میں چھپا دیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شمس الدین اور شاد بخت کے باڈی گارڈ دراصل سلطان صلاح الدین
ایوبی کے کمانڈو جاسوس تھے۔ انہوں نے بروقت حرکت کی اور انطانون کو چھڑا کر لے گئے۔ اُدھر سے فاطمہ بھی کامیابی سے
نکل گئی اور شمس الدین کے گھر پہنچ گئی۔ وہاں انتظامات مکمل تھے۔ جب مہمان نکلے تو انہیں گھوڑے دے کر وہاں سے نکال دیا گیا۔
یہ رات تو رقص اور شراب کی مدہوشی میں گزر گئی۔ اگلی صبح صلیبی کی لاش دیکھی گئی اور گمشتگین کو یہ اطلاع بھی ملی
کہ اس کا ایک محافظ اور اُس کے حرم کی ایک لڑکی لاپتہ ہیں۔ اُس نے یہ حکم دے دیا کہ جن دو سپاہیوں کی حراست سے
انطانون بھاگا ہے اُن دونوں کو عمر بھر کے لیے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

☆

انطانون اور فاطمہ کا فرار سب کو بھول ہی گیا کیونکہ گمشتگین کے صلیبی دوستوں نے اپنے ایک کمانڈر کے
قتل پر اودھم بپا کر دیا تھا۔ انہیں دراصل اپنے کمانڈر کے مارے جانے پر اتنا افسوس نہیں تھا جتنا انہوں نے غل
غپاڑہ مچایا تھا۔ وہ دراصل گمشتگین کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کر کے اُس سے کچھ اور مراعات لینا چاہتے تھے اور یہ
نشہ دینا چاہتے تھے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دے۔ صلیبی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے حرموں میں ایسے
ڈرامے کھیلے ہی جاتے رہتے ہیں جن میں لڑکیاں اغوا بھی ہوتی ہیں، از خود بھی غائب ہوتی ہیں، اور وہاں پُراسرار
قتل بھی ہوتے ہیں، لیکن وہ گمشتگین کو مجبور کر دینا چاہتے تھے کہ سر اُن کے قدموں میں رکھ دے۔ جن سے مدد مانگی
جاتی ہے وہ اپنی ہر شرط منواتے اور غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صلیبیوں کی توقعات ہی کچھ اور تھی۔
یہ صورتِ حال چھپائی نہ جا سکی۔ حلب تک اس کی خبر پہنچ گئی۔ وہاں کے درباری امراء جو سلطان ایوبی کے
خلاف لڑ رہے تھے گمشتگین کو بھی اپنا اتحادی بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے الملک الصالح کی طرف سے گمشتگین کی
طرف ایک ایلچی بھیجا۔ اس کے ساتھ رواج کے مطابق بیش قیمت تحائف تھے۔ اِن تحائف میں دو جوان لڑکیاں بھی
تھیں۔ گمشتگین آرام کر رہا تھا۔ ایلچی اور لڑکیوں کو شمس الدین کے پاس لے گئے کیونکہ گمشتگین کے بعد وہی سالار
تھا جو سرکاری امور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اپنے گھر میں لڑکیوں کو الگ بٹھا کر اُس نے ایلچی سے پوچھا کہ وہ کیا پیغام
لایا ہے۔ اُس نے جو طویل پیغام دیا وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ صلیبی فوج لے
کر آیا جس سے سلطان ایوبی نے محاصرہ اٹھا دیا مگر ریمانڈ بغیر لڑے فوج واپس لے گیا۔ صلیبی آئندہ بھی ہمیں دھوکہ
دیں گے۔ ہم اگر الگ الگ ہو کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے تو ہم سب شکست کھائیں گے۔ ہمیں متحد ہو جانا
چاہیے تاکہ ایوبی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکیں۔
اس پیغام کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کا ایک منصوبہ تھا جو کچھ اس طرح تھا کہ ترکستان کی پہاڑیوں کی برف پگھل
رہی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی کے سپاہی بلندیوں پر نہیں رہ سکے کیونکہ وہاں پگھلتی برف کا پانی اُن کے
لیے رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ حملے کے لیے یہ موقع اچھا ہے۔ ہم سب اپنی فوجوں کو اکٹھا کر لیں تو ایوبی کی فوج کو گھیرے میں

ہی کو شکست دے سکتے ہیں۔ اس منصوبے میں یہ بھی تھا کہ صلیبی حکمران ریمنڈ کو اپنے ساتھ ملایا جاسکتا ہے
اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ (گمشتگین) اُسے اپنا منصوبہ بتائیں اور اُسے اپنا معاہدہ یاد دلائیں جس
کے تحت اُسے پیشگی تیسے ادا کیا گیا تھا۔

شمس الدین نے یہ پیغام شاد بخت کو سنایا۔ دونوں بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور سوچنے لگے کہ یہ
پیغام گمشتگین تک نہ پہنچنے پائے۔ وہ دونوں اس کوشش میں تھے کہ گمشتگین اکیلا سلطان ایوبی سے لڑے کیونکہ
اس طرح اُس کی شکست کا امکان تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے پاس فوج تھوڑی ہے۔ اس سے وہ اکیلے
اکیلے غدار حکمران کو آسانی سے ختم کر سکتا تھا...... یہ دونوں بھائی اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے پوری پوری احتیاط
کرتے تھے مگر اس موقع پر اُن پر جذبات کا غلبہ ہو گیا۔ جذبات کو مشتعل ان لڑکیوں نے کیا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے
لڑکیوں سے اُن کا مذہب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں۔ عمر کے لحاظ سے وہ نوجوان تھیں۔ شمس الدین اور
شاد بخت نے افسوس سا اظہار کیا کہ ایک تو مسلمانوں نے اپنے آپ میں یہ کمزوری پیدا کر لی ہے کہ خوبصورت لڑکی کے
عوض اپنا ایمان تک پھینک دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن مسلمان لڑکیوں کو شریف گھرانوں میں آباد ہونا ہوتا
ہے انہیں وہی والدین امراء کے حرموں میں دے دیتے ہیں۔

"تم کہاں کی رہنے والی ہو اور ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگی ہو؟" شاد بخت نے پوچھا۔ "تمہارے باپ
زندہ ہیں؟ بھائی نہیں ہیں؟"

لڑکیوں نے انہیں جو جواب دیا اس سے دونوں بھائیوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ جن علاقوں پر صلیبی قابض
تھے وہاں کے مسلمانوں کا جینا حرام ہو رہا تھا۔ کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ پہلے بھی سنایا جا چکا ہے کہ وہاں
کے مسلمان باشندے قافلوں کی صورت میں نقل مکانی کرتے تھے۔ ان کے ساتھ تاجر بھی چل پڑتے تھے۔ اس طرح
ہر قافلے کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی تھیں اور مال و دولت بھی۔ صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنے کا انتظام بھی کر رکھا
تھا۔ یہ تو یورپی مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ بعض صلیبی حکمران جو مشرق وسطیٰ میں کسی نہ کسی علاقے پر قابض تھے، ان
قافلوں کو اپنی فوج کے ہاتھوں لٹواتے تھے۔ لوٹنے والے کمسن لڑکیوں، جانوروں اور مال و دولت کو اٹھا لے جاتے
تھے۔ لڑکیوں کو وہ منڈی میں نیلام کرتے یا مسلمان امراء کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ ان میں کچھ لڑکیاں صلیبی
اپنے لیے رکھ لیتے اور انہیں جاسوسی اور اخلاقی تخریب کاری کے لیے تیار کرتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے
علاقوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

ان دونوں لڑکیوں کو ایک قافلے سے چھینا گیا تھا۔ اُس وقت دونوں تیرہ چودہ سال کی تھیں۔ وہ فلسطین کے
کسی مقبوضہ علاقے سے اپنے کنبوں کے ساتھ کسی محفوظ علاقے کو جا رہی تھیں۔ بہت بڑا قافلہ تھا جس پر صلیبی
ڈاکوؤں نے رات کے وقت حملہ کیا اور بہت سی لڑکیوں کو اٹھا لے گئے۔ یہ دونوں چونکہ غیر معمولی طور پر خوبصورت
تھیں اس لیے انہیں الگ کر کے ان کی خصوصی پرورش اور تربیت شروع کر دی گئی۔ ان پر غیر انسانی تشدد کیا گیا پھر
اُن کے ساتھ ایسا اچھا سلوک ہونے لگا جیسے وہ شہزادیاں ہوں۔ انہیں فی الواقع شہزادیاں بنا دیا گیا۔ شراب پلائی



گئی اور نہایت خوبی سے اُن کے ذہنوں کو صلیبیوں نے اپنے رنگ میں ڈھال لیا۔ چار پانچ سال بعد جب
سلطان نورالدین زنگی فوت ہو گیا تو صلیبیوں کی طرف سے ان دونوں لڑکیوں کو تحفے کے طور پر دمشق بھیجا گیا۔
انہیں صلیبیوں کا ایک مسلمان ایلچی ساتھ لایا تھا۔ یہ صلیبیوں کی خیر سگالی کا تحفہ تھا۔ وہ الملک الصالح اور اس
کے امراء کو سلطان ایوبی کے خلاف اور اپنے حق میں کرنا چاہتے تھے۔

ان لڑکیوں نے بتایا۔ "ہمارے ذہنوں سے مذہب اور کردار نکال دیا گیا تھا۔ ہم خوبصورت کھلونے بن گئی
تھیں لیکن ہمیں جب دمشق بھیجا گیا تو ہمارے ذہنوں میں اپنا مذہب اور کردار بیدار ہو گیا۔ ہمارے خون میں جو
اسلامی اثرات تھے وہ اُبھر کر ہماری روحوں پر چھا گئے۔ ہمیں اپنے ماں باپ اور بہن بھائی تو نہیں مل سکتے تھے ہم
نے ان مسلمان حاکموں اور بادشاہوں کو اپنے باپ اور بھائی سمجھ لیا لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ہمیں بیٹی اور
بہن نہیں سمجھا۔ صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہو کر ہمیں اتنا دکھ نہیں ہوا تھا جتنا مسلمان بھائیوں کے پاس آ کر
ہوا کیونکہ صلیبیوں سے ہمیں ایسے ہی سلوک کی توقع تھی۔ ہم نے ہر اُس مسلمان حاکم کے پاؤں پکڑے جن کے حوالے
ہمیں کیا گیا۔ ہاتھ جوڑے، اسلام کے، خدا اور رسولؐ کے واسطے دیئے کہ ہم اُن کی بیٹیاں ہیں، مظلوم ہیں، اُن
کی عزت ہیں مگر اُن کی آنکھوں میں شراب اور شیطان نے صلیب اور ستارے میں کوئی فرق نہیں رہنے دیا تھا......

"ہمارے اندر انتقام کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق میں آیا تو ہم بہت خوش
ہوئیں۔ صلیبیوں کے علاقوں میں مسلمان سلطان ایوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اسے وہ امام مہدی بھی کہتے ہیں۔ وہ
دمشق میں آیا تو ہم نے تہیہ کر لیا کہ اُس کے پاس چلی جائیں گی اور اُسے کہیں گی کہ ہمیں اپنی فوج میں رکھ لے اور
کوئی سا کام ہمیں دے دے مگر ہمیں وہاں سے زبردستی بھگا کر حلب لے آئے۔ اب انہوں نے ہمیں آپ کے
پاس بھیج دیا ہے۔ ہم آپ سے بھی توقع نہیں رکھتیں کہ آپ ہمیں بیٹیاں سمجھیں گے۔ ہم اتنا ضرور کہیں گی
کہ ہماری عصمت تو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے اسلام ہاتھ سے نہ جائے۔ ہم صلیبیوں کے ہاں رہیں تو وہاں
بھی سلطان ایوبی اور اسلام کے خلاف منصوبے بنتے دیکھے۔ مسلمانوں کے پاس رہیں تو وہاں بھی سلطان ایوبی کے
خلاف ہی باتیں سنیں۔ آپ ہمیں آزمائیں۔ ہم نے سنا ہے کہ صلیبی لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے آتی ہیں۔ آپ ہمیں
صلیبیوں کے علاقوں میں بھیجیں۔ ہمیں یہ ڈر تو رہا نہیں کہ ہماری عصمت لٹ جائے گی۔ وہ تو لٹ ہی چکی ہے۔ ہمیں
اسلام کے دفاع اور فروغ کے لیے اور صلیبیوں کی شکست کے لیے کچھ کرنے کا موقع دیں۔"

ان لڑکیوں کی یہ روئیداد ایسی تھی جس نے شمس الدین اور شاد بخت کو شدید جذباتی جھٹکا دیا۔ انہوں نے
لڑکیوں سے کہا کہ انہیں اب کسی عیش پرست حکمران کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

☆

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باڈی گارڈ نے اندر آ کر انہیں اطلاع دی کہ قاضی صاحب آئے ہیں۔ دونوں بھائی
ملاقات والے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں حران کا قاضی ابن الخشاب ابوالفضل بیٹھا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اُس نے
کہا۔ "سنا ہے حلب سے ایلچی آیا ہے اور پیغام کے ساتھ تحفے بھی لایا ہے۔"

"ہاں!" شادبخت نے کہا۔ "قلعہ دار سوئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایلچی کو اپنے پاس روک لیا ہے۔"

"میں وہ دو تحفے دیکھنے آیا ہوں۔" ابن الخاشب نے آنکھ مار کر کہا۔ "اُن کی ایک جھلک دکھا دو۔"

دونو بھائی جانتے تھے کہ یہ قاضی کس قماش کا انسان ہے۔ وہ گمشتگین پر چھایا ہوا تھا۔ شمس الدین نے دونو لڑکیوں کو اس کمرے میں بلایا۔ قاضی نے انہیں دیکھا تو اُس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ اُس کے منہ سے حیرت زدہ سرگوشی نکلی "آفریں..... ایسا حسن؟"

شمس الدین نے لڑکیوں کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ قاضی نے کہا "انہیں میرے حوالے کر دو۔ میں خود قلعہ دار کے سامنے لے جاؤں گا۔" اُس کی آنکھوں سے شیطان جھانک رہا تھا۔

"آپ قاضی ہیں۔" شمس الدین نے اسے کہا "قوم کی نظروں میں آپ کا مقام گمشتگین سے زیادہ بلند ہے۔ آپ کے ہاتھ میں عدل اور انصاف ہے۔"

قاضی نے قہقہہ لگایا اور کہا "تم فوجی احمق ہوتے ہو۔ تم شہری امور کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ قاضی مر گئے ہیں جن کے ہاتھ میں اللہ کا قانون اور عدل وانصاف ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنے حکمران سے نہیں خدا سے ڈرا کرتے تھے بلکہ حکمران بھی اُن کے ڈر سے کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتے تھے۔ اب حکمران اُسے قاضی بناتے ہیں جو اُن کی بے انصافیوں کو جائز قرار دے اور جو قانون کو نہیں حکمران کو خوش رکھے۔ میں اپنے خدا کا نہیں اپنے حکمران کا قاضی ہوں۔"

"اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کفار تمہارے دلوں پر قابض ہو گئے ہیں۔" شادبخت نے کہا۔ "ایمان فروش حکمران کا قاضی بھی ایمان فروش ہوتا ہے۔ تم جیسے قاضیوں اور مفتیوں نے اُمتِ رسول اللہ کو یہاں تک پہنچا دیا ہے جہاں ہمارے امراء اور حکمران اپنی ہی بیٹیوں کی عصمتوں سے کھیل رہے ہیں۔ یہ آپ کی مسلمان بھتیجیاں ہیں جنہیں آپ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔"

قاضی پر شیطان کا اتنا غلبہ تھا کہ اُس نے شمس الدین اور شادبخت کی باتوں کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی اور ہنس کر کہا۔ "ہندی مسلمان مُردہ دل ہوتے ہیں۔ تم ہندوستان سے یہاں کیوں چلے آئے تھے؟"

"غور سے سنو میرے دوست!" شمس الدین نے کہا۔ "میں تمہاری عزت صرف اس لیے کرتا رہا کہ تم قاضی ہو، ورنہ تمہاری اصلیت اتنی سی ہے کہ تم میرے ماتحت کمانڈر تھے۔ تم نے خوشامد اور چاپلوسی سے یہ مقام حاصل کر لیا ہے۔ میں تمہاری غیرت کو بیدار کرنے کے لیے نہیں بتاتا ہوں کہ ہم ہندوستان سے کیوں آئے تھے۔ چھ سو سال گزرے محمد بن قاسم نام کا ایک نوجوان جرنیل ایک لڑکی کی پکار اور فریاد پر اُس سرزمین سے جا کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ تم جانتے ہو ہندوستان کتنی دور ہے۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اس لڑکے نے فوج کس طرح وہاں پہنچائی ہوگی۔ تم خود فوجی ہو۔ اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ اُس نے مرکز سے اتنی دور جا کر رسد اور کمک کے بغیر جنگ کس طرح لڑی ہوگی۔ جذبات سے نکل کر اس کے عملی پہلو پر غور کرو.....

"اُس نے ایسی مشکلات میں فتح حاصل کی جن میں شکست کے امکانات زیادہ تھے۔ اُس نے صرف فتح



ہی حاصل نہیں کی ہندوستانیوں کے دلوں پر قبضہ کیا اور کسی ظلم وتشدد کے بغیر اُس کفرستان میں اسلام پھیلایا۔ پھر وہ نہ رہا۔ جنہوں نے اتنی دور جا کر ایک لڑکی کی عصمت کا انتقام لیا اور اسلام کا نور پھیلایا تھا، دنیا سے اُٹھ گئے اور وہ ملک اُن بادشاہوں کے ہاتھ آیا جو مجاہدین کے قافلے میں تھے ہی نہیں۔ انہیں وہ ملک مفت مل گیا۔ انہوں نے وہاں وہی حرکتیں شروع کر دیں جو آج یہاں ہو رہی ہیں۔ ہندو اُسی طرح مسلمانوں پر غالب آنے لگے جس طرح یہاں صلیبی غالب آ رہے ہیں۔ سلطنتِ اسلامیہ سکڑنے لگی اور جب ہم جوان ہوئے تو اُس سلطنت کی جڑیں بھی خشک ہو چکی تھیں جسے محمد بن قاسم اور اُس کے غازیوں نے خون سے سینچا تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے عرب سے رشتہ توڑ لیا۔ ہم دونو بھائی جن کے خاندان کو عسکری روایات سے پہچانا جاتا تھا وہاں سے مایوس ہو کر یہاں آ گئے۔ ہم ہندی مسلمانوں کے ایلچی بن کر آئے تھے۔ ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے آئے تھے.....

"سلطان نورالدین زنگی سے ملے تو اس نے بتایا کہ وہ ہندوستان کا رُخ کس طرح کر سکتا ہے۔ عرب کی سرزمین غداروں سے بھری پڑی ہے۔ زنگی مرحوم دور کے کسی محاذ پر اس لیے نہیں جاتا تھا کہ اُس کی غیر حاضری میں ادھر بغاوت ہو جائے گی جس سے صلیبی فائدہ اٹھائیں گے۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے کردار پر غالب آ گیا اور یہاں صلیبی غالب آ گیا ہے۔ زنگی نے ہمیں اپنی فوج میں رکھ لیا اور جب گمشتگین، سیف الدین اور عزالدین وغیرہ نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ گٹھ جوڑ شروع کر دیا تو سلطان زنگی مرحوم نے ہم دونو کو گمشتگین کی فوج میں اس مقصد کے لیے بھیج دیا کہ ہم اس پر نظر رکھیں کہ اُس کی خفیہ سرگرمیاں کیا ہیں۔"

"یعنی تم دونوں جاسوس ہو۔" قاضی ابن الخاشب نے طنزیہ کہا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" شمس الدین نے کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے مسلمان امراء اُس مردِ مجاہد کے خلاف لڑ رہے ہیں جو اسلام کو صلیب کے عزائم سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ آج کا ایلچی بہت خطرناک پیغام لایا ہے۔" اُس نے پیغام سُنا کر کہا۔ "گمشتگین پر تمہارا اثر ہے۔ تم اُسے روک سکتے ہو۔ تم اگر ہمارا ساتھ دو تو آؤ گمشتگین کو اس پر قائل کریں کہ وہ غداروں کے ساتھ اتحاد کرنے کی بجائے سلطان ایوبی کے ساتھ مل جائے ورنہ اسے ایسی شکست ہوگی جو اسے ساری عمر قید خانے میں بند رکھے گی۔"

"اس سے پہلے میں تم دونو کو قید خانے میں بند کرواتا ہوں۔" ابن الخاشب نے کہا۔ "دونوں لڑکیاں میرے حوالے کر دو۔"

وہ اُٹھ کر اُس کمرے کی طرف جانے لگا جس میں لڑکیاں تھیں۔ شادبخت نے اُسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ اُس نے شادبخت کو دھکا دیا۔ شادبخت نے اُسے منہ پر اتنی زور سے گھونسہ مارا کہ وہ پیچھے کو گرا۔ شمس الدین وہاں کھڑا تھا۔ اُس نے اپنا ایک پاؤں اُس کی شہ رگ پر رکھ دیا اور ایسا دبایا کہ تڑپ کر بے حس ہو گیا۔ دیکھا، وہ مر چکا تھا۔ ان بھائیوں کا ارادہ قتل کا تھا یا نہیں وہ مر گیا۔ انہوں نے سوچا کہ اب پکڑے تو جانا ہی ہے، انہوں نے اپنے دونوں اردلیوں کو بلایا۔ انہیں چار گھوڑے تیار کرنے کو کہا۔ گھوڑے تیار ہو گئے تو انہوں نے دو گھوڑوں پر دونو لڑکیوں کو بٹھایا۔ اردلیوں کو تلواریں اور تیر وکمان دے کر دوسرے گھوڑوں پر سوار ہونے کو کہا۔ وہ اور شادبخت

اُن کے ساتھ گئے اور قلعے کا دروازہ کھلوا کر ان چاروں کو بھاگ جانے کو کہا۔ انہیں انھوں نے یہ ہدایت دی تھی کر سلطان ایوبی کی فوج تک پہنچ جائیں۔ انہوں نے اِن اردلیوں کو تفصیل سے بتا دیا تھا کہ گمشتگین کا منصوبہ کیا ہے۔

چاروں گھوڑے باہر نکلتے ہی سرپٹ دوڑ پڑے۔ دونوں بھائیوں کو بھی نکل جانا چاہیے تھا۔ معلوم نہیں کیا سوچ کر وہ واپس آ گئے۔ گمشتگین جاگ کر آ چکا تھا۔ اُس نے ایلچی کو دیکھا تو اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اُس نے بتا دیا مگر وہاں لڑکیاں نہیں تھیں جو وہ تحفے کے طور پر لایا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے کہا کہ لڑکیاں جا چکی ہیں کیونکہ مسلمان تھیں۔ ہم نے انہیں وہاں بھیج دیا ہے جہاں اُن کی عزت محفوظ رہے گی۔ انھوں نے یہ بھی بتا دیا کہ قاضی کی لاش اندر پڑی ہے۔

گمشتگین نے لاش دیکھی۔ ایلچی دوسرے کمرے میں ان دونوں بھائیوں کی وہ باتیں سُن رہا تھا جو وہ قاضی ابن الخشاب سے کر رہے تھے۔ گمشتگین جل اُٹھا۔ اُس نے سالار شمس الدین علی اور سالار شاد بخت علی کو قید خانے میں ڈال دیا۔

حران کے قلعے سے دُور چار گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نہایت قیمتی راز سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے لے جا رہے تھے، اور اُس وقت ترکستان کی پہاڑیوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن عبداللہ سے پوچھ رہا تھا کہ اُن دونوں بھائیوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی؟ ✡ ✡

# جب سُلطان ایوّبی پریشان ہوگیا

سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو جب قاضی ابن الخاشب کے قتل اور تحفے کے طور پر آئی ہوئی دو لڑکیوں کو قلعے سے بھگا دینے کے جرم میں قید خانے میں ڈالا جا رہا تھا، اُس وقت الیاس ہی ایک ایلچی جو اِس قلعے میں آیا تھا موصل میں غازی سیف الدین کے پاس پہنچا۔ غازی سیف الدین خلافت کے تحت مُوصل اور اُس کے گرد و نواح کے علاقے کا گورنر مقرر کیا گیا لیکن نورالدین زنگی کی وفات کے بعد اُس نے اپنے آپ کو والیٔ موصل کہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوّبی کے خاندان کا ہی فرد تھا مگر کردار اور ذہنیت کے لحاظ سے سلطان ایوّبی کے اُلٹ تھا۔ مُوصل اسلامی سلطنت کا حصّہ تھا مگر سیف الدین وہاں کا آزاد حکمران بن گیا تھا، اور سلطان ایوّبی کے مخالفانہ محاذ میں شامل ہوگیا تھا۔ اُس کا بھائی عزّالدّین تجربہ کار جرنیل تھا۔ فوج کی اعلیٰ کمان اُسی کے پاس تھی۔ سیف الدّین چونکہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا اس لیے اُس کی عادات بادشاہوں جیسی تھیں۔ اُس نے حرم میں ملک ملک کی لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھر رکھی تھیں۔ اُس کا دوسرا شوق پرندے رکھنے کا تھا جس طرح اُس نے حرم میں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی رکھی ہوئی تھی اسی طرح اُس نے رنگ برنگے پرندے بھی پنجروں میں بند کر رکھے تھے۔ اُس کی ذاتی دلچسپیاں حرم اور پرندوں کے ساتھ تھیں۔

اُسے اپنے بھائی عزّالدین کی عسکری اہلیت پر اعتماد تھا اور اُسے توقع تھی کہ وہ سلطان ایوّبی کو شکست دے کر اپنی ریاست الگ بنائے رکھے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے حران کے قلعہ دار گمشتگین کی طرح اور نام نہاد سلطان الملک الصالح کی طرح اپنے پاس صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے جنہوں نے اُسے اُمید دلا رکھی تھی کہ سلطان ایوّبی کے خلاف جنگ کی صورت میں صلیبی اُسے جنگی مدد دیں گے۔ اس طرح سلطان ایوّبی کے لیے صورت یہ پیدا ہوگئی تھی کہ مسلمانوں کی تین فوجیں اُس کے خلاف لڑنے کو تیار اور پا بہ رکاب تھیں۔ ایک حلب میں، دوسری حران میں اور تیسری مُوصل میں۔ یہ تو بڑے بڑے مسلمان حکمران اور اُمراء تھے۔ چھوٹے چھوٹے شیخ اور چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے نواب جن کی تعداد کا علم نہیں ان تین بڑے حکمرانوں کے حامی، ممد اور معاون تھے۔ انہوں نے ان تینوں کو فوجی اور مالی مدد دینے کا وعدہ کر رکھا تھا اور مدد دے بھی رہے تھے۔ انہیں کہا گیا تھا کہ اگر سلطان چھا گیا تو جس طرح اُس نے شام اور مصر کا الحاق کر کے ایک سلطنت بنائی ہے اسی طرح وہ ہر ایک مسلمان ریاست کو اپنی سلطنت میں

مدغم کر کے سب کو غلام بنا لے گا۔

وہ بظاہر متحد تھے لیکن اندر سے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک دوسرے سے کمزور رہیں۔ ان کی حالت چھوٹی بڑی مچھلیوں کی مانند تھی۔ ہر چھوٹی مچھلی بڑی مچھلی سے خائف تھی اور خواہشمند کہ وہ بھی بڑی مچھلی بن جائے۔ سلطان ایوبی اپنے انٹیلی جنس کے نظام کے ذریعے اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے مخالفین میں نفاق ہے، تاہم وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ ہر حال اس حقیقت کو سامنے رکھتا تھا کہ تین بڑی فوجیں اُس کے خلاف محاذ آرا ہیں۔ فوج آخر فوج ہوتی ہے، بھیڑ بکریوں کا ریوڑ نہیں ہوتی۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ تینوں افواج کے کمانڈر اور جوان مسلمان ہیں اور فنِ سپاہ گری اور شجاعت جو مسلمان کے حصے میں آئی ہے وہ خدا نے کسی اور قوم کو عطا نہیں کی۔ صلیبی چار پانچ گنا تعداد میں لشکر لے کے آئے تو مسلمان سپاہ نے قلیل تعداد میں انہیں شکست دی، اور ان احوال و کوائف میں بھی شکست دی کہ صلیبیوں کا اسلحہ برتر تھا اور فوجیں زرہ پوش تھیں۔ گھوڑوں کی پیشانیاں اور پچھلے حصے بھی زرہ پوش تھے۔

سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان فوج مسلمان فوج کے مقابلے میں آئی تھی۔ حلب کی مسلمان فوج اور وہاں کے شہریوں نے جس بے جگری سے حلب کا دفاع کیا تھا اس سے سلطان ایوبی کے پاؤں اکھڑنے لگے تھے۔ وہ اس معرکے کو ذہن سے اُتار نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر فوج کشی کر رہا ہے۔ یہ الزام عائد کرنے والے اُسی عباسی خلافت کے حامی تھے جسے اُس نے مصر میں معزول کیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ مسلمان حکمران اور اُمراء سلطان ایوبی کے اِس عزم کے راستے میں آ گئے تھے کہ وہ فلسطین کو آزاد کرائے گا۔ اُسے یہ خیال چین نہیں لینے دیتا تھا کہ قبلۂ اوّل پر کفار کا قبضہ رہے اور وہ یہودیوں کے عزائم سے بھی بے خبر نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی یہ دعویٰ لیے پھرتے ہیں کہ فلسطین اُن کا وطن ہے اور قبلۂ اوّل مسلمانوں کی نہیں یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔ یہودی فوج لے کر سامنے نہیں آ رہے تھے، وہ صلیبیوں کو مالی امداد دے رہے تھے اور انہوں نے جو سب سے زیادہ خطرناک مدد صلیبیوں کو دے رکھی تھی وہ غیر معمولی طور پر خوبصورت، جوان اور نہایت ہوشیار اور چالاک لڑکیوں کی صورت میں تھی۔ ان لڑکیوں کو جاسوسی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کی کردار کشی کے لیے بھی۔ سلطان ایوبی کو یہ حقیقت اور زیادہ پریشان کرتی تھی کہ صلیبی فوجیں بھی موجود ہیں جن کے اعلیٰ کمانڈر اور حکمران اُس کے مسلمان مخالفین کو شہ دے رہے ہیں۔ ان حالات میں سلطان ایوبی چوکنا تھا۔ وہ اپنی فوج کو نہایت اچھے طریقے سے ڈیپلائے کیے ہوئے تھا اور اُس نے انٹیلی جنس کے نظام کو دشمنوں کے علاقے میں بھیج رکھا تھا۔ اُس کا جو جنگی پلان تھا، اس میں اُس نے زیادہ تر بھروسہ چھاپہ مار (کمانڈو) ٹولیوں اور جاسوسوں پر کیا تھا۔

☆

مُوصل میں بھی حلب کا ایلچی پہنچا۔ الملک الصالح اور اُس کے درباری اُمراء نے والئ مُوصل کے لیے پیغام کے ساتھ جو تحفے بھیجے تھے اُن میں اُسی طرح کی دو لڑکیاں تھیں جس طرح حران کے قلعہ دار گمشتگین کو بھیجی گئی تھیں۔



حران میں تو دو ہندوستانی جرنیلوں شمس الدین اور شاد بخت نے ان لڑکیوں کو فرار کرا دیا، قاضی کو قتل کیا اور قید خانے میں بند ہو گئے تھے لیکن مُوصل میں جو لڑکیاں گئیں انہیں وہاں کے والی سیف الدین نے بسروچشم قبول کیا۔ اُس کے حرم میں یہ نہایت دلنشیں اضافہ تھا۔ حلب کے ایلچی نے وہی پیغام دیا جو گمشتگین کو دیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ صلیبی حلب والوں کو مدد کے معاملے میں دھوکہ دے چکے ہیں اس لیے اُن پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور اُن کی دوستی سے بھی دستبردار بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اُن سے مدد حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم آپس میں متحد ہو کر سلطان ایوبی پر حملہ کریں۔ وہ الترستان کے سلسلۂ کوہ میں قرونِ حماۃ (حماۃ کے سینگ) کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ ہم حملہ کریں گے تو صلیبی اُس پر عقب سے حملہ کریں گے۔

اس پیغام میں ایک پلان بھی تھا جس میں کچھ اس قسم کی وضاحت کی گئی تھی کہ وہاں برف پگھل رہی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق سلطان ایوبی کی مورچہ بندیاں برف کے بہتے پانی کی وجہ سے تہس نہس ہو گئی ہیں۔ ہم تین فوجوں سے اُسے انہی وادیوں میں محاصرے میں لے کر آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔ پیغام میں کہا گیا تھا کہ گمشتگین کو بھی پیغام بھیجا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ متحدہ محاذ میں اپنی فوج کو شامل کر دے گا۔ آپ (سیف الدین) بھی مزید وقت ضائع کیے بغیر اپنی فوج کو مشترکہ کمان میں دے دیں تاکہ صلاح الدین ایوبی کو فیصلہ کن شکست دی جا سکے۔

سیف الدین نے یہ پیغام سنتے ہی اپنے بھائی عزالدین کو، دو سینئر جرنیلوں کو اور مُوصل کے ایک نامی گرامی خطیب ابن المخدوم ککبوری کو بلایا۔ سب آ گئے تو اُس نے ایلچی کا یہ پیغام سب کو سنا کر کہا۔ "آپ سب میرے اس فیصلے اور ارادے سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں صلاح الدین ایوبی کی اطاعت قبول نہیں کروں گا۔ میری رگوں میں بھی وہی خون ہے جو اُس کی رگوں میں ہے۔ آپ لوگ مجھے یہ مشورہ دیں کہ میں فوری طور پر اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے دوں یا نہیں۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ ہماری فوج ظاہری طور پر مشترکہ کمان میں رہے لیکن آپ لوگ اُسے الگ تھلگ لڑائیں تاکہ جو علاقہ ہماری فوج فتح کرے اُس کا مالک میرے سوا اور کوئی نہ بن سکے۔"

ایک سالار نے کہا۔ "آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے ارادے اتنے بلند ہیں جو کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔"

"صلاح الدین ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے ہمیں نہیں۔" دوسرے سالار نے کہا۔ "آپ اپنی فوج متحدہ محاذ میں شامل کر دیں لیکن کمان اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ ہم اپنی فوج کو اس طرح لڑائیں گے کہ ہماری کامیابیاں حلب اور حران کی فوج سے الگ تھلگ نظر آئیں گی۔"

"ہم آپ کے حکم پر جانیں قربان کر دیں گے شہنشاہِ مُوصل!" پہلے سالار نے کہا۔ "ہم آپ کو اُس سلطنتِ اسلامیہ کا شہنشاہ بنائیں گے جس کے خواب صلاح الدین ایوبی دیکھ رہا ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھوں گا۔" دوسرے نے کہا۔ "اُس کی فوج الترستان کی وادیوں سے زندہ نہیں نکل سکے گی۔ آپ فوری طور پر کوچ کا حکم دیں۔ فوج تیار ہے۔"

دونوں سالار ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنی وفاداری اور ایثار کا اظہار کر رہے تھے۔ عزالدین خاموش بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا اور خطیب ابن المخدوم کبھی ان سالاروں کو اور کبھی سیف الدین کو دیکھتا اور سر جھکا لیتا تھا۔

"عزالدین تمہارا کیا خیال ہے؟" سیف الدین نے اپنے بھائی سے پوچھا۔

"مجھے آپ کے اس فیصلے سے اتفاق ہے کہ ہمیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے۔" عزالدین نے کہا۔ "لیکن ہمارے سالاروں کو اس قسم کی جذباتی باتیں زیب نہیں دیتیں جیسی ان دونوں نے کی ہیں۔ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے ہمیں نہیں، ایوبی کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ میں یہ کہوں گا کہ جس نے کم تعداد میں صلیبیوں کی کئی گنا زیادہ فوج کو شکست دی ہے وہ آپ کو بھی شکست دے سکتا ہے۔ جس نے صحرائی فوج برفانی وادیوں میں لڑا کر چار قلعے فتح کر لیے اور ریجنالڈ کی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کیا ہے وہ برف پگھل جانے کے بعد بھی اسی طرح لڑے گا۔ ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ دشمن کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ آپ یہ سوچیں کہ وہ حالات کیسے ہیں جن میں آپ کو لڑنا ہے۔ اُس میدان کی بات کریں جہاں آپ لڑیں گے اور اُس دشمن کی فوج کی بات کریں جو آپ کے مقابل ہے۔"

عزالدین نے سلطان ایوبی کی فوج کی خوبیاں بیان کیں، پھر سلطان ایوبی کے لڑنے کے طریقے بیان کیے اور جس میدان میں لڑائی متوقع تھی اُس کے کوائف پر روشنی ڈال کر کہا۔ "برف پگھل رہی ہے اور بہار کی بارشیں اس سال تاخیر سے برس رہی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج خیموں میں ہے لیکن گھوڑوں کو خیموں میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس وقت اس کی فوج کے جانور درختوں کے نیچے یا کھوہوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ گھوڑے اور اونٹ اس حالت میں زیادہ دیر تندرست نہیں رہ سکتے۔ یہ توقع بھی رکھنی چاہیے کہ ایوبی کے سپاہی پہاڑی علاقے سے اُکتا چکے ہوں گے۔ یہ بھی پیش نظر رکھ لیں کہ ہم نے اپنی فوج حلب اور حران کی فوج سے ملا دی تو ایوبی محاصرے میں لیا جا سکے گا لیکن یہ بھی نہ بھولیں کہ مسلمان سپاہی جب مسلمان سپاہی کے آمنے سامنے آئے گا تو اسلام کا ابدی رشتہ انہیں گتھم گتھا کرنے کی بجائے انہیں بغل گیر بھی کر سکتا ہے۔ تلواریں جو وہ ایک دوسرے کے خلاف نکالیں گے جھک بھی سکتی ہیں اور خون بہائے بغیر نیاموں میں واپس جا سکتی ہیں۔"

"عزالدین!" سیف الدین نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم صرف فوجی ہو۔ تم صرف خون، تلوار اور نیام کی باتیں سوچ سکتے ہو۔ یہ چالیں مجھ سے سیکھو کہ مسلمان سپاہی کو مسلمان سپاہی کے خلاف کس طرح لڑایا جا سکتا ہے۔ پرسوں ماہِ رمضان شروع ہو رہا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نماز روزے کا جس قدر خود پابند ہے اتنی ہی پابندی اپنی فوج سے کراتا ہے۔ اُس کی تمام فوج روزے سے ہو گی۔ ہم اپنی فوج سے کہہ دیں گے کہ جنگ میں روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ محترم خطیب تمہارے پاس بیٹھے ہیں۔ میں ان کی جانب سے اعلان کرا دوں گا کہ جنگ میں روزے معاف ہیں۔ ہم حملہ دوپہر کے بعد کریں گے۔ علی الصبح حملہ کیا تو ایوبی کے سپاہی تر و تازہ ہوں گے۔ دوپہر کے بعد ہمارے سپاہیوں کے پیٹ میں کھانا ہو گا اور صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بھوکے اور



پیاسے ہوں گے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ فیصلہ غلط تو نہیں کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے؟"

"آپ کا یہ فیصلہ برحق ہے۔" ایک سالار نے کہا۔

"آپ کے فیصلے کو ہم عملی شکل دے کر ثابت کریں گے کہ یہ فیصلہ ہر لحاظ سے صحیح ہے۔" دوسرے سالار نے کہا۔

"آپ کے فیصلے کے خلاف میں نے کوئی بات نہیں کی۔" عزالدین نے کہا۔ "ایک مشورہ اور دوں گا۔ مجھے آپ محفوظہ میں رکھیں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں بعد میں حملہ کروں گا۔ پہلے تصادم کی کمان آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں۔"

"ایسا ہی ہو گا۔" سیف الدین نے کہا۔ "فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لو اور فوری تیاری کا حکم دے دو۔ محفوظہ میں جو حصہ رکھنا چاہتے ہو اُسے اپنے پاس رکھو۔"

☆

وہاں خطیب ابن المخدوم بھی موجود تھا۔ سیف الدین نے اُس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ "قابل صد احترام خطیب! آپ نے کئی بار قرآن سے فال نکال کر مجھے خطروں سے آگاہ کیا ہے۔ آپ نے میری کامیابی اور سلامتی کے وظیفے کیے اور خدا کے حضور میرے لیے دعا بھی کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سے بڑھ کر میں کسی کو برگزیدہ نہیں سمجھتا۔ اگر کسی انسان کے آگے سجدے کی اجازت ہوتی تو میں آپ کے آگے سجدہ کرتا۔ اب میں ایسی مہم پر جا رہا ہوں جس کی کامیابی مخدوش ہے۔ میں ایک طاقتور دشمن کے مقابلے میں جا رہا ہوں۔ جنگ میں فتح ہوتی ہے یا شکست۔ مجھے قرآن سے فال نکال کر بتائیے کہ میری قسمت میں فتح لکھی ہے یا شکست۔"

"امیر محترم!" خطیب اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ "یہ صحیح ہے کہ آپ نے کئی بار مجھ سے قرآن میں سے فال نکلوائی ہے۔ سلطان نورالدین زنگی مرحوم و مغفور کی زندگی میں آپ ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ کے تعاقب میں گئے تھے تو میں نے قرآن میں سے فال نکال کر آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور آپ کامیاب لوٹے تھے۔ صلیبیوں کے خلاف آپ جب بھی گئے میں نے فال نکالی اور آپ کو خطروں سے خبردار کیا اور کامیابی کی خبر دی۔ اللہ کا شکر کہ میری نکالی ہوئی ہر فال صحیح نکلی، مگر..." خطیب نے پہلے عزالدین کی طرف پھر دونوں سالاروں کو دیکھا اور کہا۔ "مگر موصل کے امیر! اب بغیر فال نکالے میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ جس مہم پر آپ فوج لے جا رہے ہیں اس میں آپ کامیاب لوٹیں گے یا ناکام۔"

"جلدی بتائیے میرے محترم اُستاد!" سیف الدین نے بے تاب ہو کر کہا۔

"آپ کو ایسی بری شکست ہو گی جس میں آپ وقت پر نہ بھاگے تو آپ ہلاک ہو جائیں گے۔" خطیب نے کہا۔ "اس مہم پر نہ خود جائیں نہ اپنے بھائی کو بھیجیں نہ اپنی فوج کو بھیجیں۔"

سیف الدین کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ گھبرا گیا ہے یا ڈر گیا ہے۔ عزالدین اور سالاروں پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔ خطیب سیف الدین پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"آپ نے قرآن تو کھولا نہیں" سیف الدین نے کہا۔ "قرآن کے بغیر آپ نے فال کیسے نکالی؟ میں کیسے مان لوں کہ آپ نے مجھے جو بُری خبر سنائی ہے وہ صحیح ہے؟"

"سنو موصل کے امیرو!" خطیب ابن المخدوم نے کہا۔ "میں آج آپ کو بتاتا ہوں کہ قرآن سے جو فالیں نکال کر میں آپ کو کامیابی کے مژدے سناتا رہا، اُن کا قرآن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ قرآن کسی جادوگر کی لکھی ہوئی کتاب نہیں۔ قرآن صرف یہ فال بتاتا ہے کہ جو اس مقدس کتاب میں احکاماتِ خداوندی تحریر ہیں ان پر جو عمل نہیں کرے گا وہ ناکام اور نامراد رہے گا۔ اس سے پہلے آپ صلیب کے پرستاروں کے خلاف لڑنے گئے تو آپ کے کہنے پر میں نے قرآن کی فال آپ کو بتائی کہ آپ کامیاب لوٹیں گے۔ اس کے بعد آپ جس مہم پر بھی گئے میں نے آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور کہا کہ یہ قرآن کی فال ہے۔ ہر فال ٹھیک تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کی ہر مہم اور ہر کام خدا کے حکم کے عین مطابق تھا، مگر یہ مہم جس پر آپ جا رہے ہیں خدائی احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔ آپ کفار کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ اُن سے مدد مانگ کر رسولِ مقبولؐ کی ناموس پر فدا ہونے والوں کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی رسولِ مقبولؐ کی ناموس پر فدا ہونے آیا ہے؟" سیف الدین نے بھڑک کر کہا۔ "میں کہتا ہوں وہ ایک وسیع سلطنت کی سلطانی کا خواب دیکھ کر آیا ہے۔ ہم اُس کا یہ خواب پورا نہیں ہونے دیں گے۔ اُسے موت یہاں لے آئی ہے۔ اُسے موت کے حوالے کر کے ہم صلیب کے پرستاروں کو ختم کریں گے۔"

"آپ مجھے کھوکھلے لفظوں کا فریب دے سکتے ہیں، خدا کو نہیں۔" خطیب نے کہا۔ "خدا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم سب نے اپنے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔ فتح اُس کی ہے جس نے اپنے نفس پر فتح پالی۔ میں آج آخری پیشین گوئی کر رہا ہوں، شکست آپ کا مقدر ہو چکی ہے۔ اگر آپ اسلام کے پرچم تلے چلے جائیں اور اللہ کی راہ میں قتال اور جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں تو آپ کے مقدر کا لکھا ٹل سکتا ہے۔"

"محترم خطیب!" عزالدین بول پڑا۔ "آپ اپنے مذہب اور اپنی مسجد سے سروکار رکھیں۔ جنگی امور اور سلطنتوں کے معاملات کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ آپ ہمارا دل اور ہمارا جذبہ توڑنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم اُن عناصر سے مالا مال ہیں جن سے جنگ جیتی جا سکتی ہے۔"

"اگر آپ جنگ کو مذہب اور مسجد سے الگ کر کے لڑیں گے تو نہ دل آپ کا ساتھ دے گا نہ جذبہ۔" خطیب نے کہا۔ "آپ نے صحیح فرمایا کہ میں جنگی امور سمجھنے سے قاصر ہوں لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ جنگ صرف ہتھیاروں اور گھوڑوں سے نہیں جیتی جا سکتی، اور جنگ اُس عسکری قابلیت سے بھی نہیں جیتی جا سکتی جس پر آپ کو ناز ہے اور جس کے بھروسے پر آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک عنصر اور بھی ہے جو فتح کو شکست میں بدل دیا کرتا ہے۔"

سب نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے کہا۔ "جس قوم کا حکمران خوشامد پسند ہو جائے وہ اپنے



ساتھ قوم اور ملک کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ وہ حکومت کے امور خوشامدیوں اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں کے حوالے کر دے تو وہ ایک آزاد اور خوددار قوم کو بھوکی ننگی اور غلام رعایا میں بدل دیتے ہیں اور جب یہ حکمران فوج کی کمان خوشامدی سالاروں کو دے دیتے ہیں تو ملک کو دشمن کھا جاتا ہے۔ خوشامدی سالار اپنے ماتحتوں سے خوشامد کرواتے ہیں، پھر اُن کا مقصد قوم اور ملک کے لیے لڑنا نہیں بلکہ حکمران کی خوشنودی حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ میں نے آپ کے اِس دربار میں دیکھا ہے کہ دونوں سالاروں نے آپ کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اور ایسی جذباتی باتیں کی ہیں جو جنگجو نہیں کیا کرتے۔ دونوں نے آپ کے فیصلے اور ارادے کی تعریف کر دی ہے لیکن آپ کو خطروں سے خبردار نہیں کیا۔ انہوں نے آپ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ صلیبی تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں، مسجدِ اقصیٰ پر کفار کا قبضہ ہے لہٰذا اِن حالات میں بہتر یہ ہو گا کہ آپ، گمشتگین اور حلب کے امراء وغیرہ صلاح الدین ایوبی کے پاس جائیں اور اگر آپ ہی سچے ہیں تو اُسے جھوٹا اور سلطانی کا لالچی ثابت کریں....

"مگر آپ کے سالاروں نے آپ کو ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا۔ آپ کے سالاروں نے آپ کو یہ بھی نہیں بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے ترکستان کے پہاڑی علاقے کو اڈہ بنا کر اپنے دستے دُور دُور تک اس طرح پھیلا دیئے ہیں کہ آپ اُسے محاصرے میں لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ آپ اُس کے چھاپہ ماروں سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن آپ کے سالاروں نے آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ پہلو آپ کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کہ ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار آپ کے سینے سے راز نکال کر لے جا سکتے ہیں اور آپ کے حرم کی لڑکیوں کو اٹھا لے جا سکتے ہیں۔ آپ کی فوج یہاں سے کُوچ کرے گی تو صلاح الدین ایوبی کو آپ کی فوج کی رفتار، تعداد اور کُوچ کی سمت کا علم ہو جائے گا۔"

"سلطانِ موصل!" ایک سالار نے غصے میں آ کر کہا۔ "کیا ہم اپنی توہین برداشت کرتے رہیں؟ مسجد میں دن رات بیٹھ کر اللہ ہو، اللہ ہو کا وِرد کرنے والا ہمارا اُستاد بننے کی جسارت کر رہا ہے۔ یہ آپ کے فیصلے کی مخالفت کر کے ہمارے سامنے آپ کی توہین کر رہا ہے۔"

"مجھے سُن لینے دو۔" سیف الدین نے کہا۔ "میں محترم خطیب کو ابھی تک احترام کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

"بولیے محترم خطیب!" عزالدین نے طنزیہ کہا۔ "اس کے بعد آپ کو یہ بھی بتانا ہو گا کہ آپ کی وفاداریاں کس کے ساتھ ہیں۔ ہمارے ساتھ یا صلاح الدین ایوبی کے ساتھ۔"

"میری وفاداریاں اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ ہیں۔" خطیب نے عزالدین سے کہا۔ "میں آپ کی تعریف اتنی سی کروں گا کہ آپ نے اپنے بھائی کو دو چار باتیں تو حقیقت کے رنگ میں بتائی ہیں۔ باقی آپ نے بھی دماغ اور آنکھیں بند کر کے بات کی ہے۔ عماد الدین بھی تو آپ کا بھائی ہے۔ کبھی سوچا آپ نے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست کیوں ہے اور آپ کی حمایت کے لیے کیوں نہیں آتا؟"

"آپ ہمارے خاندانی معاملات میں دخل نہ دیں۔" عزالدین نے کہا۔ "آپ دراصل ہم پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور ہم سب کو اُس کے آگے سجدے کرنے چاہئیں۔ آپ کو صرف یہ کہا گیا تھا کہ قرآن سے فال نکال کر بتائیں کہ ہماری یہ مہم کامیاب رہے گی یا ناکام۔"

"قرآن اپنا حکم صادر کر چکا ہے۔" خطیب نے آواز میں جوش پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں آپ کے سامنے حقیقت پوری طرح بے نقاب کرتا ہوں۔ صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر نہیں، وہ ایک طوفان ہے، ایک سیلاب ہے جو کفر کو گھاس کی سوکھی ہوئی پتیوں کی طرح بہا لے جانے کے لیے دمشق سے اُٹھا ہے۔ آپ سب درخت سے ٹوٹ کر گری ہوئی ٹہنیاں ہیں۔ آپ کے پتے مُرجھا رہے ہیں جو جھڑ کر اس طوفان کے ساتھ غائب ہو جائیں گے۔ ایوبی نے آپ پر چڑھائی نہیں کی۔ آپ اس کے راستے میں آگئے ہیں۔ آپ کا حشر وہی ہوگا جو سیلاب کے راستے میں آنے والوں کا ہوتا ہے۔"

"خطیب!" سیف الدین نے گرج کر کہا۔ "میرے دل سے اپنا احترام نہ نکالو۔"

"تم!... سیف الدین!..." خطیب نے بارعب آواز میں کہا۔ "تم زمین کے اس ذرا سے خطے کے بادشاہ ہو۔ ڈرو اُس کی ذات سے جو دونوں جہان کا بادشاہ ہے۔ میرا احترام نہ کرو، میرے منہ پر تھوک دو مگر اپنے رسولؐ کے راستے سے نہ ہٹو۔ تم پر بادشاہی کا نشہ طاری ہے۔ اِن بے وقار سالاروں نے اور تمہاری حکومت کے عہدیداروں نے تمہیں خوش رکھنے کے لیے تمہیں بادشاہ بنا ڈالا ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ یہ محض خوشامد ہے اور تم بادشاہ نہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ بے وقار خوشامدی تمہارے دشمن ہیں، اپنی قوم کے اور اپنے ملک کے دشمن ہیں۔ تم پر زوال آئے گا تو تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے اور اُس کے پاپوش چاٹیں گے جو تمہاری گدی پر بیٹھے گا۔ مجھے غصے سے نہ دیکھو سیف الدین! اپنا گھر دوزخ میں نہ بنا۔ تاریخ سے عبرت حاصل کر۔ ان غلاموں کی ذہنیت والوں نے ایک سے ایک جابر بادشاہ کو گدا کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ افسوس اس پہ ہے کہ رسولِ مقبولؐ کی اُمت بھی اس تباہی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ تیرے جیسے بادشاہ اُمتِ رسول اللہؐ کو تاریخ کی ٹھوکروں سے اوجھل کر کے ہی دم لیں گے۔"

"لے جاؤ اُسے یہاں سے۔" سیف الدین غصے سے کانپتی آواز میں گرجا۔ "اسے وہاں بند کر دو جہاں سے اس کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔"

ایک سالار کے پکارنے پر دو باڈی گارڈ اندر آئے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ خطیب کو قید خانے میں لے جائیں۔ اُسے جب دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لے جا رہے تھے تو سیف الدین کو اُس کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ "بادشاہی کا لالچ مذہب سے بیگانہ کرتا ہے۔ خوشامد پسند حکمران ملک اور قوم کو بیچ کھاتا ہے۔ کافر کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے۔ فلسطین ہمارا ہے۔ فلسطین میرے رسولؐ کا ہے۔ تمہیں کافر اس لیے آپس میں لڑا رہا ہے کہ فلسطین پر اُس کا قبضہ رہے۔ آپس میں لڑتے رہو گے تو قبلۂ اوّل تم پر لعنت بھیجتا رہے گا۔"

خطیب المخدوم کو گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اور وہ بلند آواز سے بولتا جا رہا تھا۔ بہت سے فوجی باہر نکل آئے اور آن کی آن میں یہ خبر تمام تر موصل میں پھیل گئی۔ "خطیب المخدوم پاگل ہو گیا ہے.... خطیب کو قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے۔" یہ آوازیں شہر میں گھومتے پھرتے خطیب کے گھر کے دروازے میں داخل ہو گئیں۔ اس گھر میں خطیب کی نوجوان بیٹی تھی۔ اس گھر میں یہی دو افراد تھے۔ یہ لڑکی اور اُس کا باپ خطیب۔ خطیب



کی یہ واحد اولاد تھی۔ اُس کی بیوی عرصہ گزرا مر گئی تھی۔ خطیب نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ وہ اس بیٹی کے سہارے جی رہا تھا اور بیٹی اُس کی خاطر زندہ تھی۔

بہت سی عورتیں اُس کے گھر میں چلی گئیں۔ یہ گھر سب کے لیے بڑا ہی قابلِ احترام تھا کیونکہ یہ خطیب کا گھر تھا۔ عورتوں نے لڑکی سے پوچھا کہ اُس کے باپ کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا واقعی وہ پاگل ہو گیا ہے؟

"ایسا ہونا ہی تھا۔" لڑکی نے کہا۔ "ایسا ہونا ہی تھا۔" اُس کے انداز میں ٹھہراؤ سا تھا، افسوس اور گھبراہٹ نہیں تھی۔ اس کے بعد اُس کے پاس جو بھی عورت آئی لڑکی نے یہی کہا۔ "ایسا ہونا ہی تھا۔"

موصل میں خطیب کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حران میں دو سالاروں شمس الدین اور شاد بخت کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ گمشتگین کو پہلی بار پتہ چلا کہ اُس کے یہ دونوں سالار دراصل صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہیں اور جاسوس۔ اِن دونوں کو قید خانے میں ڈال کر گمشتگین رات کے وقت قید خانے میں گیا۔ شمس الدین اور شاد بخت کو اُن کی کال کوٹھڑیوں سے نکلوا کر انہیں اُس جگہ لے گیا جہاں قیدیوں سے راز اگلوانے کے لیے کئی ایک وحشیانہ طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔ وہاں دو آدمی اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ چھت کے ساتھ بندھی ہوئی رسیوں سے اُن کی کلائیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اُن کے پاؤں زمین سے کوئی دو فٹ اوپر تھے اور ٹخنوں کے ساتھ کم و بیش دس دس سیر وزن کے لوہے کے ٹھوس گولے بندھے ہوئے تھے۔ موسم سرد ہونے کے باوجود ان کے جسموں سے پسینہ اس طرح پھوٹ رہا تھا جیسے اُن پر پانی انڈیلا گیا ہو۔ اُن کے بازو کندھوں سے الگ ہوتے جا رہے تھے۔ وہاں خون کی بدبو تھی اور گلی سڑی لاشوں کا تعفن بھی۔

"انہیں دیکھ لو۔" گمشتگین نے دونوں بھائیوں سے کہا۔ "اِس قید خانے میں آنے تک تم میری فوجوں کے مالک تھے۔ شہزادے تھے۔ اب تم بیکار جذبات میں اُلجھ کر اس دوزخ میں آگئے ہو۔ تم غدار ہو۔ تم میری آستین میں سانپوں کی طرح پلتے رہے ہو۔ میں تمہیں اب بھی بخشش دینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ جن لڑکیوں کو تم نے یہاں سے بھگایا اور جو دو آدمی اُن کے ساتھ گئے ہیں وہ کہاں گئے ہیں اور یہاں سے کیا کیا راز لے کر گئے ہیں۔" شمس الدین اور شاد بخت مسکرا دیئے اور خاموش رہے۔ گمشتگین نے کہا۔ "وہ صلاح الدین ایوبی کے پاس گئے ہیں۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟" دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ گمشتگین نے کہا۔ "اِن دونوں کو دیکھ لو۔ یہ نوجوان ہیں اس لیے ابھی برداشت کر رہے ہیں۔ تم دونوں کو میں نے ان کی طرح لٹکا کر پاؤں کے ساتھ وزن باندھ دیا تو تم تھوڑی سی دیر میں اپنا سینہ کھول کر میرے آگے رکھ دو گے۔ اس سے بہتر ہے مجھے سب کچھ بتا دو۔"

"وہ کوئی راز نہیں لے گئے۔" شمس الدین نے کہا۔ "یہاں کوئی راز نہیں۔ تمہارے متعلق سلطان ایوبی اچھی طرح جانتا ہے کہ تم صلیبیوں کی مدد سے اُس کے خلاف لڑنے کی تیاری میں ہو۔ ایوبی پوری تیاری کر کے تمہاری سرکوبی کے لیے آیا ہے۔ یہاں سے کوئی کیا راز لے کے جائے گا۔ راز صرف یہ فاش ہوا ہے کہ ہم دونوں بھائی تمہاری فوج کے سالار تھے۔ تم ہمیں اپنا معتمد سمجھتے رہے لیکن ہم دراصل سلطان ایوبی کے آدمی ہیں؟"

"میں دوسرا راز بھی تمہیں بتا دیتا ہوں" ـــ شمس الدین کے بجائے شادبخت نے کہا ـــ "یہ اتفاق ایسا ہو گیا ہے کہ دو مسلمان لڑکیاں تمہارے پاس تحفے کے طور پر آ گئیں۔ ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ مظلوم ہیں اور مسلمان ہیں۔ تمہارا بنایا ہوا قاضی ابوالحاشب تم سے پہلے ان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ہم نے لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھ کر بھگا دیا اور ابوالحاشب نے ہمارے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ہم نے اُسے قتل کر دیا اور تمہیں پتہ چل گیا۔ تم نے ہمیں قید کر دیا۔ اگر ہم قید نہ ہوتے تو ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہمیں بھیجو گے تو ہم پوری فوج کو سلطان ایوبی کے گھیرے میں لے جا کر ہتھیار ڈال دیں گے۔ ہماری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔"

"ہم پھر بھی کامیاب ہیں" ـــ شمس الدین نے کہا ـــ "تم ہمیں سزائے موت دے دو۔ ہمیں چھت سے لٹکا کر ہمارے پاؤں کے ساتھ بیس بیس سیر وزن باندھ دو، ہمارے بازو ہمارے کندھوں سے الگ کر دو، ہمیں اذیت کا کچھ احساس نہیں ہوگا۔ اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے تیر پھول بن جاتے ہیں۔ جسم فنا ہو جاتے ہیں روحیں نہیں مرا کرتیں۔ اللہ کی راہ میں قربان ہونے والوں کی روحیں اللہ کو عزیز ہوتی ہیں۔"

"مجھے وعظ نہ سناؤ" ـــ گمشتگین نے کہا ـــ "مجھے وہ راز بتاؤ غدارو، وہ راز بتاؤ جو تم نے صلاح الدین ایوبی کو بھیجا ہے۔"

"تم ہمیں غدار کہتے ہو؟" ـــ شمس الدین نے کہا ـــ "یہی راز ہے جسے تم چھپانا چاہتے ہو کہ غدار کون ہے۔ تم یہ راز آنے والی نسلوں سے اور تاریخ سے بھی نہیں چھپا سکو گے کہ تم غدار ہو۔ تاریخ پکار پکار کر کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کو صلیبیوں سے آزاد کرانے کے لیے نکلا تھا مگر گمشتگین نام کا ایک مسلمان قلعہ دار اُس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔"

"تم اگر اتنے پکے مسلمان ہوتے تو ہندوستان ہندوؤں کے حوالے کر کے نورالدین زنگی کے پاس نہ بھاگ آتے" ـــ گمشتگین نے طنزیہ کہا ـــ "تم غلام ملک سے آئے ہو۔"

"ہندوستان کو ہم نے ہندوؤں کے حوالے نہیں کیا تھا" ـــ شادبخت نے جواب دیا ـــ "وہاں بھی تم جیسے مسلمان موجود تھے جنہوں نے ہندوؤں سے دوستی کی اور تمہاری ہی طرح اپنی ذاتی بادشاہی کے خواب دیکھے۔ بادشاہی کا نشہ انہیں لے بیٹھا اور ہندو سارے ملک پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اگر ملک کی قسمت سالاروں کے ہاتھ میں ہوتی تو آج ہندوستان عرب کی سرزمین کے ساتھ ملا ہوا ہوتا مگر وہاں کی فوج کو بادشاہوں نے اپنا غلام بنا لیا تھا۔"

"میں تمہیں دو دن اور سوچنے کا موقع دیتا ہوں" ـــ گمشتگین نے کہا ـــ "اگر میرے سوالوں کے جواب مجھے دے دو گے تو ہو سکتا ہے تمہیں اس جہنم سے نکال کر تمہارے گھروں میں تمہیں نظر بند کر دوں۔ اگر مجھے مایوس کرو گے تو میں تمہیں سزائے موت نہیں دوں گا۔ اسی کال کوٹھڑیوں میں پڑے گلتے سڑتے رہو گے، سوچ لو۔"

اور وہ حکم دے کر کہ انہیں کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جائے، چلا گیا۔

☆



گمشتگین نے اپنے قلعے میں صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں واضح کر دیا کہ ان کا ایک ساتھی جو قتل ہو گیا ہے وہ کسی سازش کا شکار نہیں ہوا بلکہ وہ حرم کی ایک لڑکی کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ گمشتگین نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس نے اپنے دو سالاروں کو قاضی کے قتل اور غداری کے جرم میں قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اس نے ان سے مشورہ لیا کہ وہ فوری طور پر سلطان ایوبی کے خلاف فوج بھیجنا چاہتا ہے۔

"مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں سالاروں نے کیسے کیسے راز صلاح الدین ایوبی کو بھیج دیئے ہیں" ـــ گمشتگین نے کہا ـــ "پیشتر اس کے کہ وہ ان رازوں سے فائدہ اٹھائے ہمیں حملہ کر دینا چاہیے۔ اس صورت میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی۔"

صلیبی مشیروں نے مدد کا وعدہ کیا اور کہا کہ وہ اپنے ایک آدمی کو آج ہی رات صلیبیوں کے کیمپ کو روانہ کر دیتے ہیں۔ اُسی رات ایک صلیبی روانہ ہو گیا۔

موصل میں خطیب المخدوم قید خانے کی ایک کوٹھڑی میں بند تھا اور اُس کی نوجوان بیٹی جس کا نام صاعقہ تھا، گھر میں اکیلی بیٹھی تھی۔ دن بھر عورتیں اس کے پاس جاتی رہی تھیں اور صاعقہ سب سے یہی کہتی رہی تھی ـــ "ایسا ہونا ہی تھا" ـــ عورتوں نے غور نہیں کیا تھا کہ اس سے اُس کا مطلب کیا ہے۔ دو جوان لڑکیوں نے اُس کے ان الفاظ اور انداز کو نظر انداز نہ کیا۔ انہیں کچھ شک ہوا۔ رات جب صاعقہ گھر میں اکیلی تھی یہ دونوں لڑکیاں اس کے گھر میں داخل ہوئیں۔ صاعقہ انہیں اچھی طرح نہیں جانتی تھی۔

"تم سارا دن یہ کیوں کہتی رہی ہو کہ ایسا ہونا ہی تھا؟" ـــ ایک لڑکی نے پوچھا۔

"خدا کو ایسے ہی منظور تھا" ـــ صاعقہ نے جواب دیا ـــ "اس کے سوا میں اور کیا کہہ سکتی ہوں۔"

کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ آخر دوسری لڑکی نے کہا ـــ "اگر اس سے تمہارا مطلب کچھ اور ہے تو صاف بتا دو۔ ہو سکتا ہے ہم کچھ مدد کر سکیں۔"

"خدا کے سوا میری کوئی مدد نہیں کر سکتا" ـــ صاعقہ نے کہا ـــ "میرے والدِ محترم نے کوئی اخلاقی جرم نہیں کیا۔ انہوں نے امیرِ موصل کو کوئی کھری بات کہہ دی ہوگی۔ وہ ہمیشہ حق بات کہا کرتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتی ہوں کہ ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ وہ خوشامد کرنے والے انسان نہیں۔"

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا ہے" ـــ دوسری لڑکی نے کہا ـــ "ہم یہ کہنا چاہتی ہیں کہ انہوں نے صلاح الدین ایوبی کی حمایت میں کوئی بات کہہ دی ہوگی۔ یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو کہ وہ موصل کے والی کے حامی تھے یا صلاح الدین ایوبی کے؟"

"تم جسے سچا سمجھتی ہو وہ اُسی کے حامی تھے" ـــ صاعقہ نے مسکرا کر پوچھا ـــ "تم کس کی حامی ہو؟"

"صلاح الدین ایوبی کی" ـــ دونوں لڑکیوں نے جواب دیا۔

"وہ بھی ایوبی کے حامی تھے" ـــ صاعقہ نے جواب دیا ـــ "سیف الدین کو پتہ چل گیا ہوگا۔"

"وہ زبانی حمایت کرتے تھے یا عملاً بھی؟" ـــ ایک لڑکی نے پوچھا۔

"کیا تم جاسوسی کرنے آئی ہو؟" — صاعقہ بھڑک کر بولی — "کیا موصل کا نوجوان خون بھی کفار کا حامی ہو گیا ہے؟"

"ہاں!" — ایک لڑکی نے جواب دیا — "ہم دونوں جاسوسی کرنے آئی ہیں اور تمہیں یہ یقین دلانے آئی ہیں کہ موصل کا نوجوان خون کفار کا حامی نہیں بلکہ کفار کے پاؤں تلے سے عرب کی زمین نکالنے کے لیے بیتاب ہے اور اس عزم پر عمل کر کے دکھانے کو اُبل رہا ہے۔ تم ہماری ذہانت کا اندازہ اس سے کرو کہ تمہارے ان الفاظ کو کہ ایسا ہونا ہی تھا، ہمارے سوا کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ ہم سمجھ گئی تھیں کہ تمہارے والدِ محترم سلطان ایوبی کے حامی ہوں گے اور اُن کی سرگرمیوں کا علم والیٔ موصل کو ہو گیا ہوگا۔"

کچھ دیر کے تبادلۂ خیالات اور بحث کے بعد صاعقہ کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں لڑکیاں اُسے دھوکہ نہیں دے رہیں۔ اُس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہیں اور وہ کر کیا سکتی ہیں۔

"سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ محترم خطیب کو قید خانے میں پریشان تو نہیں کیا جا رہا؟" — ایک لڑکی نے کہا — "اگر پریشان کیا جا رہا ہے تو انہیں قید خانے سے غائب کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔"

"یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ قید خانے میں اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"ہم اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش کریں گی" — دوسری لڑکی نے کہا — "تم والیٔ موصل کے پاس جاؤ اور اپنے والد سے ملنے کی عرض کرو۔ اگر اُس نے اجازت نہ دی تو ہم کچھ کریں گی۔"

"میں کل صبح جاؤں گی" — صاعقہ نے کہا — "اور یہ بھی پوچھوں گی کہ میرے باپ کا جرم کیا ہے؟"

لڑکیاں جانے کے لیے اُٹھیں تو انہیں خیال آ گیا کہ صاعقہ گھر میں اکیلی ہے۔ انہوں نے اُسے کہا کہ وہ رات اُس کے ساتھ گزاریں گی لیکن صاعقہ تنہائی میں کوئی ڈر یا خطرہ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ لڑکیوں نے اپنے گھر والوں کو جا کر بتایا کہ وہ صاعقہ کے پاس رہیں گی کیونکہ وہ اکیلی ہے۔ وہ اُس کے پاس چلی گئیں.... سردیوں کا موسم تھا۔ وہ کمرے میں سوئیں۔ آدھی رات کے وقت ایک لڑکی بیت الخلاء میں جانے کے لیے باہر نکلی تو صحن سے آگے جو برآمدہ تھا، وہاں اُسے ایک سیاہ سایہ حرکت کرتا نظر آیا اور وہیں کہیں غائب ہو گیا۔ لڑکی ڈری نہیں۔ وہ کمرے میں چلی گئی۔ اپنی سہیلی کو جگایا اور اُسے بتایا۔ دونوں کے پاس خنجر تھے۔ خنجر ہاتھوں میں لے کر وہ برآمدے میں گئیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

وہ صحن میں آئیں۔ انہوں نے صاعقہ کو نہیں جگایا تھا لیکن صاعقہ کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں سہیلیوں کو کمرے سے غیر حاضر دیکھ کر وہ باہر چلی گئی۔ سہیلیوں کو پکارا۔ وہ آئیں تو انہوں نے اُسے بتایا کہ برآمدے میں ایک سایہ حرکت کر رہا تھا۔ کسی انسان کا معلوم ہوتا تھا۔

"چلو چل کر سو جاؤ" — صاعقہ نے اُن سے کہا — "تم جب بھی باہر نکلو گی تمہیں ایک سایہ چلتا پھرتا نظر آئے گا۔ آگے جا کر کسی سائے کو خنجر نہ مار دینا۔"

"یہ سائے کیسے ہیں؟" — ایک لڑکی نے پوچھا — "انسان نہیں ہیں یہ؟"

"یہ جو کچھ بھی ہیں، مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں" — صاعقہ نے کہا — "تم بھی ان سے نہ ڈرو۔"



مگر اب دونوں لڑکیاں ڈرنے لگی تھیں۔ وہ صرف انسانوں سے نہیں ڈرتی تھیں۔ یہ سائے صاعقہ کے کہنے کے مطابق انسانوں کے نہیں تو پھر یہ جن ہی ہو سکتے تھے۔ صاعقہ نے کہا — "یہ میرے والدِ محترم کے عقیدت مندوں کے سائے ہیں۔ انہیں جن ہی سمجھ لو۔ میں ان کے قریب کبھی نہیں گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ میری حفاظت کے لیے یہاں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔"

"محترم خطیب برگزیدہ شخصیت ہیں" — ایک لڑکی نے کہا — "اُن کے عقیدت مند جن بھی ہوں گے۔"

"کچھ ایسی ہی بات ہے" — صاعقہ نے کہا — "اِن سے ڈرنا نہیں، اور ان کے قریب بھی نہ جانا۔"

☆

اُس رات خطیب کوٹھری میں بند تھا۔ اُسے ابھی کچھ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ایک سنتری اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرا۔ خطیب نے اُسے روک کر کہا — "مجھے قرآن کی ضرورت ہے۔ قید خانے میں قرآن تو موجود ہوگا۔"

"یہاں؟.... قرآن؟" — سنتری نے طنزیہ لہجے میں کہا — "یہاں قرآن پڑھنے والے نہیں آیا کرتے۔ یہ جہنم ہے۔ یہاں گناہگار آتے ہیں۔ سو جاؤ" — سنتری آگے چلا گیا۔

خطیب حافظِ قرآن نہیں تھا۔ اُسے بہت سی سورتیں اور آیتیں یاد تھیں۔ اُس نے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت بلند آواز سے شروع کر دی۔ ایک تو سورۃ الرحمٰن کا اپنا تاثر ہے جو پہاڑوں کا بھی جگر چاک کر ڈالتا ہے، اس کے ساتھ خطیب ابن المخدوم کی سریلی آواز کا سحر انگیز سوز۔ قید خانے کے منتقد ماحول پر جیسے وجد طاری ہو گیا ہو۔ اُس نے یہ سورۂ مبارکہ ختم کی تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اکیلا نہیں۔ دروازے کی طرف دیکھا۔ وردی میں جیل کا کوئی عہدیدار کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"تم کون ہو؟" — عہدیدار نے خطیب سے پوچھا — "میں چھ سال سے اس قید خانے میں نوکری کر رہا ہوں۔ قرآن کی آواز پہلی بار سنی ہے اور ایسی آواز بھی پہلی بار سنی ہے جو میرے دل میں اُتر گئی ہے۔ میں نے قرآن نہیں پڑھا، حالانکہ یہ میری مادری زبان میں لکھا گیا ہے۔"

"میں مُوصل کا خطیب ہُوں" — خطیب نے جواب دیا۔

"اور آپ کا جُرم؟" — عہدیدار نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

"صرف یہ کہ میں قرآن کی زبان میں بات کیا کرتا ہوں" — خطیب نے جواب دیا — "میرا جُرم یہ ہے کہ میں نے اپنے بادشاہ کا حکم نہ مانا اور قرآن کے حکم کو مقدم جانا۔"

"پھر پڑھو" — عہدیدار نے التجا کے لہجے میں کہا — "میرے اندر ایک زہر ہے جو قرآن کے الفاظ نے اور آپ کی آواز نے نکالنا شروع کر دیا ہے۔ میں آپ کو حکم نہیں دے رہا۔ التجا ہے۔"

خطیب نے پہلے سے زیادہ وجد آفریں آواز میں سورۃ الرحمٰن پڑھی۔ عہدیدار کوٹھڑی کی موٹی موٹی سلاخوں کو پکڑے کھڑا رہا اور اُس کے آنسو بہتے رہے۔ خطیب خاموش ہُوا تو عہدیدار نے آنکھیں بند کر کے

دھیمی آواز میں سورۃ الرحمٰن کی بعض آیات دہرانی شروع کر دیں۔

"اگر آپ کی آواز میں یہ جادو ہے تو آپ کے معتقدوں میں جنات بھی ہوں گے" ــ عہدیدار نے کہا ــ "میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ قرآن سے فال نکالی جاتی ہے۔ کوئی سوال پوچھو تو جنات قرآن کے لفظوں میں جواب دیتے ہیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارا سوال کیا ہے!" ــ خطیب نے کہا ــ "قرآن صرف ایمان والوں کو مژدہ سنایا کرتا ہے۔"

"اور جس کا ایمان پختہ نہ ہو؟"

"اس کے سینے میں ایمان کی قندیل روشن کرتا ہے" ــ خطیب نے کہا ــ "تمہارا سوال کیا ہے؟"

"میری ایک آرزو ہے" ــ عہدیدار نے کہا ــ "میرے سینے میں آگ جل رہی ہے۔ معلوم نہیں یہ ایمان کی قندیل کا شعلہ ہے یا یہ آگ انتقام کی ہے۔ میں اس فوج میں شامل ہونا چاہتا ہوں جو یروشلم کو فتح کرے گی۔ مجھے انتقام لینا ہے۔"

"اگر یروشلم کی فتح کو تم ایمان کہو تو وہاں جلدی پہنچو گے" ــ خطیب نے کہا ــ "انتقام ذاتی فعل ہے، ایمان اللہ کا حکم ہے.... تم انتقام کیوں کہہ رہے ہو؟ اور یروشلم کیوں کہہ رہے ہو؟ بیت المقدس کہو۔"

"میں نے کسی قیدی کے ساتھ ایسی باتیں کبھی نہیں کی تھیں" ــ عہدیدار نے کہا ــ "آپ خطیب ہیں۔ آپ کے سامنے میں اپنا دل کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔ میری روح کو تسکین کی ضرورت ہے۔ میں بیت المقدس کا رہنے والا ہوں۔ وہاں صلیبیوں کی حکمرانی ہے۔ مسلمانوں کو وہاں بھیڑ بکریاں اور جانور سمجھا جاتا ہے۔ صلیبی جس مسلمان کو چاہیں قتل کر دیں، جسے چاہیں قید خانے میں ڈال دیں۔ بیگار کا رواج تو عام ہے۔ جس گھر میں لڑکی جوان ہو اُن کا دم تو خشک رہتا ہے۔ وہاں کے مسلمان سلطان ایوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ سات سال گزرے، ایک روز ایک صلیبی نے مجھے پکڑ لیا اور ساتھ لے گیا۔ اس کا کوئی سامان اٹھا کر اس کے گھر تک لے جانا تھا۔ اُس نے مجھے سامان اٹھانے کو کہا تو میں نے انکار کر دیا۔ اُس نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر کہا کہ مسلمان ہو کر تم میرا حکم نہ ماننے کی جرأت کر رہے ہو؟ میں نے اُس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ وہ گرا تو میں نے اس کے سر کے بال مٹھی میں لے کر اُسے اُٹھایا اور دوسرا گھونسہ مار کر اُسے پھر گرا دیا....

"اتنے میں مجھے پیچھے سے کسی نے جکڑ لیا۔ پھر صلیبیوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ سپاہی بھی آ گئے اور مجھے بیگار کیمپ میں لے گئے۔ میں نے وہاں تین دن گزارے اور تیسری رات میں نے ایک سنتری کو پیچھے سے دبوچا اور اُسی کے خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر کے بھاگ نکلا۔ میں گھر پہنچا تاکہ رات ہی رات سارے کنبے کو بیت المقدس سے بھگا لے جاؤں ورنہ سب کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا، مگر میرا گھر کھنڈر بن چکا تھا۔ اندر گیا تو گھر جلا ہوا تھا۔ میں نے ایک مسلمان پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ڈرتا ڈرتا باہر آیا۔ میں نے پوچھا کہ میرے گھر والے کہاں بھاگ گئے ہیں؟ اُس نے یہ خبر سنا کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکال دی کہ گھر کے مردوں کو صلیبی پکڑ کر لے گئے



ہیں اور میری دونوں کنواری بہنوں کو صلیبی فوجی لے گئے تھے۔ پھر انہوں نے گھر کو آگ لگا دی....

"میرے دل پر جو گزری اُس کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے بہنیں واپس نہیں مل سکتیں اور میں یہاں رُکا رہا تو پکڑا جاؤں گا اور صلیبی مجھے قتل کر دیں گے یا قید خانے میں بند کر کے ساری عمر اذیتیں دیتے رہیں گے۔ میں کسی مسلمان کے گھر چھپنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ پورا گھرانہ مارا جاتا۔ میں رات کو ہی بیت المقدس سے نکل آیا۔ خون کھول رہا تھا مگر میں بے بس تھا۔ میں نے اس طرف کا رُخ کر لیا۔ صبح طلوع ہوئی تو میں نے ایک صلیبی کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار میرے راستے پر سامنے سے آ رہا تھا۔ وہ سپاہی نہیں تھا۔ میں نے اُسے روک لیا اور اُسے باتوں میں اُلجھا کر گھوڑے سے اُتار لیا۔ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں دوسرا زمین پر تھا کہ میں نے پیچھے سے اُس کی گردن اپنے بازو کے گھیرے میں لے لی۔ اس کے کمر بند کے ساتھ چھوٹی تلوار تھی۔ وہ کھینچ لی اور اُسے قتل کر دیا۔ اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی....

"یہ دوسرا صلیبی تھا جسے میں نے قتل کیا۔ اس سے پہلے میں ایک سنتری کو قتل کر آیا تھا لیکن میرے دل کو اطمینان نہ ہوا۔ میں تمام صلیبیوں کو قتل کرنے کے لیے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنے دن اور کتنی راتیں سفر کیا اور کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ مجھے بھوک محسوس نہ ہوئی، پیاس کا احساس تک نہ رہا۔ بہنیں یاد آتی تھیں اور میں گھوڑا روک کر صلیبی سے چھینی ہوئی تلوار ہاتھ میں لے کر بیت المقدس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ میرا جسم کانپنے لگ جاتا تھا۔ میں نے کئی بار خدا کو پکارا اور خدا سے پوچھا کہ اُس نے مجھے کون سے گناہ کی سزا دی ہے۔ اگر میں گناہ گار تھا تو سزا مجھے ملنی چاہیے تھی، میری بہنیں اور میرا کمسن چھوٹا بھائی بے گناہ تھے۔ مجھے خدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے سجدے میں گر کر خدا کو پکارا اور مایوس ہوا۔ میں نے خدا سے یہ التجا بھی کی کہ مجھے سکون مل جائے یا میرے اندر انتقام کی آگ بجھ جائے۔ میرا احساس مُردہ ہو جائے....

"میں موصل کے ایک گاؤں میں پہنچ گیا جہاں یہ خطرہ نہیں تھا کہ صلیبی مجھے پکڑ لیں گے لیکن میرے دل کو کسی بے رحم کے ہاتھوں نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ میں ہر لمحہ بے قرار اور بے چین رہتا تھا۔ میں مسجد میں چلا گیا۔ امام سے کہا کہ وہ مجھے دکھا دے کہ خدا کہاں ملے گا، میری روح کو سکون کہاں ملے گا۔ اُس نے میری کوئی مدد نہ کی۔ میں وہاں سے ایک اور گاؤں چلا گیا۔ پھر وہاں سے بھی چلا گیا۔ اس کے بعد بھی یاد آتا ہے کہ میں مسجدوں میں خدا کو ڈھونڈتا پھرتا رہا۔ اماموں سے روحانی سکون مانگتا رہا مگر کسی نے میری دستگیری نہ کی۔ مجھے کسی نے خدا کا اتا پتہ نہ بتایا۔ کسی نے کوئی طریقہ نہ بتایا جس سے میں خدا سے ہمکلام ہو سکوں اور اُس سے روحانی سکون مانگ سکوں۔ راتوں کو اکثر بہنوں کو خواب میں دیکھتا تھا۔ وہ روتی نظر آتی تھیں۔ مجھے اُن کی سسکیاں اور ہچکیاں اُس وقت بھی سنائی دیتی تھیں جب جاگ اُٹھتا تھا۔ روز بروز میرے اندر یہ احساس پیدا ہوتا گیا کہ میری بہنیں مجھ پر لعنت بھیج رہی ہیں....

"کسی نے بتایا کہ صلیبیوں سے انتقام لینا ہے تو فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ سلطان نور الدین زنگی فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہا ہے۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں اور صلیبیوں کی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ میں بیت المقدس

میں معلوم ہو جاتا تھا کہ کون سی جنگ میں کسے شکست ہوئی ہے۔ بیت المقدس میں صلیبی جب وہاں کے مسلمان باشندوں پر ظلم و ستم اچانک تیز کر دیتے تھے تو ہم سمجھ جاتے تھے کہ کسی میدان میں انہیں شکست ہوئی ہے جس کا انتقام وہ یہاں کے نہتے اور بے بس مسلمانوں سے لے رہے ہیں۔ پھر ہمیں وہاں صلاح الدین ایوبی کا نام سنائی دینے لگا۔ یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ وہاں کے صلیبی باشندے اس نام سے ڈرتے تھے اور اُس سے نفرت کرتے تھے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ صلاح الدین ایوبی طوفان کی طرح آ رہا ہے مگر وہ نہ آیا۔ اس کی بجائے میں یہاں سینے میں ایک گہرا زخم لے کر آ گیا۔ میں فوج میں بھرتی ہو گیا لیکن محاذ پر بھیجنے کی بجائے مجھے اس قید خانے میں بھیج دیا گیا، یہاں مجھے ترقی بھی مل گئی.....

"یہاں میں نے انسانوں پر ظلم ہوتے دیکھا اس سے میں کانپ اٹھتا تھا۔ یہاں انسانوں کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں۔ بیت المقدس میں صلیبی مسلمانوں کا یہی حشر کرتے تھے، یہاں مسلمانوں کو مسلمانوں پر وہی ظلم کرتے دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہاں بے گناہوں کو بھی لایا اور اذیت میں ڈالا جاتا ہے۔ اُن کا گناہ وہی ہے جو آپ نے کیا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کو یہاں لا کر کیوں بند کیا گیا ہے۔ یہ کام مجھے بھی کرنا پڑا۔ میں نے بھی انسانوں کو ایسی ایسی اذیتیں دیں جو آپ کو سناؤں تو آپ بے ہوش ہو جائیں۔ میرے ساتھی پوری طرح وحشی درندے بن گئے ہیں۔ ان میں انسانیت صرف اتنی سی رہ گئی ہے کہ وہ انسانوں کی طرح چلتے پھرتے اور باتیں کرتے ہیں۔ میں ان سے اس لحاظ سے مختلف ہوں کہ میں چوری چھپے قیدیوں کے ساتھ ہمدردی کی دو چار باتیں کر لیتا ہوں۔ ان سے پوچھتا ہوں کہ اُن کا جرم کیا ہے، مگر ہمدردی کے اس جذبے نے میری روح سے بوجھ اُتارنے کی بجائے نہ جانے کیسا بوجھ ڈال دیا ہے۔ مجھے سکون نہیں ملتا۔ مجھے خدا نظر نہیں آتا، میری آنکھوں کے سامنے سے میری بہنیں ہٹتی نہیں۔ میں پھر یہی محسوس کرتا ہوں کہ جب تک صلیبیوں سے انتقام نہیں لوں گا میں اسی طرح بے چین رہوں گا.....

"آج آپ کی آواز میں قرآن کے یہ الفاظ سنے "گناہگار اپنے چہروں ہی سے پہچان لیے جائیں گے، پھر وہ بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے..... تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔" تو معلوم نہیں میرے دل میں کیا ہلچل بپا ہو گئی ہے۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا ہے جیسے وہ راز انہی لفظوں میں ہے جو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔" اُس نے سلاخوں میں سے ہاتھ اندر کر کے خطیب ابن المخدوم کا چغہ پکڑ لیا اور بے تاب ہو کر بولا۔ "مجھے بتائیے یہ راز کیا ہے۔ کیا میرے دماغ پر خون سوار ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں انتقام کس طرح لوں گا؟ میں پاگل تو نہیں ہو جاؤں گا؟ اگر خدا ہے تو اُس سے پوچھ کر مجھے بتاؤ کہ میرے سوالوں کا جواب کیا ہے؟"

"تمہارے دماغ پر خون سوار ہے۔" خطیب نے کہا۔ "تم نے خدا کی آواز سُن لی ہے۔ میری آواز میں خدا بول رہا تھا۔ تم انتقام لینے کو بے تاب ہو لیکن یہاں تم اسی طرح بے حال اور بے چین رہو گے۔ تم جس فوج کے ملازم



ہو وہ کبھی بیت المقدس نہیں جائے گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ یہ فوج پہلے سلطان ایوبی کو شکست دے گی۔" خطیب نے جواب دیا۔ "پھر سلطان ایوبی کو قتل کیا جائے گا اور پھر صلیبیوں کے ساتھ دوستی کی جائے گی۔"

عہدیدار کی آنکھیں کھلی گئیں۔ خطیب اُسے بتاتا رہا کہ مسلمان حکمران کیا کر رہے ہیں۔ عہدیدار نے کہا۔ "میں کچھ عرصے سے اس قسم کی باتیں سُن رہا تھا لیکن یقین نہیں آتا تھا۔ میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ہمارے حکمران قوم کی اُن بیٹیوں کو بھول جائیں گے جو صلیبیوں کی بربریت کا نشانہ بنی ہیں اور جنہیں انہوں نے اغوا کر کے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔"

"وہ بھول چکے ہیں۔" خطیب نے کہا۔ "وہ اس حد تک بھول چکے ہیں کہ اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں انہیں تحفوں کے طور پر پیش کی جاتی ہیں اور یہ انہیں اپنے حرموں کی زینت بناتے ہیں۔ اس لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے ہیں کیونکہ وہ قرآن کے احکام کا پابند ہے اور قوم کی عصمت کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اُس کا کوئی گھر ہے یا نہیں۔ اُس کی عمر صحراؤں اور پہاڑوں میں گزر رہی ہے۔ میرا بھی جرم یہی ہے کہ میں نے والئ موصل کو قرآن کے احکام یاد دلا دیئے تھے اور اُسے کہا تھا کہ ایک مرد مجاہد کے خلاف لڑو گے تو شکست کھاؤ گے۔ قرآن کے جن مقدس الفاظ نے ابھی ابھی تم پر جادو کیا ہے، میں نے یہی الفاظ موصل کے بادشاہ سیف الدین کو یاد دلائے تھے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ تم جیسے گناہگار چہروں سے پہچانے جائیں گے اور بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔ میں نے اُسے قرآن کا یہ حکم بھی سنایا تھا کہ تم دماغ سے بادشاہی کا نشہ نہیں اُتارو گے تو دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں گھومو پھرو گے۔ مگر اُس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے نفس کا حکم مانا۔ اُس نے مجھے قید خانے میں بند کرا دیا۔"

"آپ کو یہاں بہت تکلیف ہو گی۔" عہدیدار نے کہا۔ "میں جو خدمت کر سکا کروں گا۔"

"یہ دنیاوی اور جسمانی اذیتیں مجھے کوئی تکلیف نہیں دے سکتیں۔" خطیب نے کہا۔ "تم نے میری آواز میں جو سوز اور تاثر محسوس کیا ہے وہ میری روح کی آواز تھی۔ دنیا کے اس جہنم میں میں مطمئن ہوں۔ میری آواز اللہ کی آواز ہے۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ ہاں، ایک غم ہے جو مجھے پریشان کرتا ہے۔ میری بیٹی جوان ہے اور یہ میری واحد اولاد ہے۔ میری بیوی مدت ہوئی مر گئی تھی۔ میں نے اس بچی کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔ ہم ایک دوسرے کی خاطر زندہ ہیں۔ وہ گھر میں اکیلی ہے۔"

"میں اُس کی حفاظت کروں گا۔" عہدیدار نے کہا۔

"سب کی حفاظت کرنے والا خدا ہے۔" خطیب نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیتا ہوں۔ میری بیٹی عاصمہ سے کہہ دینا کہ ثابت قدم رہے اور میرے متعلق کوئی فکر نہ کرے۔ اگر یہاں قرآن پڑھنے کی اجازت ہو تو میری بیٹی سے میرا قرآن لے آنا۔"

عبدیلار علی الصبح خطیب کے گھر چلا گیا اور اُس کی بیٹی کو تسلی دی کہ اپنے باپ کے متعلق وہ پریشان نہ ہو۔ اُس نے صاعقہ کو بتایا کہ وہ اُس کے باپ سے بہت متاثر ہُوا ہے۔ اُس کی جو مدد وہ کر سکتا ہے کرے گا لیکن اُوپر کے حکم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا کیونکہ قید خانے کا افسر ملازم ہے۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ محترم خطیب کا قرآن دے دے۔ لڑکی نے قرآن دینے سے پہلے عبدیلار کے ساتھ بہت سی باتیں کر کے یقین کر لیا کہ وہ نیک دل سے اور جذبے کے تحت اُس کے باپ کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ وہ جذباتی لگتا تھا۔ اُس نے جب یہ کہا کہ وہ اُس کی خاطر اور اُس کے باپ کی خاطر جان پر بھی کھیل جائے گا تو صاعقہ نے اُسے کہا۔ "آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ میرے والد کو کس جُرم میں قید کیا گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ سیف الدین انہیں اذیت خانے میں ڈال دے گا تاکہ اُن کے دل سے صلاح الدین ایوبی کی حمایت نکل جائے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ آپ انہیں قید خانے سے فرار ہونے میں مدد دیں؟ ہم دونوں مُوصل سے غائب ہو جائیں گے۔"

عبدیلار مسکرایا اور بولا۔ "جو اللہ کو منظور ہو گا۔ میں نے تمہارے والد کی آواز میں اللہ کی آواز سنی ہے اور اُن کی آنکھوں میں ایمان کا نُور دیکھا ہے۔ اللہ کی آواز اور ایمان کے نُور کو کوئی انسان قید خانے میں محبوس نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے اس آواز اور اس نُور کو آزاد کرانے کا نیک کام خدا نے میری قسمت میں لکھ دیا ہو اور اُس کے عوض میرے سینے کی آگ سرد ہو جائے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں کیا کروں گا کیونکہ تم عورت ذات ہو اور نوجوان ہو۔ شاید راز کو راز نہ رکھ سکو۔"

"میں والد محترم کے لیے قرآن لے آتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئی اور بہت دیر بعد باہر آئی۔ اُس کے ہاتھ میں قرآن تھا جو عبدیلار کو دے کر اُس نے کہا۔ "میں والیٔ موصل کے پاس جا رہی ہوں کہ وہ مجھے باپ سے ملنے کی اجازت دے دے۔"

"ہاں!" عبدیلار نے کہا۔ "ملاقات کا یہی طریقہ ہے۔" ۔۔۔ اور وہ قرآن لے کر چلا گیا۔

☆

صاعقہ تیار ہو کر سیف الدین کے دربار میں چلی گئی۔ اُسے باہر روک دیا گیا۔ سیف الدین، صلاح الدین ایوبی نہیں تھا کہ ہر کسی کو ملنے کی کھلی اجازت تھی۔ سیف الدین تو بادشاہ تھا اور اُس کے طور طریقے شاہانہ تھے۔ اُسے شراب بھی پینی ہوتی تھی، حرم کے لیے بھی وقت نکالنا ہوتا تھا۔ رقص کی محفلیں بھی منعقد کرنی ہوتی تھیں اور جو وقت بچتا تھا وہ اپنی بادشاہی کو سلطان ایوبی سے بچانے کے منصوبے بناتے صرف ہوتا تھا۔ اُسے اپنی رعایا کا کوئی علم نہ تھا۔ حکومت کے تختی رعایا کو استعمال کیا کرتے ہیں، اُن کے نیک و بد کی انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ رعایا کے پیٹ میں صرف اتنا سا اناج جانے دیتے ہیں جس سے رعایا صرف زندہ رہے اور اُن کے آگے سجدہ ریز رہے۔

صاعقہ اُسی رعایا کی ایک لڑکی تھی۔ دربان نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو اُس نے بتایا کہ وہ مُوصل کے خطیب ابن المخدوم ککبوری کی بیٹی ہے۔ دوسروں کی طرح دربان کو بھی یہی معلوم تھا کہ خطیب اچانک پاگل ہو گیا ہے اور اُسے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ خطیب کا احترام ہر کسی کے دل میں تھا اور اُس کے پاگل ہو جانے کی وجہ



سے سب کے دلوں میں ہمدردی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ دربان نے کسی سے کہہ کر سیف الدین سے اجازت لے لی کہ صاعقہ کو اُس کے پاس بھیجا جائے۔

صاعقہ جب سیف الدین کے سامنے گئی تو وہ اس لڑکی کی خوبصورتی دیکھ کر چونک اُٹھا۔ وہ لڑکیوں کا شکاری تھا۔ اُس نے صاعقہ کو دلچسپی سے اپنے پاس بٹھایا۔ وہ سمجھ گیا ہو گا کہ لڑکی اپنے باپ کی رہائی کی درخواست لے کر آئی ہے۔

"سنو لڑکی!" اُس نے صاعقہ کی بات سُنے بغیر کہا۔ "میں جانتا ہوں تم کیوں آئی ہو لیکن میں نے بہت مجبور ہو کر تمہارے باپ کو قید میں ڈالا ہے۔ اگر اُسے ایک دو دنوں بعد ہی رہا کرنا ہوتا تو میں اُسے گرفتار ہی نہ کرتا۔ میں اُسے رہا نہیں کر سکوں گا۔"

"اُن کا جُرم کیا ہے؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"غداری۔" سیف الدین نے جواب دیا۔

"کیا انہوں نے آپ کے خلاف صلیبیوں کے حق میں غداری کی ہے؟"

"ریاست کا دشمن صلیبی ہو یا مسلمان۔" سیف الدین نے جواب دیا۔ "اُس کے ساتھ مل کر ریاست کو نقصان پہنچانا جُرم ہے۔ کیا تمہارا باپ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں تھا؟"

"مجھے کچھ علم نہیں۔" صاعقہ نے جواب دیا۔ "میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہونا جُرم نہیں۔"

"یہی بات تمہارا باپ بھی نہیں سمجھ سکتا۔" سیف الدین نے کہا۔ "میں حیران ہوں کہ بہت سے لوگ صلاح الدین ایوبی کو فرشتہ سمجھتے ہیں۔ وہ عورت کے معاملے میں درندہ ہے۔ دمشق اور قاہرہ میں اُس نے اپنا حرم تم جیسی سینکڑوں لڑکیوں سے بھر رکھا ہے۔ ہر لڑکی تین چار مہینوں بعد اپنے سالاروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اُس کی فوج جہاں حملہ کرتی ہے وہاں نہ مسلمان گھرانہ دیکھتی ہے نہ غیر مسلم۔ ہر گھر کو لوٹتی اور ہر لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ تم جیسی حسین لڑکی اُس سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ میرا فرض ہے کہ تمہاری عزت کی حفاظت کروں، خواہ مجھے تمہیں اپنے گھر میں رکھنا پڑے۔"

"میری حفاظت خدا کرے گا۔" صاعقہ نے کہا۔ "میں صرف یہ التجا کرنے آئی ہوں کہ مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے اپنے باپ سے ملنے کی اجازت دی جائے۔"

"جب تک قاضی اُسے سزا نہیں سُنا دیتا اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"وہ سزا کیا ہو گی؟" لڑکی نے پوچھا۔

"موت۔"

صاعقہ کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے لڑکی کو اور زیادہ خوفزدہ کرنے کے لیے کہا۔ "لیکن یہ موت اتنی آسان نہیں ہو گی کہ تلوار سے سر تن سے جُدا کر دیا جائے گا۔ اُسے آہستہ آہستہ اذیتیں دے دے کر مارا جائے گا۔ پہلے اُس کی آنکھیں نکالی جائیں گی، پھر اُس کا ایک ایک دانت زنبور سے کھینچ کر نکالا جائے گا، پھر اُس کے ہاتھوں کو

پاؤں کی انگلیاں کاٹی جائیں گی اور پھر وہ زندہ ہی ہوگا تو اُس کی کھال اُتاری جائے گی۔"

لڑکی کا جسم بڑی زور سے کانپا۔ اُس نے ہونٹ دانتوں میں دبالیے اور اُس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا آپ اُن پر یہ رحم نہیں کر سکتے کہ اُن کا سر تلوار سے کاٹ دیا جائے؟ اگر انہیں سزائے موت ہی دینی ہے تو ایک تلمیے میں انہیں کیوں ختم نہیں کر دیتے؟"

"اگر تمہیں اپنی قیامت خیز جوانی پر رحم آجائے تو میں تمہارے باپ پر رحم کر سکتا ہوں۔"

صائقہ نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو سیف الدین نے کہا۔ "باپ کے مرجانے کے بعد تم ایک عام سی اور غریب سی لڑکی بن کے رہ جاؤ گی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم میرے عقد میں آجاؤ جس سے تمہارے باپ کو بھی فائدہ پہنچے گا اور تمہاری حیثیت موصل کی ملکہ کی ہو جائے گی؟"

"اگر میرے باپ نے مجھے خودداری کی تعلیم نہ دی ہوتی تو ملکہ بننا تو بہت بڑی بات ہے، میں آپ کے ساتھ ایک رات گزارنے پر بھی فخر محسوس کرتی۔" صائقہ نے کہا۔ "میرا باپ میری عصمت کی حفاظت میں اپنی کھال بخشے کھینچے اُتروالے گا۔ یہ سودا میرے باپ کے ساتھ کریں۔ اُس سے پوچھیں کہ تم جلاد کے پاس جانا چاہتے ہو یا اپنی بیٹی کو میرے پاس بھیجنا چاہتے ہو۔ میرا باپ یقیناً یہ کہے گا ــــ مجھے جلاد کے حوالے کر دو ــــ میں صرف یہ درخواست لے کے آئی تھی کہ تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے اپنے باپ سے ملنے دیا جائے۔ اب میں اپنی درخواست میں یہ اضافہ کرتی ہوں کہ اس کے لیے میں کوئی سودا قبول نہیں کروں گی۔"

"کیا تمہارا یہ فیصلہ ہے کہ میرے پاس نہیں آؤ گی؟" سیف الدین نے پوچھا۔

"اٹل فیصلہ۔" صائقہ نے جواب دیا۔ "آپ موصل کے مالک ہیں۔ مجھے زبردستی اپنے حرم میں داخل کر لیں۔"

"میں نے ایسا جرم کبھی نہیں کیا۔" سیف الدین نے کہا۔

صائقہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے دراصل ملاقات کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ تو یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اُس کے باپ کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔ وہ اُسے قید خانے کے ایک عہدیدار سے معلوم ہو گیا تھا اور اُسے یہ امید بھی تھی کہ یہ عہدیدار اُس کے باپ کو فرار میں مدد دے گا۔ اُس نے سیف الدین کو سلام کیا اور چل پڑی۔

سیف الدین نے اُسے جاتے دیکھا تو بولا۔ "ٹھہرو، یہ نہ کہنا کہ والیٔ موصل نے ایک لڑکی کی تمنا پوری نہیں کی تھی۔ تم آج رات اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے لیے جا سکتی ہو۔ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا۔ تم جتنی دیر چاہو اپنے باپ سے باتیں کر سکتی ہو۔"

صائقہ شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔ سیف الدین کے پیچھے ایک باڈی گارڈ کھڑا تھا۔ صائقہ چلی گئی تو سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا۔ "اتنا خوبصورت پرندہ پنجرے میں آنا چاہیے۔ میں نے اسے خوفزدہ کرنے کے لیے کہا تھا کہ اُس کے باپ کو کس طرح اذیتیں دے کر مارا جائے گا مگر لڑکی دل گردے کی پکی معلوم ہوتی ہے۔ جانتے ہو میں نے اُسے کیوں کہا ہے کہ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا، وہ تمہیں قید خانے میں باپ سے ملاقات کرانے لے جائے گا؟"



"کیا میں ابھی تک آپ کے اشارے سمجھنے کے قابل نہیں ہوا؟" باڈی گارڈ نے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "وہ آدمی میں ہی ہوں گا جو اسے شام کے بعد گھر سے قید خانے لے جانے کے بہانے لے جاؤں گا۔"

"اور تم جانتے ہو کہ اسے کہاں لے جانا ہے؟" سیف الدین نے پوچھا۔ "اسے یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے اسے اغوا کرایا ہے۔"

"سب جانتا ہوں۔" باڈی گارڈ نے کہا۔ "یہ کام پہلی بار تو نہیں کر رہا۔ میں اسے جن جھول جلیوں سے گزار کر اور اس کی جو حالت کر کے آپ کے پاس پہنچاؤں گا اس سے وہ یہ سمجھے گی کہ دنیا میں آپ واحد انسان ہیں جو اس کے مونس و غمخوار ہیں۔ آگے آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے پرندے کو پنجرے میں کس طرح بند کرتے ہیں۔"

سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ کے کان میں کچھ کہا۔ باڈی گارڈ کی آنکھوں میں شیطان مسکرانے لگا۔

☆

قید خانے کا جو عہدیدار صائقہ کے پاس آیا اور اُسے تسلی دے کر اور قرآن لے کر چلا گیا تھا رات کی ڈیوٹی پر تھا۔ شام کے بعد وہ قید خانے میں داخل ہوا۔ دن کی ڈیوٹی والے کو رخصت کیا اور خطیب ابن المخدوم کی کوٹھڑی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس نے قرآن خطیب کو دے دیا اور کہا ــــ "اپنی بیٹی کے متعلق آپ کوئی غم نہ کریں۔ وہ ہر لحاظ سے مطمئن ہے، محفوظ ہے اور خیریت سے ہے۔ اُس نے مجھے ایک بات کہی ہے۔ دُعا کریں اللہ مجھے بچی کی تمنا پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

"وہ بات کیا ہے؟" خطیب نے پوچھا۔

عہدیدار نے اِدھر اُدھر دیکھا اور منہ سلاخوں کے ساتھ لگا کر کہا ــــ "فرار ... آپ میں اتنی ہمت ہے؟ ... میں مدد کروں گا۔"

"جس کام میں اللہ کی خوشنودی شامل ہو اُس کے لیے اللہ ہمت بھی دے دیتا ہے۔" خطیب نے کہا۔ "لیکن میں تمہاری مدد سے فرار نہیں ہوں گا۔ اس کی بجائے یہاں مر جانا پسند کروں گا۔"

"کیوں؟" عہدیدار نے حیران ہو کر پوچھا ــــ "کیا آپ مجھے گناہگار سمجھ کر میری مدد قبول نہیں کرنا چاہتے؟"

"نہیں۔" خطیب نے جواب دیا۔ "میں تمہاری مدد اس لیے قبول نہیں کرنا چاہتا کہ تم گناہگار نہیں ہو۔ میں تو تمہاری مدد سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ تم پیچھے رہ جاؤ گے اور پکڑے جاؤ گے۔ میرے جرم کی اور تمہاری نیکی کی سزا تمہیں ملے گی جو بہت ہی بھیانک ہوگی۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا۔" عہدیدار نے کہا ــــ "آپ کی کل رات کی باتوں نے یہاں سے میرا دل اچاٹ کر دیا ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جا رہا ہوں۔ میں چونکہ قیدی نہیں اس لیے آسانی سے فرار ہو سکتا ہوں لیکن اب آپ کو ساتھ لے کے جاؤں گا۔ میرا اس دُنیا میں کوئی بھی نہیں۔ دل میں وہی آگ ہے جو گزشتہ رات آپ کو دکھائی تھی۔ اِس آگ کو سرد کرنا ہے۔"

"ہاں" خطیب نے کہا۔ "میں اس صورت میں تمہاری مدد قبول کر سکتا ہوں۔"

"آپ کی بیٹی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ والیٔ موصل کے پاس جا رہی ہے۔" عہدیدار نے کہا۔ "وہ آپ سے ملاقات کی اجازت مانگے گی۔"

"نہیں" خطیب نے گھبرا کر کہا۔ "اُسے سیف الدین جیسے شیطان فطرت انسان کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ تم اُسے کہو کہ وہاں نہ جائے۔"

"میں تو صبح جا سکوں گا۔" عہدیدار نے کہا۔

عہدیدار کوٹھڑی سے ہٹ کر چلا گیا۔ خطیب نے قرآن کو چوما پھر سینے سے لگا کر اپنے آپ سے کہا۔ "اب میں اس کال کوٹھڑی میں تنہا نہیں ہوں۔" اُس نے غلاف اتارا اور دیئے کی روشنی میں بیٹھ کر قرآن کھولا۔ ورق اُلٹے اُلٹے قرآن میں سے ایک کاغذ نکلا۔ اُس کی بیٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ "خدا سلامت ہے۔ جنات موجود ہیں، پیغمبر برحق ہے۔ پیغمبر کا فرمان سُنیں۔ ایمان تروتازہ ہے۔" خطیب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کاغذ کا یہ ٹکڑا دیئے کی لو پر رکھا اور جلا ڈالا۔ وہ پیغام سمجھ گیا تھا۔ پیغمبر سے اُس کی مراد قید خانے کا یہ عہدیدار تھا۔ وہ کہنا یہ چاہتی تھی کہ یہ آدمی سچا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بات (فرار) پر عمل کریں۔ 'جنات موجود ہیں' سے مراد یہ تھی کہ صائقہ کی حفاظت کے لیے آدمی موجود ہیں۔

جس وقت خطیب یہ پیغام جلا رہا تھا، اُس وقت اُس کے گھر کا دروازے پر دستک ہوئی۔ صائقہ نے دروازہ کھولا۔ اُس کے ہاتھ میں قندیل تھی۔ باہر جو آدمی کھڑا تھا اُسے اس نے پہچان لیا۔ وہ سیف الدین کا باڈی گارڈ تھا جو صائقہ کی ملاقات کے وقت وہاں موجود تھا۔ اُس نے صائقہ سے کہا کہ وہ اُسے باپ کی ملاقات کے لیے قید خانے لے جانے آیا ہے اور وہ اُسے گھر واپس بھی لائے گا۔

صائقہ تیار تھی۔ چلنے لگے تو باڈی گارڈ نے صائقہ سے کہا۔ "باپ کے ساتھ صرف خیر خیریت اور گھر کی باتیں کرنے کی اجازت ہوگی۔ کوٹھڑی کی سلاخوں سے تمہیں تین قدم دُور کھڑا کیا جائے گا۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا جو والیٔ موصل غازی سیف الدین کے وقار کے خلاف ہو۔"

☆

باڈی گارڈ آگے آگے جا رہا تھا۔ صائقہ اُس سے دو تین قدم پیچھے تھی۔ دونوں خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔ رات تاریک تھی۔ وہ اندھیری گلیوں میں سے گزرتے جا رہے تھے۔ وہ ایک گلی کا موڑ مڑے تو باڈی گارڈ رُک گیا۔ اُس نے پیچھے دیکھا۔ صائقہ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"تم نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ نہیں سُنی تھی؟" باڈی گارڈ نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں" صائقہ نے کہا۔ "میں ہی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہی ہوں۔"

"میں نے کوئی اور آواز سُنی تھی۔" باڈی گارڈ نے زیرِ لب کہا اور آگے چل پڑا۔

"اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟" صائقہ نے پوچھا۔ "کوئی اگر پیچھے سے آتا ہے تو آنا رہے۔"



باڈی گارڈ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ گلی ختم ہوگئی۔ اس سے آگے کوئی آبادی نہیں تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کھنڈرات بھی تھے۔ قید خانہ اُسی طرف آبادی سے کچھ دُور تھا۔ وہ دونوں کھنڈروں سے بچتے جا رہے تھے۔ وہاں جھاڑیاں اور درخت تھے۔ باڈی گارڈ ایک بار پھر رُک گیا اور پیچھے کو دیکھا۔ اُسے پیچھے آہٹ سنائی دی تھی۔ اُس نے تلوار نکال لی اور پیچھے کو گیا۔ دو تین جھاڑیوں کے ارد گرد گھوم کر دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"اب تو تم نے پیچھے کسی کے پاؤں کی آواز سُنی ہوگی؟" باڈی گارڈ نے صائقہ سے کہا۔ یہ آواز بڑی صاف تھی۔ صائقہ نے یہ آہٹ سُنی تھی لیکن اُس نے جھوٹ بولا۔ کہنے لگی۔ "تمہارے کان بجتے ہیں۔ اگر یہ کسی کی آہٹ تھی ہی تو خرگوش یا کسی ایسے ہی جنگلی جانور کی ہوگی۔ تم ان آہٹوں سے کیوں ڈرتے ہو؟"

"میں تمہیں جو بات کہنے سے جھجکتا تھا وہ اب کہہ دیتا ہوں۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "تم بہت ہی خوبصورت اور جوان لڑکی ہو۔ تمہیں اپنی قیمت کا اندازہ نہیں۔ تمہیں کسی نے اغوا کر کے کسی امیر یا حاکم کے پاس بیچ ڈالا تو وہ مالا مال ہو جائے گا۔ تم میری ذمہ داری میں ہو۔ کسی نے تمہیں مجھ سے چھین لیا تو والیٔ موصل میرا سر تن سے جُدا کر دے گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میرے پیچھے نہ رہو۔"

صائقہ اُس کے ساتھ ہوگئی۔ کچھ آگے جا کر پگڈنڈی شروع ہوتی تھی۔ وہ وہاں تک چلے گئے اور پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ تھوڑا آگے اس پگڈنڈی سے ایک اور راستہ نکلتا تھا جو کسی اور طرف جاتا تھا۔ باڈی گارڈ صائقہ کو اس راستے پر لے گیا۔ چند ہی قدم آگے گئے ہوں گے کہ انہیں کسی کے دوڑتے قدموں کی صاف آواز سنائی دی جو فوراً ہی خاموش ہوگئی۔ کوئی پیچھے سے دوڑتا آیا اور دائیں کو چلا گیا۔ باڈی گارڈ نے ایک سایہ ایک درخت کے پیچھے غائب ہوتا دیکھ لیا تھا۔ وہ تلوار سونت کر اُس درخت کی طرف دوڑا۔ پیچھے اُسے صائقہ کی گھٹی ہوئی چیخ سُنائی دی۔ کسی نے صائقہ کے اُوپر بوری کی طرح کا تھیلا ڈال دیا اور اس سے پہلے اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔ باڈی گارڈ کو اندھیرے میں اتنا ہی نظر آیا کہ جہاں صائقہ اکیلی تھی وہاں دو سائے اُچھل کود رہے ہیں۔

وہ اُس کی طرف دوڑنے ہی لگا تھا کہ عقب سے کسی نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اُس کے بھی منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا اور اُوپر سے بوری کی طرح کا تھیلا اُس پر چڑھا دیا گیا۔ وہ تنومند جنگجو تھا لیکن اُسے جکڑنے والے تعداد میں زیادہ تھے اور وہ بھی طاقتور اور اپنے فن کے استاد تھے۔ اُدھر صائقہ کو دوہرا کر کے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا گیا۔ اِدھر باڈی گارڈ کو اسی طرح تھیلے میں بند کر دیا گیا۔ انہیں پکڑنے والے انہیں اٹھا کر چل پڑے۔ آگے جا کر ایک ایک تھیلا پیٹھ پر اُٹھا لیا۔ اندھیرے میں پاس سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ دو انسانوں کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ وہ ایک اندھیری گلی میں چلے گئے اور کچھ دُور جا کر ایک تنگ و تاریک مکان میں داخل ہو گئے۔

اندر جا کر وہ صائقہ کو ایک کمرے میں اور باڈی گارڈ کو دوسرے کمرے میں لے گئے۔ الگ الگ کمروں میں تھیلوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ صائقہ تھیلے سے نکلی تو اُس کے منہ میں سے کپڑا نکال دیا گیا۔ کمرے میں دیا جل رہا تھا۔ صائقہ کو دو آدمی کھڑے نظر آئے۔ اُس نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟"

"محفوظ فرقہ ہی تھا۔" کمرے میں کھڑے دو آدمیوں میں سے ایک نے جواب دیا۔ "راستے میں کوئی بھی تمہیں ہمارے ساتھ چلتا دیکھ سکتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ تمہیں بھی چھپا کر لایا جائے۔"

"مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم یہ طریقہ اختیار کرو گے؟" صاعقہ نے پوچھا۔ "میں تو یہ سمجھی تھی کہ یہ تم نہیں ہو کوئی ڈاکو ہیں اور مجھے سچ مچ اغوا کیا جا رہا ہے۔"

"ہمارے طریقے کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھے کہیں اور لے جا رہا تھا؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"یہ یقین تو ہمیں اسی وقت ہو گیا تھا جب تم اس کے ساتھ گھر سے نکلی تھیں۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔ "اگر وہ تمہیں واقعی قید خانے میں لے جا رہا تھا تو جیب اور سیدھا راستہ دوسری طرف تھا۔ وہ کھنڈرات کے ویرانے میں تمہیں لے گیا اور پگڈنڈی سے ہٹ کر ایک اور راستے پر چل پڑا۔ ہمیں پختہ یقین ہو گیا کہ وہ تمہیں کہیں اور لے جا رہا ہے۔"

"اس نے کئی بار تمہارے قدموں کی آہٹ سنی تھی۔" صاعقہ نے کہا۔ "ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہیے۔"

"اندھیرے میں فاصلے کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔" اسے بتایا گیا۔ "ہم تم دونوں کے تعاقب میں دور نہیں تھے۔ دور تک نظر نہیں آتا تھا اس لیے تمہارے قریب رہنا ضروری تھا۔"

صاعقہ کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ باڈی گارڈ کے ہاتھوں لاپتہ اور ذلیل و خوار ہونے سے بال بال بچ گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں باڈی گارڈ کو تھیلے میں سے نکال کر اس کے منہ سے کپڑا نکالا گیا۔ اس کے سامنے تین نقاب پوش کھڑے تھے۔ اس کی تلوار انہی نقاب پوشوں کے پاس تھی۔

"کون ہو تم؟" اس نے بڑے رعب سے نقاب پوشوں سے کہا۔ "میں والیِ موصل کا خصوصی محافظ ہوں۔ تم سب کو سزائے موت دلاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔"

"والیِ موصل کی حفاظت اب خدا ہی کرے تو کرے۔" ایک نقاب پوش نے کہا۔ "تم اپنی حفاظت کی فکر کرو۔ اس لڑکی کو تم کہاں لے جا رہے تھے؟"

"قید خانے میں اس کے باپ سے ملاقات کرانے لے جا رہا تھا۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "یاد رکھو جس لڑکی کو تم نے اغوا کیا ہے اسے تم ہضم نہیں کر سکو گے۔ یہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی ہے اور والیِ موصل غازی سیف الدین نے اپنا خصوصی محافظ اس کے لیے بھیجا تھا۔ اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ لڑکی لاپتہ ہو گئی تو والیِ موصل شہر کے گھر گھر کی تلاشی لے گا۔ تم شہر سے نکل نہیں سکو گے۔ تھوڑی دیر بعد غازی سیف الدین کو پتہ چل جائے گا کہ اس کا محافظ اور خطیب کی بیٹی لاپتہ ہیں۔ شہر کی ناکہ بندی فوراً کر دی جائے گی۔ لڑکی کہاں ہے؟"

"سنو دوست!" ایک نقاب پوش نے کہا۔ "لڑکی یہیں ہے۔ اسے اغوا نہیں کیا گیا۔ اسے اغوا ہونے سے بچا لیا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ والیِ موصل سیف الدین کے لیے یہ لڑکی بہت اہم ہے اور وہ اس کی تلاش میں اپنی پوری فوج لگا دے گا کیونکہ لڑکی خوبصورت اور نوجوان ہے اور اس کا باپ قید خانے میں بند ہے۔ وہ سیف الدین



کو دھتکار آئی تھی۔ پھر اس نے لڑکی کو ملاقات کے لیے اجازت دے دی اور کہا کہ اسے ایک آدمی اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا۔ ملاقات کا وقت رات کا رکھا گیا۔ تم بتا سکتے ہو کہ ملاقات دن کو کیوں نہ کرائی گئی؟ لڑکی نے ہمیں بتایا۔ ہم نے اس کی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ تم اسے گھر سے ہی غلط راستے پر لے چلے تو ہم تمہارے تعاقب میں چل پڑے۔ تم نے دو تین بار رک کر پیچھے دیکھا تھا۔ وہ ہم ہی تھے۔ تم نے جنہیں جھاڑیوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی وہ بھی ہم ہی تھے۔ ہم تو دن کی روشنی میں بھی کسی کو نظر نہیں آتے۔"

"تم نے اس لڑکی پر ظلم کیا ہے۔" باڈی گارڈ نے کہا۔ "میں اسے اس کے باپ کے پاس لے جا رہا تھا۔"

"تم اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔" ایک نقاب پوش نے تلوار کی نوک اس کی شہ رگ پر رکھ کر ذرا سی دبائی اور کہا۔ "تم اسے سیف الدین کے لیے لے جا رہے تھے۔ ہم جانتے ہیں تمہارا والیِ موصل کتنا کچھ زمل ہے جس نے خطیب تک کو قید کرنے سے گریز نہ کیا اور اب اس کی بیٹی کو ملاقات کی اجازت دے رہا ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ معزز خطیب کا جرم ہے مگر تم یہ نہیں جانتے کہ یہ عالم موصل میں تنہا نہیں۔ وہ قید خانے میں ہے تو اس کی بیٹی تنہا نہیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دینا ہوں کہ ہم سیف الدین کا تختہ الٹ دیں گے۔ اس کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ ہم اسے کسی بھی وقت قتل کر سکتے ہیں لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے ہمیں سختی سے حکم دے رکھا ہے کہ کسی کو حسن بن صباح کے فدائیوں کی طرح قتل نہ کرنا۔ ہم میدان میں للکارتے اور قتل کرتے ہیں۔"

"تم صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہو؟" باڈی گارڈ نے پوچھا۔

"ہاں!" نقاب پوش نے جواب دیا۔ "ہم جانباز دستے کے سپاہی ہیں۔" اس نے تلوار کی نوک اس کی شہ رگ پر اور زیادہ دبائی تو باڈی گارڈ کی پیٹھ دیوار کے ساتھ جا لگی۔ نقاب پوش نے کہا۔ "تم سیف الدین کے خصوصی محافظ ہو اور ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہو۔ تم اس کے رازدان ہو۔ لڑکیاں اغوا کر کے اسے دیتے ہو۔ پوری تفصیل سے بتا دو کہ سلطان ایوبی کے خلاف اس کے ارادے کیا ہیں۔ اگر بتانے سے انکار کرو گے یا یہ کہو گے کہ تمہیں کچھ علم نہیں تو تمہارا حال وہی کیا جائے گا جو سیف الدین قید خانے میں اپنے مخالفین کا کرتا ہے۔"

"اگر تم سپاہی ہو تو اچھی طرح جانتے ہو گے کہ حاکم اور بادشاہ کے سامنے ایک محافظ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "میں اس کے ارادوں کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں؟"

ایک نقاب پوش نے اس کا سر ننگا کر کے اس کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور جھٹکا دے کر اسے ایک طرف جھکا دیا۔ دوسرے نے اسے ٹانگوں سے گھسیٹ کر گرا دیا۔ ایک نقاب پوش اس کے پیٹ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ دو تین بار اس کے پیٹ پر اچھلا تو باڈی گارڈ کے دانت بجنے لگے۔ پھر اسے مختلف اذیتوں کا ذرا ذرا ذائقہ چکھایا گیا اور اسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔

"مجھے اٹھنے دو۔" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

اسے اٹھایا گیا۔ اس نے کہا۔ "سیف الدین سلطان ایوبی کے خلاف لڑنا چاہتا ہے۔"

"یہ کوئی راز نہیں۔" ایک نقاب پوش نے کہا۔ "ہمیں بتاؤ وہ کب اور کس طرح لڑنا چاہتا ہے۔ کیا وہ حلب

اور حران کی فوجوں کے ساتھ اپنی فوج شامل کرے گا یا الگ رہے گا؟"

"فوج دوسری فوجوں میں شامل کرے گا۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "لیکن ایسی چال چلے گا کہ اس کی فوج کی فتح الگ تھلگ نظر آئے۔ حلب اور حران والوں پر اسے بھروسہ نہیں۔"

"اپنے سالاروں کو اس نے کیا ہدایات دی ہیں؟" ایک نقاب پوش نے پوچھا۔

"اس کا منصوبہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو پہاڑی علاقے میں محصور کر لیا جائے۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

"فوج کس راستے سے جائے گی؟"

"قرونِ حماۃ کی طرف سے۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

"صلیبی کتنی مدد دے رہے ہیں؟"

"صلیبیوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "لیکن سیف الدین انہیں بھی دھوکہ دے گا۔ صلیبی فوج کے چند ایک کمانڈر موصل کی فوج کو تربیت دے رہے ہیں۔"

یہ نقاب پوش اور وہ دو آدمی جو دوسرے کمرے میں صائقہ کے ساتھ تھے سلطان ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس تھے۔ ان کا رابطہ خلیب ابن المخدوم کے ساتھ تھا بلکہ خلیب اُن کا نگران اور سربراہ تھا۔ یہ گروہ سلطان ایوبی کے لیے آنکھوں اور کانوں کا کام کرتا تھا۔ موصل سے جو بھی اطلاع وہ حاصل کرتے تھے سلطان ایوبی کے جنگی ہیڈ کوارٹر کو بھیج دیتے تھے۔ موصل میں وہ مختلف کام دھندا، ملازمت اور دکانداری کرتے تھے۔ خلیب قید ہو گیا تو یہ رات کو باری باری خلیب کے گھر کا پہرہ دیتے تھے۔ اُن لڑکیوں نے جو صائقہ کے گھر اُسے تنہا سمجھ کر سونے آتی تھیں انہی کے سائے حرکت کرتے دیکھے تھے۔ صائقہ نے اِن لڑکیوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ سائے سے انسان ہیں۔ اُس نے ایسا تاثر دیا تھا جیسے یہ جنات ہیں۔ ان آدمیوں کو معلوم تھا کہ صائقہ سیف الدین کے پاس باپ سے ملاقات کی اجازت لینے گئی ہے۔ واپس آکر اُس نے ان میں سے ایک آدمی کو بتا دیا تھا کہ رات کو ایک آدمی اُسے قید خانے میں لے جانے کے لیے آئے گا۔ اُس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سیف الدین نے اُس کے ساتھ نازیبا باتیں کیں اور اُسے اپنے عقد میں لینے کی پیش کش کی تھی۔

اس آدمی نے اپنے گروہ کو بتایا۔ یہ سب بہت ذہین تھے۔ انہیں شک ہوا کہ صائقہ کو کسی اور طرف لے جا کر اُسے غائب کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سورج غروب ہونے کے بعد پانچ آدمی صائقہ کے گھر میں جا کر چھپ گئے تھے۔ صائقہ باڈی گارڈ کے ساتھ گئی تو یہ آدمی اُن کے تعاقب میں چل پڑے۔ آگے جا کر اُن کا شک صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے کامیابی سے صائقہ کو بچا لیا اور باڈی گارڈ کو بھی پکڑ لائے جو سیف الدین کا رازدان تھا۔ انہوں نے فوری اہمیت کے بہت سے راز اُس سے اگلوا لیے۔ ان میں یہ راز اہم تھا کہ سیف الدین کے بھائی عزّ الدین نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو اپنی کمان میں رکھا ہے۔ یہ حصہ محفوظہ کے طور پر استعمال ہو گا یعنی اسے بعد میں ضرورت کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ پہلے حملے کی قیادت سیف الدین کو کرنی تھی۔ دوسری اہم بات جو معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ حلب سے گمشتگین اور سیف الدین کے ہاں ایلچی یہ پیغام لے کر گئے ہیں کہ تینوں



فوجوں کو مشترکہ کمان میں رکھا جائے اور صلیبیوں کی مدد پر زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے۔ باقی معلومات بھی اہم تھیں۔

باڈی گارڈ نے یہ معلومات اُگل کر کہا کہ اُسے رہا کیا جائے۔ نقاب پوشوں نے اُسے رہائی کے وعدے پر ٹال دیا۔ صائقہ کو اسی کمرے میں رہنے دیا گیا۔ اُسے اُس کے گھر رکھنا مناسب نہیں تھا۔ باڈی گارڈ کو اس مکان کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

✡

حران اور حلب سے تقریباً پچاس میل دور صلیبی فوج کا جنگی ہیڈ کوارٹر تھا جہاں زیادہ سرگرمیاں جاسوسی کے متعلق تھیں۔ وہاں جو صلیبی حکمران اور کمانڈر تھے وہ سلطان ایوبی کے خلاف کھلی جنگ لڑنے کی بجائے اُس کے مسلمان مخالفین کو متحد کر کے اُس کے خلاف لڑانے کی سکیمیں بنا رہے تھے اور اُن پر عمل بھی کر رہے تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے بڑے بڑے امراء کو اپنے فوجی مشیر دے رکھے تھے جو انہیں جنگی مشورے دینے کے علاوہ فوجوں کو جنگی تربیت بھی دیتے تھے۔ اپنی اصل نیت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے وہ مسلمان امراء کو عیش و عشرت کا سامان بھی مہیا کرتے رہتے تھے۔ اُن کے جاسوس بھی اِن امراء کے درباروں میں موجود رہتے اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔

حران سے گمشتگین کا ایک صلیبی مشیر اپنے اس جنگی ہیڈ کوارٹر میں پہنچا۔ اُس وقت صلیبیوں کے دو مشہور جنگجو حکمران ریمانڈ اور ریجنالٹ وہاں موجود تھے۔ ریمانڈ وہ حکمران تھا جسے حال ہی میں سلطان ایوبی نے ایک بروقت اور برق رفتار چال چل کر بھگا دیا تھا اور ریجنالٹ وہ مشہور صلیبی حکمران تھا جسے نور الدین زنگی نے ایک معرکے میں جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ اُسے اور دیگر صلیبی قیدیوں کو حران میں گمشتگین کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اُس وقت گمشتگین خلافتِ بغداد کا ایک قلعہ دار تھا۔ زنگی فوت ہو گیا تو اس قلعہ دار نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی پکی کرنے کے لیے ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو تمام صلیبی قیدیوں سمیت رہا کر دیا۔ نور الدین زنگی نے کہا تھا کہ ریجنالٹ کے عوض وہ صلیبیوں سے اپنی شرطیں منوائے گا۔ زنگی مر گیا تو امراء نے عیاشی اور حکومت کے نشے میں اُس کے تمام تر منصوبے اُلٹ کر دیئے اور صلیبی سلطنتِ اسلامیہ کی بنیادوں میں اُترنا شروع ہو گئے۔

حران سے صلیبی مشیر جو دراصل جاسوس تھا ریمانڈ اور ریجنالٹ کے پاس پہنچا اور حران کے تازہ واقعات کی تفصیلی رپورٹ دی۔ اُس نے کہا "حلب سے الملک الصالح نے گمشتگین اور سیف الدین کو تحفوں کے ساتھ پیغام بھیجے ہیں کہ وہ اپنی فوجیں اُس کی فوج کے ساتھ مشترکہ کمان میں دے دیں۔ وہاں یہ عجیب واقعہ ہوا ہے کہ گمشتگین کے دو سالاروں نے حران کے قاضی کو قتل کر دیا اور دو لڑکیوں کو جو حلب سے الملک الصالح نے پیغام کے ساتھ تحفے کے طور پر بھیجی تھیں بھگا دیا۔ پھر انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے حامی ہیں اور وہ اُسی کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ یہ دونوں سالار سگے بھائی ہیں اور ہندوستان سے آئے ہیں۔ دونوں کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اس سے ایک ہی روز پہلے ہمارا ایک ساتھی مشیر گمشتگین کے گھر میں ایک دعوت کے دوران پُراسرار طریقے سے قتل ہو گیا ہے۔ آگے یہ معلوم ہوا کہ گمشتگین کے حرم کی

ایک لڑکی اور اُس کا ایک باڈی گارڈ لاپتہ ہیں۔"

صلیبیوں کی اس کانفرنس میں قہقہہ بلند ہوا اور کچھ دیر تک سب ہنستے رہے۔ ریمانڈ نے کہا: "یہ مسلمان قوم اس قدر جنسیت پسند ہو گئی ہے کہ اس کے حکمران اور امراء، وزراء جنگ اور سیاست کے فیصلے بھی جنسی قوت پرستی سے مغلوب ہو کر کرتے ہیں۔ وزراء خود گمشتگین جیسے جابر اور جنگجو قلعہ دار کی فوج کی اعلیٰ کمان جن دو سالاروں کے پاس تھی وہ دونوں تو اُس کے دشمن صلاح الدین ایوبی کے کیمپ کے سالار تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں نے تحفے میں آئی ہوئی لڑکیوں کی خاطر قاضی کو قتل کیا ہو گا اور لڑکیوں کو صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دیا ہو گا اور خود قید ہو گئے۔ گمشتگین کے حرم کی جو لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے وہ اُس محافظ نے بھگائی ہوگی اور بھولا آدمی معلوم نہیں کس چکر میں قتل ہو گیا۔ مسلمان امراء، قلعہ داروں اور حاکموں کے حرموں کی مقفّد دنیا بڑی ہی پُراسرار دنیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ قوم عیش و عشرت اور لذت پرستی سے تباہ ہوگی۔"

"میں دو باتیں کہوں گا۔" ایک اور صلیبی نے کہا۔ یہ صلیبی اپنی افواج کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس نے کہا: "آپ نے کہا ہے کہ تحفے میں آئی ہوئی لڑکیاں حرن سے بھگا کر صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دی گئی ہوں گی۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ میں جاسوسی کا ماہر ہوں۔ دشمن کے فوجی راز حاصل کرنے کے علاوہ میرے شعبے کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن کے فوجی قائدین اور دیگر اعلیٰ حکام کے ذاتی کردار اور جنگی چالوں کے متعلق بھی معلومات حاصل کر کے اور اپنی فوج کو آگاہ کرے۔ میں آپ کو پورے وثوق سے بتاتا ہوں کہ عورت اور شراب کے معاملے میں صلاح الدین پتھر ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ آپ اُسے زہر دے کر نہیں مار سکتے نہ اُسے کسی حسین لڑکی کے جال میں پھانس کر فدائیوں سے قتل کرا سکتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا اٹل اصول ہے کہ جو انسان ذہنی عیاشی کا عادی نہ ہو اُس کا عزم پختہ ہوتا ہے اور جو مہم ہاتھ میں لیتا ہے اُسے سر کر کے ہی دم لیتا ہے۔ آپ کے دشمن صلاح الدین ایوبی میں یہی خوبی ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ اُس کا دماغ پیدا کام کرتا ہے اور وہ ایسی ایسی چالیں چلتا ہے جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں اور آپ کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ جہاں تک میں نے اُس کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی ضروریات سے بے نیاز ہے۔ اُس نے یہی خوبی اپنی فوج میں پیدا کر رکھی ہے، ورنہ صحراؤں میں لڑنے والے سپاہی برف پوش وادیوں میں اور پہاڑیوں پر اس یخ موسم میں کبھی نہ لڑ سکتے۔ جب تک آپ اپنے ہاں بھی یہی خوبی پیدا نہیں کریں گے اپنے اس دشمن کو جسے آپ صلاح الدین ایوبی کہتے ہیں، کبھی شکست نہیں دے سکتے....

"اور دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے مسلمان امراء، وزراء، اور حکمرانوں میں جو زن پرستی پیدا ہو گئی ہے وہ میرے شعبے کا کمال ہے۔ یہودی دانشوروں نے ایک صدی سے زیادہ عرصے سے مسلمانوں کی کردار کشی کی مہم چلا رکھی ہے۔ یہ دراصل اُن کی کامیابی ہے کہ ہم نے لڑکیوں اور زر و جواہرات کے ذریعے مسلمان سربراہوں کا کردار ختم کیا ہے۔ ہم تو انہیں اخلاقی لحاظ سے تباہ کرنے کے لیے حسین اور تیز طرار لڑکیاں باقاعدہ تربیت کے ساتھ اُن کے ہاں تحفے کے طور پر بھیجتے ہیں۔ اُن بدبختوں نے آپس میں بھی لڑکیوں کو بطور تحفہ بھیجنا شروع



کر دیا ہے۔ ان کے ہاں قومی کردار ختم ہو چکا ہے۔ یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان تفرقہ اور بادشاہی کا لالچ پیدا کر دیا ہے۔"

"اس قوم کو ہم اسی طرح ختم کریں گے۔" ریجنالٹ نے کہا۔ "اور یہ قوم اپنے کردار کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی خوش ہو رہا ہوگا کہ اس نے ہمارے بھائی ریمانڈ کو پسپا کر دیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ ریمانڈ اِن جنگ سے پسپا ہوا ہے۔ یہ تو اُس کی قوم کے سینے میں گھس گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم میدان میں ہی لڑیں، ہم کسی دوسرے محاذ پر بھی لڑ سکتے ہیں۔"

"اِس مہم کو مزید تیز کرنے کی ضرورت ہے۔" اُس مشیر نے کہا جو حرن سے گیا تھا۔ "میں نے آپ کو گمشتگین کے اندرونِ خانہ کے واقعات سنائے ہیں۔ اِن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور تخریب کار صرف موجود ہی نہیں بلکہ گمشتگین کے گھر کے اندر اور اُس کی اعلیٰ کمان میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ہمیں اُن کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہیے۔"

"ہمیں کیا ضرورت ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین اور الملک الصالح اور اُن کے متحدہ محاذ کے دوسرے اُمراء وغیرہ کو صلاح الدین ایوبی کی جاسوسی اور تباہ کاری سے بچائیں؟" ایک صلیبی کمانڈر نے کہا۔ "ہم تو ان کی تباہی کے عمل کو تیز کریں گے۔ یہ تباہی ہمارے ہاتھوں ہو یا اُن کے اپنے ہی کسی بھائی کے ہاتھوں۔ کیا آپ اِن مسلمانوں کو جو صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں سچے دل سے اپنا دوست سمجھ بیٹھے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سچے صلیبی نہیں۔ آپ شاید ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ہماری دشمنی نورالدین زنگی کے ساتھ نہیں تھی، نہ ہی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی کبھی میرے سامنے آ گیا تو میں اُس کا احترام کروں گا۔ وہ جنگجو ہے، میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے، تیغ زن ہے۔ ہماری دشمنی اس مذہب کے خلاف ہے جسے اسلام کہتے ہیں۔ ہم ہر اُس آدمی کے خلاف لڑیں گے جو اس مذہب کا دفاع کرے گا اور جو اسے فروغ دے گا۔ ہمارے اور صلاح الدین ایوبی کے مرنے کے بعد یہ جنگ ختم نہیں ہو جائے گی۔ اسی لیے ہم مسلمانوں میں ایسی بُری عادتیں پیدا کر رہے ہیں جو ان کی آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوں گی۔ ہم ایسے طریقے اختیار کر رہے ہیں کہ مسلمان اپنی روایات کو بھول جائیں اور ہماری پیدا کردہ خوبیوں کے دلدادہ ہو جائیں۔"

"ہمیں ان کے اصل تہذیب و تمدن کو بگاڑنا ہے۔" ریمانڈ نے کہا۔ "ہم اُس دور میں زندہ نہیں ہوں گے۔ ہم دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ ہم نے کردار کی تباہ کاری کی مہم جاری رکھی تو وہ دور آئے گا کہ اسلام اگر زندہ رہا تو یہ اسلام کی بدروح ہوگی جو بھٹکتی پھرے گی۔ مسلمان نام کے مسلمان ہوں گے۔ ان کی کوئی آزاد اسلامی سلطنت رہ بھی گئی تو وہ گناہوں اور بدی کا گھر ہوگی۔ یہودی اور عیسائی دانشوروں نے اس قوم میں بدی کی محبت پیدا کر دی ہے۔"

"بہرحال اب ضرورت یہ ہے کہ وہ لوگ ہماری مدد کی توقع لیے بیٹھے ہیں۔" صلیبی مشیر نے کہا۔ "گمشتگین نے مجھے اسی لیے بھیجا ہے۔"

بہت دیر اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ فوجوں کی صورت میں انہیں کوئی مدد نہ دی جائے، امداد کا جھانسہ دیا جائے۔ انہیں یہ یقین دلایا جائے کہ وہ صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر کے اُسے ترکستان کے اندر ہی لڑاتے رہیں اور ہم اپنی فوجیں اُس کے کسی نازک مقام پر بھیج کر اُسے مجبور کر دیں گے کہ وہ ترکستان سے پسپا ہو جائے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حلب، حران اور موصل کی فوجوں کے لیے اس مشیر کے ہمراہ کمانوں اور تیروں کا اور آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھیج دیا جائے۔ اس کے علاوہ پانچ سو گھوڑے بھی بھیج دیئے جائیں لیکن یہ خیال رکھا جائے کہ زیادہ تعداد ایسے گھوڑوں کی ہو جو ہماری فوج کے کام کے نہیں رہے۔ بظاہر تندرست ہوں۔

"اور آئندہ یوں کیا جائے کہ ان امراء وغیرہ کو تھوڑا تھوڑا اسلحہ دیا جاتا رہے۔" ریمانڈ نے کہا۔ "اس کے ساتھ ساتھ انہیں عیاشی کی طرف مائل کیا جائے۔ انہیں یہ تاثر دیا جائے کہ انہیں جب کبھی اسلحہ اور گھوڑوں کی ضرورت ہوگی وہ ہم پوری کریں گے۔ اس طرح وہ خود اپنی ضرورت پوری کرنے سے غافل ہو جائیں گے اور ہمارے محتاج رہیں گے۔ اس مدد سے اور اپنے مشیروں کی وساطت سے ہم اُن کے دلوں اور دماغوں پر غالب آ جائیں گے۔"

"انتہائی ضروری بات تو رہ گئی ہے۔" ایک کمانڈر نے کہا۔ "شیخ سنان کے بھیجے ہوئے فدائی چلے گئے ہیں۔ اب کے اُمید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں گے۔ وہ جو حلف اٹھا کر گئے ہیں اس میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ جان پر کھیل کر اُسے قتل کریں گے ورنہ وہ زندہ واپس نہیں آئیں گے۔"

اُسی روز پانچ سو گھوڑے، ہزارہا کمانیں اور لاکھوں تیر اور آتش گیر مادے کے سربمہر مٹکے حلب کو اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیئے گئے کہ اس قسم کی مدد کا سلسلہ جاری رہے گا، اور صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کر دیا جائے گا۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ہیڈکوارٹر میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس سب سے پہلے انطاقون اور فاطمہ پہنچے۔ فاطمہ گمشتگین کے حرم کی وہ لڑکی تھی جس نے ایک صلیبی مشیر کو قتل کیا اور انطاقون نام کے محافظ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ انطاقون سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس تھا جو جذبات سے مغلوب ہو گیا تھا، اسی لیے وہ گرفتار ہوا تھا۔ یہ تو سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کی بدولت تھا کہ اُسے دھوکے سے بھگا دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ تھا جو انطاقون اور فاطمہ کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ انطاقون نے اپنی واردات سنائی جو سلطان ایوبی کو پسند نہ آئی لیکن اُسے اس لیے معاف کر دیا گیا کہ وہ کامیابی سے گمشتگین کے محافظ دستے میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس نے دوسرا کارنامہ یہ کیا تھا کہ اُس نے فاطمہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے حرم تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ سلطان ایوبی نے انطاقون کے متعلق حکم دیا کہ اسے فوج میں بھیج دیا جائے کیونکہ جاسوسی کے نازک کام کے لیے اس کے جذبات پختہ نہیں ہیں۔ فاطمہ کو دمشق بھیج دینے کا حکم دیا گیا۔



"میں انطاقون کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں۔" فاطمہ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن شادی دمشق میں ہوگی۔ میدانِ جنگ شہادت کے لیے ہے، شادی کے لیے نہیں۔"

"سلطانِ محترم!" انطاقون نے کہا۔ "میں نے آپ کو ناراض کیا ہے۔ میں اپنے لیے یہ سزا تجویز کرتا ہوں کہ میں جب تک سلطان کو خوش نہ کر لوں شادی نہیں کروں گا۔" اُس نے فاطمہ سے کہا۔ "تم سلطان کے حکم کے مطابق دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہارے رہنے سہنے کا بہت اچھا انتظام ہے۔ تمہاری شادی میرے ساتھ ہی ہوگی۔" اُس نے سلطان ایوبی سے کہا۔ "میری یہ عرض مانی جائے کہ میں آپ کے کسی چھاپہ مار دستے میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے شبخون مارنے کی تربیت حاصل کر رکھی ہے۔"

اُسے ایک چھاپہ مار دستے میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

دوسرے دن جب فاطمہ کو دمشق بھیجا جانے لگا تو وہ لڑکیاں پہنچ گئیں جو الملک الصالح نے گمشتگین کو تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ اُن کے ساتھ سالار شمس الدین اور شاد بخت کے بھیجے ہوئے دو آدمی تھے۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ حران میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دونوں سالاروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ لڑکیوں نے سلطان ایوبی کو اپنی کہانی سنائی۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ فلسطین کے مسلمان آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں؟" ایک لڑکی نے کہا۔ "وہاں کی لڑکیاں آپ کے گیت گاتی ہیں۔ مسجدوں میں آپ کی فتح کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔" اُس نے پوری تفصیل سے سنایا کہ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے اور اُن کے لیے دُنیا جہنم بنا ڈالی ہے۔

"وہاں ہماری بچیوں کی نہیں ہماری عظمت کی عصمت دری ہو رہی ہے۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "میں تو یہ کہوں گی کہ قوم کی عظمت کی عصمت دری ہمارے اپنے حکمران کر رہے ہیں۔ ہمیں اُن کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔ ہم نے انہیں خدا کے واسطے دیئے اور بتایا کہ ہم اُن کی بیٹیاں ہیں مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ انہوں نے ہمیں ایک دوسرے کی طرف تحفے کے طور پر بھیجنا شروع کر دیا۔"

"فلسطین کے راستے میں بھی وہی حائل ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں گھر سے فلسطین پہنچنے کے لیے ہی نکلا تھا مگر میرے بھائی میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ تم اب محفوظ ہو۔ ایک لڑکی پہلے بھی یہاں آئی ہے۔ اُسے دمشق بھیجا جا رہا ہے۔ تم بھی اُسی کے ساتھ دمشق جا رہی ہو۔"

"ہم اپنی عصمت کا انتقام لینا چاہتی ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "ہمیں یہیں رکھا جائے اور ہمیں کوئی فرض سونپا جائے۔ ہم اب کسی حرم میں یا کسی گھر میں قید نہیں ہونا چاہتیں۔"

"ابھی ہم زندہ ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہیں کوئی قید نہیں کرے گا۔ وہاں لڑکیاں کئی اور طریقوں سے ہماری مدد کر رہی ہیں۔ وہاں تمہیں کوئی فرض سونپ دیا جائے گا۔"

لڑکیوں کو رخصت کرکے سلطان ایوبی بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اُس وقت حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی نے کہا: "مصر سے ابھی کمک نہیں پہنچی۔ اگر تینوں فوجیں ہم پر حملے کے لیے آگئیں تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے دشمن کو معلوم نہیں کہ میرے پاس فوج کم ہے اور میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں۔ اگر اُن کی جگہ میں ہوتا تو میں فوراً حملہ کر دیتا اور دشمن کی کمک اور رسد کا راستہ روک لیتا۔"

"مصر سے کمک آ ہی رہی ہوگی۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "محترم العادل ایسے تو نہیں کہ وقت ضائع کریں گے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دشمن نے ہماری کمک کا راستہ روکا ہوا نہیں۔"

تمام مورخ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر سلطان ایوبی بڑی نازک اور پُرخطر صورتِ حال میں تھا۔ وہ مصر سے کمک کا انتظار کر رہا تھا۔ اگر اس وقت الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی مشترکہ فوج اُس پر حملہ کر دیتی تو اسے آسانی سے شکست دی جا سکتی تھی کیونکہ اُس کے پاس فوج تھوڑی تھی۔ پہاڑی علاقے میں وہ صحرا کی چالیں نہیں چل سکتا تھا لیکن اُس کے دشمن نہ جانے کیا سوچتے رہے۔ صلیبی اُس پر حملہ کرنے کی بجائے مسلمان امراء کو اس کے خلاف لڑانا چاہتے تھے۔ انہوں نے بھی نہ دیکھا کہ سلطان ایوبی مجبوری کی حالت میں بیٹھا اللہ سے دعائیں مانگ رہا ہے کہ اس حالت میں دشمن اُس پر حملہ نہ بول دے۔ وہ تو اس قابل بھی نہیں تھا کہ پانی کی اُس ندی کی حفاظت کر سکتا جس سے اُس کی فوج کے گھوڑے اور اونٹ پانی پیتے تھے۔ صلیبی یا اُس کے مسلمان دشمن اگر عقل سے کام لیتے تو چھاپہ ماروں کے ذریعے اُس کی کمک اور رسد کا راستہ روک سکتے تھے یا کمک کی رفتار سست کر سکتے تھے۔ سلطان ایوبی نے اُس راستے کو گشتی چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ رکھا ہوا تھا۔

قاضی بہاؤالدین شداد جو اُس وقت کا عینی شاہد اور مبصر ہے اپنی یادداشتوں "سلطان یوسف (صلاح الدین ایوبی) پر کیا افتاد پڑی" میں لکھتا ہے: "اگر خدا انہیں (دشمنوں کو) فتح دینا چاہتا تو وہ سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر دیتے مگر خدا جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے وہ ذلیل ہو کے رہتا ہے (قرآن ۳ ۲۶/۷)۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو اتنا وقت دے دیا کہ مصر سے کمک پہنچ گئی۔ سلطان نے اسے اپنی فوج میں مدغم کرکے اپنی مورچہ بندی کو نئی ترتیب دے لی اور حملے سے پہلے اُس نے تمام تر گھوڑوں کو پانی بھی پلایا اور پانی کا ذخیرہ بھی کر لیا۔"

سلطان ایوبی کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔ اُس نے جہاں جہاں اپنی مختصری فوج مورچہ بند کر رکھی تھی، وہاں جاتا، غور کرتا اور اپنی سکیم کے مطابق یقین کر لیتا تھا کہ اُس کے یہ تھوڑے سے سپاہی دشمن کا حملہ روک لیں گے۔ قرون حماۃ میں جہاں ایک پہاڑی سینگوں کی طرح دو حصوں میں بٹ جاتی تھی اُس نے دشمن کے لیے پھندا تیار رکھا ہوا تھا، مگر اُس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس جگہ اتنی تھوڑی نفری سے وہ صرف دفاعی جنگ لڑ سکتا تھا، جوابی حملہ جو جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے ضروری ہوتا ہے ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے جاسوسوں نے اُسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ صلیبی کوشش کریں گے کہ مسلمان امراء کو سلطان ایوبی کے خلاف اس طرح لڑایا جائے کہ جنگ طول پکڑ جائے تاکہ سلطان ایوبی پہاڑی علاقے سے باہر نہ نکل سکے اور محصور ہو کر دفاعی جنگ لڑتا لڑتا ختم ہو جائے۔



اُس کے جاسوس اُسے یہ نہیں بتا سکے تھے کہ دو فدائی اُسے قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ اُس کی نظر اپنی جان پر نہیں میدانِ جنگ پر تھی۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور تک آدمی پھیلا رکھے تھے۔

اس سے دوسرے ہی دن حران سے سلطان ایوبی کا ایک جاسوس آیا جس نے اطلاع دی کہ سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے قاضی ابن الخاشب کو قتل کر دیا ہے۔ جاسوس کو قتل کی وجہ کا علم نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ اُس نے بہت سی اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ گمشتگین کی فوج کی کمان اِن دونوں کے ہاتھ ہوگی اور اُن کی فوج لڑے بغیر تتر بتر کر دی جائے گی۔ جاسوس نے یہ اطلاع بھی دی کہ اب میدانِ جنگ میں فوج کی کمان گمشتگین خود کرے گا اور یہ بھی کہ وہ اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے رہا ہے۔

"حسن بن عبداللہ!" سلطان ایوبی نے کہا: "یہ دونوں بھائی زیادہ دن قید میں نہ رہیں۔ اِس آدمی (جاسوس) سے معلوم کرو کہ حران میں اپنے کتنے آدمی ہیں اور کیا وہ ان دونوں سالاروں کو قید خانے سے فرار کرا سکتے ہیں؟ مجھے ڈر ہے کہ ان دونوں کو گمشتگین قتل کرا دے گا۔ اُسے پتہ چل گیا ہوگا کہ یہ دونوں سالار میرے جاسوس ہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا کہ حران کو جا کر محاصرے میں لوں اور قلعہ سر کرکے انہیں رہا کراؤں۔ پیشتر اس کے کہ گمشتگین کوئی اوچھا فیصلہ کر بیٹھے انہیں اُس کے قید خانے سے آزاد کراؤ۔ میں دو سالاروں کے لیے اپنے دو سو چھاپہ ماروں کو مروانے کے لیے تیار ہوں۔ حران میں اپنے آدمیوں کی کمی ہو تو یہاں سے چھاپہ مار بھیجو۔"

"بندوبست ہو جائے گا۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔

☆

حلب چونکہ سلطان ایوبی کے مخالفین کا مرکز بن گیا تھا، اس لیے صلیبیوں نے جو تیر و کمان، آتش گیر مادے کے مٹکے اور گھوڑے مدد کے طور پر بھیجے تھے وہ حلب لے جائے گئے۔ حلب والوں میں صلیبیوں نے یہ خوبی بھی دیکھی تھی کہ انہوں نے سلطان ایوبی کے محاصرے کا مقابلہ بڑی ہی بے جگری سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ حلب سلطنت کی گدی بھی بن گیا تھا۔ صلیبی مشیروں نے موصل میں سیف الدین کو اور حران میں گمشتگین کو پیغام بھیجے کہ اُن کی مشترکہ فوج کے لیے مدد آگئی ہے اور وہ فوراً حلب میں آجائیں۔ مؤرخین کے مطابق اُن کی ملاقات حلب شہر سے باہر ایک ہرے بھرے مقام پر ہوئی جہاں تینوں میں ایسا معاہدہ ہوا جو تحریر میں نہ لایا گیا۔ معاہدے کو آخری شکل صلیبی مشیروں نے دی۔

اُس رات موصل کے قید خانے میں خطیب ابن المخدوم حسبِ معمول دیئے کی روشنی میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا۔ اُس کی بیٹی صاعقہ اُسی مکان کے ایک کمرے میں تھی جہاں اُسے نظر بند کیا گیا تھا۔ جس باڈی گارڈ کو اُس کے ساتھ پکڑا گیا تھا وہ دوسرے کمرے میں بند تھا۔ اس مکان میں اُن میں سے صرف دو آدمی تھے جو صاعقہ اور باڈی گارڈ کو اٹھا لائے تھے۔ اُن کے باقی ساتھی قید خانے کی دیوار کے ساتھ باہر کی طرف لگے کھڑے تھے۔ دیوار کا بالائی حصہ قلعے کی دیوار کی طرح تھا جس میں مورچے سے بنے ہوئے تھے۔ دیوار پر سنتری گھوم پھر

رہے تھے۔ اُن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ وہ عہدیدار جس نے خطیب کو فرار کرانے کا وعدہ کیا تھا، دیوار پر چلا گیا۔ وہ سنتریوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ اُس نے اُس دیوار والے سنتری کو جس کے نیچے آدمی کھڑے تھے بلایا اور اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔

اُس نے کوئی اشارہ کیا۔ نیچے چھپے ہوئے آدمیوں نے رسّہ اوپر پھینکا۔ رسّے کا سرا ایک مضبوط ڈنڈے کے درمیان میں بندھا ہوا تھا اور ڈنڈے پر کپڑے لپیٹ دیئے گئے تھے تاکہ اُوپر دیوار پر گر کر زیادہ آواز نہ پیدا کرے۔ ڈنڈا اوپر جاکر اٹک گیا۔ ایک تو اندھیرا تھا دوسرے عہدیدار سنتری کو دُور لے گیا تھا۔ چار آدمی رسّے کے ذریعے اُوپر چڑھ گئے۔ یہی رسّہ اُوپر کھینچ کر اندر کی طرف نیچے گرا دیا گیا۔ چاروں نے خنجر نکال کر اپنے اپنے منہ میں پکڑ لیے اور رسّے سے نیچے اُتر گئے۔ انہیں عہدیدار نے اندر کا نقشہ سمجھا رکھا تھا۔ اندر کچھ روشنی تھی۔ کہیں کہیں مشعلیں جل رہی تھیں۔ کوٹھڑی کی ایک قطار کے آگے برآمدہ تھا جس میں ایک سنتری ٹہل رہا تھا۔ یہ چاروں چھپ گئے۔ سنتری اُن کی طرف آیا تو ایک آدمی نے کہا "اِدھر آنا بھائی"۔ وہ جونہی اُدھر گیا دو آدمیوں کی گرفت میں آگیا۔ دل پر خنجر کے دو وار کام کر گئے۔

چاروں آدمی چھپ چھپ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک خاصا آگے تھا۔ باقی تین بکھر کر چھپتے چھپاتے اُس کے پیچھے جا رہے تھے۔ وہ قید خانے کے اُس حصے میں پہنچ گئے جو گولائی میں تھا۔ خطیب کی کوٹھڑی اسی حصے میں تھی۔ آگے جانے والا آدمی اس کوٹھڑی تک پہنچ گیا۔ خطیب نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اُس نے قرآن بند کیا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف آیا۔ اُس آدمی کے ہاتھ میں بڑی سی ایک چابی تھی۔ یہ عہدیدار نے ایک لوہار سے بنوائی تھی۔ اُسے قید خانے کی چابیوں سے پوری طرح واقفیت تھی۔ اُس آدمی نے تالے میں چابی لگائی تو تالا کھل گیا۔ دوسرے لمحے خطیب کوٹھڑی سے باہر تھا۔ وہ واپس چل پڑے۔

دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور یہ آواز — "ٹھہر جا، کون ہے؟" — اِدھر سے اُسے کہا گیا — "بھاگ کے آ، دوست"۔ یہ آواز اندھیرے سے اُبھری تھی۔ وہ جوں ہی اس جگہ پہنچا، ایک خنجر اُس کے دل میں اُتر گیا۔ وہ آگے کو جھکا تو اُس کی پیٹھ کی طرف سے ایک اور خنجر اُس کے دل تک جا پہنچا۔ خطیب کو رسّے تک لے آئے۔ سب سے پہلے ایک آدمی اوپر چڑھا، پھر خطیب اوپر آیا۔ عہدیدار نے سنتری کو ابھی تک کہیں دُور باتوں میں اُلجھا رکھا تھا۔ وہ سب اُوپر آئے۔ پھر رسّہ کھینچ کر باہر کی طرف پھینکا اور سب نیچے اُتر گئے۔ عہدیدار کو قید خانے کے باہر ایک گیدڑ کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے سنتری کو دوسری طرف بھیج دیا اور خود وہاں آیا جہاں رسّہ لٹک رہا تھا۔ وہ تیزی سے رسّہ اُتر گیا۔

یہ سب اُس مکان میں چلے گئے جہاں صاعقہ اور باڈی گارڈ تھے۔ اپنے باپ کو دیکھ کر صاعقہ کے جذبات بے قابو ہو گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو مُوصل سے میلوں دُور چار گھوڑے جا رہے تھے۔ ایک پر خطیب سوار تھا، دوسرے پر صاعقہ، تیسرے پر قید خانے کا عہدیدار اور چوتھے پر ایک اور آدمی۔ یہ آدمی سلطان ایوبی کے جاسوسوں میں سے تھا۔ وہ باڈی گارڈ کو پکڑ کر لانے والی پارٹی میں بھی تھا۔ اُسی نے باڈی گارڈ سے بڑے قیمتی راز اگلوائے



تھے۔ وہ جب مُوصل سے بہت دُور پہنچ گئے تھے اُس وقت باڈی گارڈ کی لاش اُسی مکان میں کہیں دفن کی جا چکی تھی۔ رات کو جب یہ پارٹی فرار ہوئی تھی باڈی گارڈ کو قتل کر دیا گیا تھا۔

اس وقت قید خانے میں بھی قیامت بپا ہو چکی تھی۔ اندر دو سنتریوں کی لاشیں پڑی تھیں، خطیب غائب تھا۔ عہدیدار کا بھی کسی کو علم نہ تھا کہ کہاں چلا گیا ہے اور دیوار کے ساتھ باہر کی طرف ایک رسّہ لٹک رہا تھا۔ والیٔ موصل کے ہاں تو ایک روز پہلے سے ہی یہ قیامت بپا ہو چکی تھی کہ سیف الدین نے یہ حکم دے دیا تھا کہ اُس کا باڈی گارڈ صاعقہ کو قید خانے کے بہانے کسی اور جگہ لے جانے اور اُس تک پہنچانے کے لیے گیا تھا، لیکن لڑکی اتنی خوبصورت تھی کہ باڈی گارڈ کی نیت خراب ہو گئی اور وہ اُسے کہیں بھگا لے گیا۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ باڈی گارڈ کو لڑکی سمیت پکڑ لیا گیا ہے۔

☆

حران کے قید خانے میں سالار شمس الدین اور شاد بخت قید تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ انہیں وہاں سے نکالنے کا بندوبست کیا جائے لیکن انہوں نے حران میں اپنا جو گروہ تیار کر رکھا تھا وہ پہلے ہی بندوبست کر چکا تھا۔ ان سالاروں نے فوج اور انتظامیہ کی ہر سطح پر ایک ایک دو دو آدمی داخل کر رکھے تھے۔ سالاروں کے فرار میں دشواری یہ تھی کہ انہیں قید خانے کے تہ خانے میں رکھا گیا تھا۔ وہاں سے نکالنے کے لیے کوئی خصوصی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ خدا نے اُن کی مدد کی۔ گمشتگین کو حلب سے بلاوا آگیا اور وہ اپنے اعلیٰ حکام، مشیروں اور محافظوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ شمس الدین اور شاد بخت کی گرفتاری کے متعلق صرف گمشتگین کے قریبی حلقوں کو علم تھا۔ قاضی کے قتل کو بھی شہرت نہیں دی گئی تھی۔ فوج تک کو ابھی معلوم نہ تھا کہ اُن کے دو اعلیٰ کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔

گمشتگین کے جانے کے ایک روز بعد قید خانے کے داروغہ نے دیکھا کہ تین گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے آ رہے ہیں۔ وہ گرد سے باہر آئے تو اُس نے دیکھا کہ ان کے ساتھ دو گھوڑے خالی ہیں۔ دن کا وقت تھا۔ گھوڑے قید خانے کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ ایک سوار نے حران کی فوج کا جھنڈا بھی اُٹھا رکھا تھا۔ یہ جھنڈا میدانِ جنگ میں سالارِ اعلیٰ کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان سواروں میں ایک کماندار تھا اور دوسرے دو سوار سپاہی تھے۔ وہ محافظ دستے کے معلوم ہوتے تھے۔ قید خانے کا داروغہ جو بڑے دروازے کی سلاخوں میں سے دیکھ رہا تھا، اس کماندار کو جانتا تھا۔ وہ باہر آگیا۔ کماندار سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں؟

"بادشاہوں کے حکم نرالے ہوتے ہیں" — کماندار نے کہا — "شراب کے نشے میں ان سالاروں کو قید میں ڈال دیا جن کے بغیر فوج ایک قدم نہیں چل سکتی۔ اب حکم ملا ہے کہ دونوں کو قید خانے سے نکالا جائے"۔

"آپ دونوں سالاروں کو لینے آئے ہیں؟" — داروغہ نے پوچھا۔

"ہاں!" کماندار نے کہا — "انہیں جلدی لے جانا ہے"۔

"آپ کے پاس قلعہ دار امیر گمشتگین کا تحریری حکم نامہ ہے؟" — داروغہ نے کہا — "وہ تو کہیں باہر

چلے گئے ہیں۔"

"میں وہیں سے آیا ہوں" — کماندار نے کہا — "میں رات کو ہی آ گیا تھا۔ انہیں اب تحریری حکم نامہ جاری کرنے کا ہوش نہیں رہا۔ ہماری فوج حلب اور موصل کی فوجوں کے ساتھ مل کر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے جا رہی ہے۔ اگر ہم نے وقت ضائع کر دیا تو ایوبی حملہ کر دے گا۔ خطرہ بڑھ گیا ہے۔ گمشتگین اسی سلسلے میں حلب گیا ہے۔ اُسے جو خطرہ نظر آ رہا ہے، اس نے اُس کے ہوش ٹھکانے کر دیئے ہیں۔ اسے احساس ہو گیا ہے کہ ان دو سالاروں کے بغیر وہ لڑ نہیں سکے گا۔ اس نے مجھے حلب کے راستے سے واپس دوڑا دیا کہ اُن دونوں کو ان کے جھنڈے کے ساتھ پورے اعزاز سے لاؤ۔ اسی حکم کے تحت ہم اُن کا جھنڈا اور گھوڑے لائے ہیں۔"

داروغہ اسے اندر لے گیا۔ دونوں سپاہی بھی ساتھ چلے گئے۔ وہ تہ خانے میں گئے۔ سالار دو مختلف کوٹھڑیوں میں بند تھے۔ پہلے ایک سالار کو نکالا گیا۔ کماندار نے اُسے فوجی انداز سے سلام کر کے کہا — "امیر حرن گمشتگین نے آپ کی رہائی کا حکم بھیجا ہے۔ آپ کا گھوڑا اور آپ کا ذاتی محافظ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ کے لیے حکم ہے کہ تیار ہو کر فوراً حلب پہنچیں۔"

"معلوم ہوتا ہے شراب کا نشہ اُتر گیا ہے" — سالار نے کہا۔

"میری حیثیت ایسی نہیں کہ آپ کی رائے کی تائید یا تردید کر سکوں" — کماندار نے کہا — "میرا کام حکم پہنچانے اور آپ کے ساتھ جانے تک محدود ہے۔"

داروغہ نے اُن کی باتیں غور سے سنیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی گڑبڑ نہیں لیکن دوسرے سالار کو نکالنے گئے تو داروغہ کو شک ہو گیا۔ اس سالار نے کماندار کو دیکھا تو جذبات سے مغلوب ہو کر بولا — "تم آ گئے؟ سب ٹھیک ہے؟" — اُس نے داروغہ کی موجودگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ داروغہ اناڑی نہیں تھا۔ اُس کی عمر قید خانے میں گزری تھی۔ اُس نے کوٹھڑی کا تالا کھول دیا تھا۔ دروازہ کھلنا باقی تھا۔ اس نے تالا پھر چڑھا دیا اور بولا — "تحریری حکم نامے کے بغیر میں انہیں رہا نہیں کروں گا۔"

کماندار نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس سے چابی چھین لی۔ دو سپاہی جو سالاروں کے باڈی گارڈ بن کے آئے تھے، داروغہ کی پیٹھ کے ساتھ لگ گئے۔ دونوں نے خنجر نکال کر ان کی نوکیں اُس کی پیٹھ پر رکھ دیں۔ کماندار نے اُسے سرگوشی میں کہا — "تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جانبازوں کے قبضے میں ہو۔ تم جانتے ہو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار کیا کیا کرتے ہیں۔ اونچی آواز نہ نکلے۔"

کماندار نے دروازہ کھلوایا۔ داروغہ کو دھکیل کر اس طرح کوٹھڑی میں لے گئے کہ قریب سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی جرم ہو رہا ہے۔ اندر لے جا کر اُسے سلاخوں والے دروازے سے پرے کر دیا گیا۔ ایک سپاہی نے بڑی تیزی سے ایک رسی جو بمشکل پون گز لمبی تھی، اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر رسی کو مروڑا اور دو تین جھٹکے دیئے۔ داروغہ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ ٹھنڈا ہو گیا تو اُسے پنجرے کے اُس چوڑے بنچ پر ڈال دیا گیا جس پر قیدی سویا کرتے تھے۔ لاش پر کمبل ڈال دیا گیا۔ اس سالار نے بے موقع جذباتی ہو کر یہ



مشکل پیدا کر دی تھی۔

اِن لوگوں نے باہر نکل کر دروازے پر تالا چڑھا دیا اور چابی اپنے ساتھ لے گئے۔ باہر کے دروازے کی چابیاں داروغہ کے پاس تھیں۔ وہ بھی اس سے چھین لی گئی تھیں۔ یہ پارٹی وہاں سے چلی۔ تہ خانے سے اوپر آئی تو نیچے کے سنتری نے جا کر خالی کوٹھڑیوں کو دیکھنا چاہا۔ وہ دُور سے دیکھ رہا تھا کہ قید خانے کا داروغہ دو قیدیوں کو رہا کر رہا تھا۔ سنتری یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس نے دونوں قیدی سالاروں کو باہر جاتے دیکھا ہے، لیکن ایک کوٹھڑی میں ایک قیدی پڑا ہے۔ اس پر چونکہ کمبل پڑا تھا اس لیے وہ پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دوسری کوٹھڑی خالی تھی۔ اس نے کمبل میں لپٹے ہوئے قیدی کو آوازیں دیں مگر وہ نہ بولا۔ دروازہ مقفل تھا۔ سنتری نے سلاخوں میں سے برچھی اندر کی۔ اس کی نوک قیدی تک پہنچ گئی۔ اس نے نوک قیدی کو چبھوئی۔ وہ پھر بھی نہ اُٹھا۔ برچھی سے اُس نے کمبل ہٹا کر اُس کا چہرہ ننگا کر دیا۔ یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ وہ تو قید خانے کا داروغہ تھا۔ آنکھوں اور چہرے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ مرا ہوا ہے۔

اُس نے وہیں سے چلانا شروع کر دیا — "خبردار، خبردار، قیدی نکل گئے" — وہ اُوپر کو دوڑا۔ اُس کی پکار پر نقارہ بجنے لگا۔ یہ الارم تھا۔ اُس وقت فرار ہونے والی پارٹی بڑے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ سنتری دوڑتا آ رہا تھا۔ بڑے گیٹ کی چابیاں کماندار کے پاس تھیں۔ انہوں نے قدم تیز کر دیئے اور اندرونی تالے کو چابی لگائی۔

سنتری نے دُور سے کہا — "انہیں روک لو۔ داروغہ کوٹھڑی میں مرے ہوئے ہیں۔"

نقارے کی آواز پر قید خانے کے تمام سنتری اپنی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے۔ باہر کی گارد دوڑی آئی۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ چونکہ یہ خطرے کا الارم تھا، اس لیے باہر سے آنے والی گارد کی لڑی ٹریننگ کے مطابق بہت تیزی سے دروازے میں داخل ہوئی۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہوا کرتا تھا کہ قیدیوں نے بغاوت کر دی ہوگی یا کہیں آگ لگ گئی ہوگی۔ وہ سنتری جو چیختا چلاتا آ رہا تھا، باہر سے آنے والی گارد کے سیلاب میں گم ہو گیا۔ اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہونے والے باہر نکل گئے۔ گھوڑے باہر کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے لیکن گھوڑے گھوم کر چلے تو کسی نے انہیں للکارا — "رُک جاؤ، مارے جاؤ گے" — انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ پیچھے سے ایک ہی بار تیروں کی بوچھاڑ آئی۔ دو تیر کماندار کی پیٹھ میں اُتر گئے اور ایک تیر ایک سالار کے گھوڑے کے پچھلے حصے میں لگا۔ کماندار نے جسم میں دو تیر لے کر بھی اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ سالار شمس الدین کا گھوڑا تیر کھا کر بدکا۔ شمس الدین نے اُسے سنبھالنے کی کوشش کی اور اُسے کماندار کے گھوڑے کے قریب لے جا کر اُس کے گھوڑے پر کود گیا۔ کماندار آگے کو جھک گیا۔ شمس الدین نے اس کے ہاتھ سے باگیں لے لیں۔ پیچھے سے اور تیر آئے لیکن گھوڑوں کی رفتار تیز تھی، زد سے نکل گئے۔

انہوں نے پیچھے دیکھا۔ قید خانہ دُور رہ گیا تھا لیکن دس بارہ گھوڑسوار اُن کے تعاقب میں گھوڑے دوڑا چکے تھے۔ آگے علاقہ کھلا تھا۔ آبادی دوسری طرف تھی۔ فرار ہونے والوں نے گھوڑوں کو انتہائی رفتار پر ڈال دیا۔ ان کے پاس ہتھیاروں کی کمی تھی۔ دونوں سالار نہتے تھے۔ کماندار شہید ہو رہا تھا۔ وہ مقابلہ کرنے

کی حالت میں نہیں تھے۔ آگے چٹانیں اور ٹیلے آگئے۔ ایک سالار نے کہا۔ "بکھر جاؤ۔ اکیلے اکیلے ہو جاؤ"۔ وہ منجھے ہوئے سوار تھے۔ تعاقب کرنے والے ابھی دُور تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ فرار ہونے والے ایک دوسرے سے دُور دُور ہو کر چٹانوں میں غائب ہو گئے ہیں۔ وہ سست پڑ گئے اور نکلنے والے نکل گئے۔ ☆ ☆

# گناہوں کا کفّارہ

اُس وقت حلب کے باہر تینوں مسلمان امرا کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی برخاست ہو گئی۔ انہوں نے سلطان پر حملے کا پلان بنا لیا تھا زیادہ تر عقل صلیبی مشیروں کی استعمال کی گئی تھی۔ انہوں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ تینوں فوجوں کی ترتیب کیا ہوگی۔ حملے کے لیے گمشتگین کی فوج کو آگے رکھنا تھا۔ اُس کے پہلوؤں کی حفاظت کی ذمہ داری حلب کی فوج کی تھی اور پہلے حملے کے بعد دوسرا حملہ جو سلطان ایوبی کے جوابی حملے کو روکنے کے لیے کرنا تھا، سیف الدین کے سپرد کیا گیا تھا۔ سیف الدین نے اس متحدہ محاذ کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ اپنی فوج کا ایک حصہ اپنے بھائی عزالدین مسعود کی کمان میں چھوڑ آیا تھا۔ مشترکہ کمان کو اُس نے یہ بتایا تھا کہ یہ محفوظ ہے جسے وہ ہنگامی حالات میں استعمال کرے گا، مگر اپنے بھائی کو اُس نے کہا تھا کہ وہ حلب اور حرن کی فوجوں کی کیفیت دیکھ کر آ گئے آئے۔ اگر جنگ کی حالت ہمارے خلاف ہو گئی تو محفوظ کو موصل کے دفاع میں استعمال کیا جائے اور اگر جوابی حملے میں شریک ہونا ہی پڑا تو یہ شرکت ایسی ہو کہ موصل کا اور اپنے مفاد کا زیادہ خیال رکھا جائے۔

ماہِ رمضان شروع ہو چکا تھا۔ ان تینوں فوجوں میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ جنگ کے دوران روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ تین چار روز بعد تینوں افواج اپنے اپنے شہر سے کوچ کر گئیں۔ انہیں قرونِ حماۃ کے قریب آ کر اکٹھے ہونا اور حملے کی ترتیب میں آنا تھا۔

اس کوچ سے دو روز پہلے سلطان ایوبی اپنی مورچہ بندی دیکھ رہا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ حرن سے دو سالار مفرور ہو کر آ گئے ہیں اور اُن کے ساتھ ایک لاش ہے۔ سلطان ایوبی نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہاں جا کر وہ گھوڑے سے کود کر اُترا اور دونوں سالاروں کو گلے لگایا۔ پھر دونوں سپاہیوں سے گلے ملا۔ یہ دونوں اس کے نامور چھاپہ مار جاسوس تھے۔ کماندار بھی اس کا جاسوس تھا اور ایک عرصے سے گمشتگین کی فوج میں تھا۔ سلطان ایوبی نے لاش کے گالوں کا بوسہ لیا اور حکم دیا کہ لاش دمشق بھیج دی جائے اور شہیدوں کے قبرستان میں دفن کی جائے۔

"آپ یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے ہیں؟" — سالار شمس الدین نے اپنی بپتا سنانے سے پہلے جنگی باتیں شروع کر دیں۔

"میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں" — سلطان ایوبی نے کہا — "گذشتہ رات اطلاع ملی ہے کہ کمک آج

رات پہنچ جائے گی۔ اسے قاہرہ سے آنا تھا اس لیے اتنے دن لگ گئے ہیں۔"

سلطان ایوبی نے دونوں بھائیوں کو تفصیل سے بتایا کہ اس کی نفری کتنی ہے اور اسے اس نے کس طرح ڈیپلائے کر رکھا ہے۔ اسی وقت سلطان ایوبی نے اپنے تمام دستوں کے کمانڈروں کو بلایا اور شمس الدین اور شادبخت سے ملایا۔ بڑے افسر دونوں کو جانتے تھے۔ سلطان ایوبی نے دونوں سے کہا کہ وہ اس کے کمانڈروں کو بتائیں کہ جو افواج حملہ کرنے آ رہی ہیں ان کی جنگی اہلیت کیسی اور جذباتی کیفیت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ دشمن کو اناڑی اور کمزور سمجھنا ایک جنگی لغزش تصور کی جاتی ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ یہ فوج بہرحال فوج ہوتی ہے۔ وہ مسلمان افواج ہیں جن کے سپاہی پیٹھ دکھانے کے عادی نہیں۔ سپاہیوں میں عسکری روح موجود ہے۔ وہ پورے جوش و خروش سے لڑیں گے۔ ان کے ذہنوں میں یہ ڈالا گیا ہے کہ آپ لوگ درندے ہیں، وحشی اور عورتوں کے شکاری ہیں اور سلطان صلاح الدین اپنی سلطنت کو وسعت دینے آیا ہے۔ صلیبیوں نے ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت بھر رکھی ہے۔

سالاروں نے بتایا کہ جہاں تک ان کی قیادت کا تعلق ہے، وہ قابلِ تعریف نہیں۔ ان میں کوئی بھی سلطان ایوبی نہیں۔ سیف الدین اور گمشتگین اپنے ذاتی مفاد کے لیے لڑنے آ رہے ہیں۔ دونوں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ لائیں گے۔ ہماری جگہ گمشتگین اپنی فوج کی کمان خود کرے گا۔ یہ قیادت فوج کو طریقے سے لڑا نہیں سکے گی۔ پھر بھی آپ کو محتاط ہو کر لڑنا پڑے گا۔ وہ آپ کو ان پہاڑیوں میں محاصرے میں لینا چاہتے ہیں۔ تینوں فوجوں کی کمان مشترک ہو گئی ہے لیکن وہ دل سے متحد نہیں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خطیب ابن المخدوم، صاعقہ، قید خانے کا عہدیدار اور ایک جاسوس پہنچ گئے۔ وہ راستہ بھول گئے تھے اس لیے دیر سے پہنچے۔ سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ خطیب اس کا حامی ہے اور وہ موصل میں اس کے جاسوسوں کی راہنمائی اور نگرانی کرتا رہا ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے بھی اجلاس میں شامل کر لیا اور اسے کہا کہ وہ موصل کی فوج کے متعلق کچھ بتائے۔

"وہ امیر اپنی فوج کو کس طرح لڑائے گا جو شراب اور عورت کا رسیا ہو اور قرآن سے فال نکال کر فیصلے کرتا ہو" — خطیب نے کہا — "جس کے سینے میں ایمان ہی نہیں وہ میدانِ جنگ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں قرآن سے فال نکال کر بتاؤں کہ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ میں اسے فتح ہو گی یا شکست۔ میں نے اسے بتایا کہ چونکہ اس کا یہ اقدام قرآنی احکام کے خلاف ہے اس لیے اسے شکست ہو گی۔ اس نے مجھے قید میں ڈال دیا۔ وہ قرآن کو جادو کی کتاب سمجھتا ہے۔ میں آپ کو قرآن کی کرامات سناتا ہوں۔ میرا فرار قرآن کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ سیف الدین نے میری بیٹی کو اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن میری بیٹی بال بال بچ گئی۔ میں آپ سب کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ اگر آپ قرآنی احکام کے پابند رہے اور جنگ کو قومی اور مذہبی سطح پر رہنے دیا تو فتح آپ کی ہو گی۔ یہ جنگ کا مذہبی پہلو ہے۔ فنی پہلو کے متعلق میں یہ مشورہ دوں گا کہ چھاپہ ماروں کو زیادہ استعمال کریں۔ آپ کا تو طریقہ ہی یہی ہے لیکن ان مسلمان بھائیوں کے خلاف یہ طریقہ زیادہ استعمال کریں۔ انہیں راتوں کو بھی چین نہ لینے دیں۔"



خطیب کو جس عہدیدار نے فرار کرایا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔ اس کی درخواست پر اسے فوج میں شامل کر لیا گیا اور خطیب کو اس کی بیٹی صاعقہ کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سالار شمس الدین اور سالار شادبخت کو سلطان ایوبی نے اپنے ساتھ رکھا۔

☆

حلب، حران اور موصل کی افواج کوچ کرتی آ رہی تھیں۔ ادھر سلطان ایوبی کے لیے مصر سے جو کمک آ رہی تھی وہ قریب آ گئی تھی۔ تاریخ یہ دیکھ رہی تھی کہ سلطان ایوبی تک دشمن کی فوج پہلے پہنچتی ہے یا کمک۔ وہ بہت پریشان تھا۔ وہ محاصرے سے ڈرتا تھا۔ کمک کے بغیر محاصرہ توڑنا آسان نہیں تھا۔ اس نے دماغی قوت کا آخری ذرہ بھی اس مسئلے پر صرف کر ڈالا کہ وہ محاصرے میں آ گیا تو اتنی تھوڑی نفری سے محاصرہ کس طرح توڑے گا۔ وہ اس قدر پریشان ہو گیا کہ اس نے اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں سے بھی اس کا اظہار کر دیا۔ اس نے کہا — "چھاپہ مار دستوں کو مکمل طور پر اپنے قابو میں اور اپنی نظر میں رکھنا۔ کمک کا کچھ پتہ نہیں۔ محاصرے کا خطرہ ہے۔ محاصرہ صرف چھاپہ مار ہی توڑ سکیں گے۔"

"اللہ کو جو منظور ہو گا وہ ہو کر رہے گا" — ایک سالار نے کہا — "یہ قلعہ تو نہیں جس میں محصور ہو کر ہم لڑ نہیں سکیں گے۔ ان چٹانوں پر ہم گھوم پھر کر لڑیں گے۔"

اس رات بھی وہ اچھی طرح سو نہ سکا۔ اس کے خیمے میں قندیل جلتی رہی۔ اس نے میدانِ جنگ اور اس علاقے کا جو نقشہ بنایا تھا اسی کو دیکھتا اور اس پر نشان لگاتا رہا۔ اگر اسے کوئی غیر فوجی دیکھتا تو یہی کہتا کہ وہ شطرنج کھیلنے کی مشق کر رہا ہے۔ سحری کھانے کے لیے جب نقارے بجے اور اس کی فوج جاگ اٹھی تو اس کی بھی آنکھ کھلی۔ اسے دو خبریں اکٹھی ملیں۔ ایک یہ کہ کمک پہنچ گئی ہے اور دوسری یہ کہ دشمن کی افواج آٹھ دس کوس تک آ گئی ہیں اور شاید کل ہمارے سر پر آ جائیں گی۔ یہ دیکھ بھال کی کسی پارٹی کا کمانڈر تھا۔ اس نے بتایا کہ دشمن کی پیش قدمی تین حصوں میں ہو رہی ہے۔ ایک حصہ آگے ہے دوسرا پیچھے اور تیسرا اس سے پیچھے۔

سلطان ایوبی نے جو معلومات لینی تھیں لے لیں۔ اس نے یہ اطلاعیں لانے والوں کو بھیج دیا اور دربان سے کہا کہ وہ چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر اور کمک کے اعلیٰ کمانڈروں کو فوراً بلا لائے اور انہیں کہے کہ وہ سحری اس کے ساتھ کھائیں۔ اس نے جلدی جلدی وضو کیا اور کمک آ جانے پر شکرانے کے نفل پڑھے، پھر خدا سے کامیابی کی دعا کی..... تھوڑی ہی دیر میں چھاپہ ماروں کا کمانڈر آ گیا اور اس کے بعد کمک کے چار کمانڈر آ گئے۔ سحری کا کھانا بھی آ گیا۔ کمک اس کی توقع سے کم تھی لیکن ان حالات میں یہی کافی تھی۔ العادل نے اسلحہ جو بھیجا تھا اس سے سلطان ایوبی مطمئن ہو گیا۔ اسلحہ میں چھوٹی اور بڑی منجنیقیں زیادہ تھیں اور آتش گیر مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ کمک نفری کے لحاظ سے تھوڑی تھی لیکن یہ نفری چونکہ تجربہ کار تھی اس لیے کارگر تصور کی جاتی تھی۔ البتہ یہ دشواری نظر آ رہی تھی کہ اس فوج اور گھوڑوں کو پہاڑی لڑائی کا تجربہ نہیں تھا۔

اتنے میں انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ بھی آ گیا۔ اس نے بتایا کہ حلب سے اپنا ایک جاسوس آیا

ہے جس نے یہ معلومات دی ہیں کہ صلیبیوں نے اس مشترکہ لشکر کو تیروں اور کمانوں کا ذخیرہ، آتش گیر مادے کے مٹکے اور پانچ سو گھوڑے بھیجے ہیں۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ پیش قدمی کے بعد آیا ہے۔ اس لیے اُس نے دیکھا ہے کہ یہ مٹکے اونٹوں پر لاد کر لائے گئے ہیں۔ یہ قافلہ الگ تھلگ فوج کے ساتھ ہے۔ منجنیقیں بھی ساتھ ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن منجنیقوں سے آگ کے گولے پھینکے گا اور جلنے والے آتشیں تیر چلائے گا۔

سلطان ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے اعلیٰ کمانڈر سے کہا۔ "تمہیں سب کچھ بتایا جا چکا ہے۔ اپنا کام تم جانتے ہو۔ اب پہلے منصوبے میں یہ ترمیم کر لو کہ جب تک دشمن حملہ نہ کرے اُس پر کہیں بھی شب خون نہ مارنا۔ اطلاع کے مطابق وہ سیدھا قرونِ حماۃ کی طرف آ رہا ہے۔ شب خون مارو گے تو اُس کی رفتار سست ہو جائے گی۔ حملے کے بعد تمہیں معلوم ہے کہ میں جوابی حملہ نہیں کروں گا۔ دشمن کو میرے حملے کی توقع ہوگی جو میں سامنے سے نہیں عقب سے کروں گا۔ تمہارا کام اُس وقت شروع ہوگا جب دشمن عقب کے حملے سے گھبرا کر ادھر اُدھر نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ان پہاڑیوں میں سے دشمن کا ایک بھی سپاہی نکل کر نہ جائے۔ زیادہ سے زیادہ قیدی پکڑو۔ وہ مسلمان سپاہی ہیں۔ تمہاری قید میں آئیں گے تو حق اور باطل کو سمجھ جائیں گے۔ یہی میرا منشا ہے۔ ہمارے مقابلے میں آ کر ہمارے تیروں سے اور ہماری تلواروں سے جو مرتا ہے اُسے مرنے سے میں روک نہیں سکتا....

"تمہارے سامنے یہ اطلاع آئی ہے کہ دشمن آتش گیر مادے کے مٹکے لا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہ صحیح حالت میں ہمارے قبضے میں آ جائیں لیکن ان سے تم ایک فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اپنے کسی دستے کے دس بارہ منتخب چھاپہ ماروں کو یہ کام سونپو کہ وہ حملے کے دوران شب خون مار کر ان مٹکوں کو توڑ دیں اور آگ لگا دیں۔ دن کے وقت وہ دیکھ لیں کہ مٹکوں کا قافلہ کہاں ہے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ دشمن ابھی ندی تک نہیں پہنچا۔ گھوڑوں کو پانی پلا لو اور مشکیزے بھر لو۔ موسم سرد ہے اور یہ صحرا نہیں، پیاس سے کوئی مرے گا نہیں پھر بھی یہ جنگ ہے اور پیاس پریشان کرے گی۔"

اُسے رخصت کر کے اُس نے کمک کے کمانڈروں سے کہا۔ "تم لوگ صرف یہ ذہن میں رکھنا کہ یہ مصر کا صحرا نہیں پہاڑی علاقہ ہے اور ٹھنڈا ہے۔ دھوپ نکلے گی اور بھاگو دوڑو گے تو گرمی آ جائے گی۔ یہاں تمہیں 'ضرب لگاؤ اور کسی اور طرف نکل جاؤ' کا موقعہ ضرور ملے گا۔ تمہیں اس کی تربیت دی گئی ہے لیکن یہاں خیال رکھنا کہ تمہارے لیے زمین محدود ہے۔ صحرا میں تو کئی کئی کوس کا چکر کاٹ کر دشمن کے اوپر آ سکتے ہو اور تمہیں اپنی چال دہرانے کے لیے لامحدود میدان مل سکتا ہے۔ یہاں میں نے دشمن کو جس جگہ گھسیٹ کر لانے کا بندوبست کیا ہے وہ میدان ہی ہے لیکن محدود ہے۔ وقت نہیں کہ تمہیں چٹانوں اور ٹیکریوں سے متعارف کرایا جائے، اس لیے اپنی عقل استعمال کرنا۔ تیر اندازوں کو چٹانوں پر رکھنا۔ گھوڑوں کو ٹیکریوں پر نہ لے جانا، جلدی تھک جائیں گے۔ ہمارے گھوڑے کچھ عادی ہو گئے ہیں۔"

اُس نے کمک کو محفوظہ کے طور پر رکھ لیا اور کمانڈروں کو اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں کے سپرد کر دیا۔ ان سالاروں کو جنگ کا پلان دیا جا چکا تھا۔



وادیوں میں صبح کی اذان کی کئی مقدس آوازیں گونج رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے غسل کیا۔ اپنی تلوار نیام سے نکالی۔ اُس کی چمک اور دھار دیکھی اور جذبات اچانک اُبل پڑے۔ اُس نے تلوار دونوں ہاتھوں پر رکھی، قبلہ رُو ہو کر ہاتھ اٹھائے۔ آنکھیں بند کر کے اُس نے خدا کو پکارا۔ "خدائے عزوجل! تیری خوشنودی اس میں ہے کہ مجھے شکست دے تو میں اس ذلت کے لیے تیار ہوں۔ فتح دے تو تیری ذات باری کا شکر ادا کروں گا۔ آج میں تیرے رسولؐ کے نام لیواؤں کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ اگر یہ گناہ ہے تو مجھے اشارہ دے کہ میں اپنی تلوار اپنے پیٹ میں اتار دوں۔ میں اُن بچیوں کی روح کی پکار پر آیا ہوں جن کی عصمتیں صرف اس لیے لُٹ گئی ہیں کہ وہ تیرے رسولؐ کی اُمت سے تھیں۔ مجھے تیرے وہ بے بس بندے پکار رہے ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ میں تیرے عظیم مذہب کی عظمت اور عصمت کی حفاظت کے لیے صحراؤں، جنگلوں اور پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ میرے رسولؐ! میرے رسولِ مقبولؐ! میرے پیچھے ربِ ذوالجلال! میں آپ کے قبلۂ اول کو آزاد کرانے چلا تھا۔ رسولؐ کی اُمت میرے راستے میں آ گئی ہے۔ مجھے اشارہ دو کہ ان کا خون بہانا مجھ پر حلال ہے یا نہیں۔ میں گمراہ تو نہیں ہو گیا؟ مجھے اپنے نور کی روشنی دکھاؤ۔ اگر میں حق پر ہوں تو ہمت و استقلال عطا فرماؤ۔"

اُس نے سر جھکا لیا اور بہت دیر اسی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اچانک تلوار نیام میں ڈال لی اور باہر نکل گیا۔ اُس کے قدموں میں کچھ اور ہی شان تھی۔ وہ اُس جگہ چلا جا رہا تھا جہاں اس کے مرکز اور اعلیٰ کمان کے کمانڈر اور دیگر افراد باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ جماعت کھڑی ہو رہی تھی۔ وہ پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے ایک طرف اُس کا باورچی اور دوسری طرف اس کے کسی کمانڈر کا اردلی کھڑا تھا۔

☆

نماز سے فارغ ہو کر سلطان ایوبی قرونِ حماۃ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اُسے باری باری چار قاصد ملے اور زبانی پیغام دیے۔ یہ دیکھ بھال کی پارٹیوں کے قاصد تھے جو حران، حلب اور موصل کی مشترکہ فوجوں کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں کی خبریں لائے تھے۔ یہ سلسلہ دن رات چلتا رہتا تھا۔ سلطان ایوبی نے قاصدوں کو رخصت کر دیا۔ اُس کے ساتھ سالار شمس الدین تھا۔ اُس کے بھائی سالار شادبخت کو اُس نے کسی اور طرف متعین کر دیا تھا۔

"دشمن کے متعلق جو خبریں مل رہی ہیں ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" شمس الدین نے پوچھا۔ "کیا ہم اتنی تھوڑی فوج سے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

"میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ دشمن کتنا لشکر لایا ہے اور میرے پاس کیا ہے۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے جواب دیا۔ "میں پریشان اس پر ہوں کہ دشمن حملہ کیوں نہیں کرتا۔ میرے ان مسلمان بھائیوں کے پاس صلیبی جاسوس ہیں۔ کیا صلیبی اتنے اناڑی ہو گئے ہیں کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مصر سے میری کمک آ رہی ہے اور میں کمک کے بغیر لڑ نہیں سکتا؟ اگر دشمن سرگرم ہوتا تو میرے تمام مسئلے حل ہو جاتے۔ دشمن کا یوں آگے بیٹھ جانا اور مجھے اتنا وقت دے دینا کہ میں کمک حاصل کر لوں، اسے ٹھکانے بھی لگا لوں، تمام تر فوج کے گھوڑوں کو پانی پلا کر پانی کا ذخیرہ بھی کر لوں، میرے لیے پریشان کن ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ دشمن کوئی ایسی چال چلے گا جو کبھی میرے دماغ

میں نہیں آتی۔ یہ لوگ کھیل تماشے کے لیے تو نہیں آئے۔"

"جہاں تک میں ان لوگوں کو جانتا ہوں" شمس الدین نے کہا۔ "ان کے پیشِ نظر کوئی ایسی چال نہیں۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔ خدا نے ان کے دماغوں پر مہر ثبت کر دی ہے کیونکہ وہ باطل کی انگیخت اور مدد سے حق کے خلاف لڑنے آئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ میں کسی گہری اور خطرناک چال کا خدشہ محسوس نہیں کر رہا۔"

"شمس بھائی!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے بھی اللہ پر ہی بھروسہ ہے لیکن میں جذبات اور فلسفے کی بجائے حقیقت کو دیکھا کرتا ہوں۔ حق پر باطل نے بھی کئی بار فتح پائی ہے کیونکہ حق والے اللہ کے بھروسے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ گئے تھے۔ حق خون اور جان کی قربانی مانگتا ہے۔ اگر ہم یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں تو حق کی فتح ہوگی۔ باطل میں جو قوت ہے اس کا مقابلہ ہمیں میدان میں کرنا ہے۔ ہمیں حقائق پر نظر رکھنی ہے۔ اپنی پوری صلاحیتیں اور جسم کی تمام طاقت استعمال کرنی ہے۔ اس کے بعد کے نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔ اپنے آپ کو خوش فہمیوں میں مبتلا نہ کرو۔"

وہ گھوڑے سے اترا۔ سالار شمس الدین، دو اور مشیر اور محافظ جو اس کے ساتھ تھے، گھوڑوں سے اترے۔ سلطان ایوبی، شمس الدین اور دونوں مشیروں کو ایک بلند چٹان پر لے گیا۔ اُن کے سامنے چٹانوں میں گھرا ہوا وسیع میدان تھا جو سینگوں کی شکل کی چٹانوں سے آگے پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس طرف جہاں سلطان ایوبی کھڑا تھا دو چٹانیں آگے پیچھے تھیں۔ ان کے درمیان وادی یا گلی تھی جو میدان میں کھلتی تھی۔ یہ گھوم پھر کر اس طرف باہر نکل جاتی تھی۔ میدان میں چٹانوں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں چھوٹے بڑے خیمے کھڑے تھے۔ ایک طرف اس فوج کے گھوڑے بندھے تھے جو خیموں میں تھی۔ سپاہی گھوم پھر رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو دھوپ میں لیٹے ہوئے یا سوئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان پر ایک بہت بڑا لشکر کسی بھی وقت حملہ کرنے کے لیے اُن کے سر پر بیٹھا ہے۔ اگر وہ جنگی تیاری میں ہوتے تو اُن کے خیمے کھڑے رہنے کی بجائے لپٹے ہوئے کہیں اور رکھے ہوئے ہوتے اور اُن کے گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہوتیں۔

"ان دستوں کے سالاروں اور کمانڈروں کو میں نے جو ہدایات دی ہیں وہ تم تینوں ایک بار پھر سُن لو"—— سلطان ایوبی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے میں تم سے پہلے مارا جاؤں اور جنگ شروع ہوتے ہی مارا جاؤں۔ میرے بعد میدان کی ذمہ داریاں تم سنبھالو گے۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ خیمے لگے رہنے دو۔ گھوڑے زینوں کے بغیر بندھے رہنے دو۔ فراغت کی حالت میں گھومو پھرو اور ادھر اُدھر بیٹھے اور لیٹے رہو، لیکن خیموں میں اپنے ہتھیار اور گھوڑوں کی زینیں تیار رکھو۔ دشمن کے جاسوس تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ تاثر دو کہ تمہیں دشمن کی کچھ خبر نہیں۔ جب دشمن کا لشکر آئے تو گھبراہٹ کا مظاہرہ کرو۔ ہتھیار اُٹھا لو۔ خیمے پھر بھی کھڑے رہنے دینا۔ آگے بڑھ کر مقابلہ نہ کرنا۔ دشمن اوپر چڑھ آئے تو لڑتے ہوئے اتنی تیزی سے پیچھے ہٹنا کہ دشمن کے حملہ آور دستے تمہارے ساتھ ہی ان چٹانوں کے گھیرے میں آ جائیں۔ دشمن کو پسپائی کا تاثر دو۔"



سلطان ایوبی نے دو متوازی چٹانوں کے درمیان گلی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میں نے اِن دستوں کو بتا دیا ہے کہ اس گلی میں آ کر پیچھے کو نکل جائیں۔ انہیں جہاں اکٹھا ہونا ہے وہ جگہ بھی انہیں بتا دی ہے۔" اُس نے وہ جگہ اپنے رفیقوں کو بتا کر کہا۔ "ان دستوں کو دشمن کے عقب میں جانا ہوگا۔ ان چٹانوں پر میں نے دشمن کے استقبال کا جو بندوبست کر رکھا ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! ہمیں یہاں کوئی علاقہ اور کوئی قلعہ فتح نہیں کرنا۔ ہمیں دشمن کو بے بس اور بے کار کرنا ہے تاکہ وہ ہمارے راستے سے ہٹ جائے۔ مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کو دشمن کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر حالات کا تقاضا یہی ہے۔ میں انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے احکام جاری کر دیے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ افراد کو زندہ پکڑو اور جنگی قیدی بناؤ۔ میں انہیں تلوار سے زیر کر کے اخلاق سے ذہن نشین کراؤں گا کہ تم مسلمان سپاہی ہو اور تمہارے بادشاہ تمہارے مذہب کے دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔"

"کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں خانہ جنگی کرا دو" سالار شمس الدین نے کہا۔ "صلیبیوں نے کامیابی سے یہ حربہ استعمال کیا ہے۔"

"مسلمان قوم کی مثال بارود کی سی ہے" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ قوم جذباتی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ بارود کے اس ڈھیر میں کہیں سے بھی چنگاری آن گرے یہ دھماکے سے پھٹ جاتا ہے۔ یہ چنگاری مسجد کے امام سے ملے یا عیش پرست حکمران سے یا دشمن ہمارے ہی بھائیوں کے ہاتھوں یہ چنگاری پھینکے، جذبات بارود کی طرح پھٹتے ہیں۔ اگر قوم کی یہ کمزوری جڑ پکڑ گئی تو قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔ قوم اگر زندہ رہی تو کفار اسے دھڑوں میں تقسیم کر کے لڑاتے رہیں گے اور قوم کے سربراہ حکمرانی کے نشے اور لالچ میں آپس میں لڑتے رہیں گے۔ یہ جو فوجیں اپنی ہی قوم کے خلاف یلغار کر کے آئی ہیں، ان کے سربراہ اکٹھے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکہ فریب دے کر سلطنتِ اسلامیہ کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے دماغوں سے بادشاہی کا کیڑا نکال کر قوم کو راہِ راست پر لانے کی فکر میں ہوں۔ میرے پیشِ نظر اسلام کا تحفظ اور فروغ ہے۔"

☆

قرونِ حماۃ سے تھوڑی ہی دُور حرن کا قلعہ دار گمشتگین جس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اپنے سالاروں اور چھوٹے بڑے کمانڈروں کو اکٹھا کر کے کہہ رہا تھا۔ "صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کو شکست دے سکتا ہے۔ وہ جب تمہارے سامنے آئے گا تو لومڑی کی ساری چالیں بھول جائے گا۔ وہ ہم میں سے نہیں، وہ کُرد ہے۔ تم پکے مسلمان ہو، دین دار اور پرہیزگار ہو۔ وہ صرف نام کا مسلمان ہے، مکار اور عیار ہے۔ وہ یہاں اپنی سلطنت قائم کر کے اس کا بادشاہ بننے کی کوشش میں ہے۔ میں تمہیں اُس کی جنگی کیفیت بھی بتا دیتا ہوں۔ اُس کے پاس فوج بہت تھوڑی ہے اور وہ پہاڑیوں میں گھرا بیٹھا ہے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے جاسوسوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اُس کی فوج خیموں میں آرام کر رہی ہے اور اُس کے گھوڑے بھی تیاری کی حالت میں نہیں۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُسے یقین ہے کہ اُسے ہم شکست نہیں دے سکتے۔ دوسری یہ کہ اُسے یہ خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے کہ ہم

اُس پر حملہ نہیں کریں گے۔ وہ شاید صلح کے لیے ہمارے پاس ایلچی بھی بھیجے گا۔ اب ہم اُس کے ساتھ کوئی صلح یا سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ وہ اب ہمارا قیدی ہے۔ اگر زندہ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو میں تمہیں اُس کی لاش دکھاؤں گا۔ اپنے سپاہیوں سے کہہ دو کہ صلاح الدین ایوبی، امام مہدی یا پیغمبر نہیں اور اس کی فوج میں کوئی جن بھوت نہیں۔ ہم اُس کی فوج کو بے خبری میں جا پکڑیں گے۔"

اپنے سامعین کو اشتعال دلا کر اور اُن کا حوصلہ بڑھا کر اُس نے انہیں رُخصت کر دیا اور اپنے اُن خیموں میں چلا گیا جنہوں نے جنگل میں منگل بنا رکھا تھا۔ اُس کا اپنا خیمہ بہت بڑا تھا جس کے اندر قالین بچھے ہوئے تھے اور بیش قیمت پلنگ تھا۔ شراب کی صراحی اور نہایت دلکش پیالے رکھے تھے۔ اندر سے خیمہ کسی محل کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے اِرد گرد کئی اور خیمے تھے جو فوجی خیموں سے مختلف اور خوبصورت تھے۔ اِن میں حرم کی لڑکیاں اور ناچنے گانے والیاں رہتی تھیں۔ خیموں سے دُور دُور پہرہ دار کھڑے تھے۔ گمشتگین کے خیمے کے باہر نو آدمی اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر گمشتگین تیز چل پڑا اور قریب جا کر انہیں اندر چلنے کو کہا۔ اندر جاتے ہی لڑکیوں کی ایک قطار ہاتھوں میں طشتریاں اٹھائے خیمے میں داخل ہوئی۔ کھانا چُن دیا گیا اور شراب کی صراحیاں بھی آگئیں۔ گمشتگین ان نو آدمیوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گیا۔

یہ نو آدمی کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے بُھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہاتھوں میں لے کر مُردار خور درندوں کی طرح کھانے شروع کر دیے۔ ساتھ ساتھ وہ شراب پانی کی طرح پی رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں لال سرخ تھیں جن سے وہ وحشی اور خونخوار لگتے تھے۔ تین چار خوبصورت لڑکیاں اُن کے پیالے شراب سے بھرتی جا رہی تھیں اور یہ وحشی کبھی کسی لڑکی کے بکھرے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرتے کبھی اُن کے عُریاں بازوؤں کو پکڑ کر ان پر اپنے گال رگڑتے۔ کھانا اور چھیڑ خانی چلتی رہی۔ گمشتگین اُن کی حرکتیں اور کھانے کا انداز دیکھ کر مسکراتا رہا مگر اُس کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ زبردستی مسکرا رہا ہے اور اُسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر گمشتگین نے لڑکیوں کو باہر بھیج دیا اور ان نو آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ لگا کر کہا۔۔۔ "اب وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں صلاح الدین کی طرف رخصت کروں۔ اب کے وار خالی نہیں جانا چاہیے۔"

"اگر آپ ہمیں روک نہ لیتے تو اب تک آپ یہ خوشخبری سُن چکے ہوتے کہ صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے اور قاتل معلوم نہیں کون تھے۔" ایک آدمی نے کہا۔

یہ حسن بن صباح کے وہی نو فدائی تھے جنہیں اُن کے مُرشد شیخ سنان نے تریپولی سے سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ یہ منتخب افراد تھے جو بظاہر انسان تھے لیکن خصلت کے درندے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے خون کے دس دس قطرے نکال کر "مقدس" پیالے میں گرائے تھے، اُن پر شراب اور حشیش ڈالی اور تینوں چیزیں ملا کر ہر ایک نے ایک ایک گھونٹ پیا اور اپنے مخصوص الفاظ میں حلف اٹھایا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو قتل کریں گے یا زندہ نہیں رہیں گے۔ شیخ سنان نے انہیں تارک الدنیا صوفیوں کے لباس میں، ہاتھوں میں تسبیحیں اور گلے میں قرآن لٹکا کر اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ سلطان ایوبی تک رسائی حاصل کریں اور اُس کے سامنے یہ مسئلہ رکھیں کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے، اور وہ ثالث بن کر آپس میں لڑنے والے مسلمان امراء کا صلح نامہ کرائیں گے۔ اس طرح تنہائی میں یہ سلطان ایوبی کو قتل کریں گے۔

شیخ سنان نے طریقہ اچھا سوچا تھا۔ سلطان ایوبی مذہبی پیشواؤں کو احترام سے اپنے پاس بٹھاتے اور اُن کی بات توجہ سے سننے کا عادی تھا۔ اُس کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ وہ چاہتا ہی یہی تھا کہ کوئی درمیان میں آکر مخالفین کے ساتھ اُس کا سمجھوتہ کرا دے تاکہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل نہ ہو ورنہ صلیبیوں کو جنگی تیاریوں کا اور حملہ کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اُس نے حلب وغیرہ میں اپنے ایلچی بھیجے بھی تھے، جو توہین آمیز جواب لائے تھے۔ اب تو صوفی نُما چغوں میں خنجر اور تلواریں چھپائے اُس کی خواہش پوری کرنے کا دھوکہ دے کر آ رہے تھے۔ وہ اُسے آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ تریپولی سے وہ روانہ ہوئے اور حران پہنچے تھے۔ گمشتگین کو اُس کے صلیبی مشیروں نے بتایا تھا کہ یہ سلطان ایوبی کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔ اُس نے اُن سے قتل کا طریقہ سنا تو اُسے مسترد کر کے انہیں اپنے پاس شاہی مہمانوں کی حیثیت سے روک لیا اور صلیبی مشیروں سے کہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ ان نو فدائیوں کو وہ اپنے ساتھ لے جائے گا اور موزوں موقعے پر اور کسی بہتر طریقے سے سلطان ایوبی کو قتل کرائے گا۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ محاذ پر لے آیا تھا۔

اب گمشتگین نے میدانِ جنگ میں اُن کے لیے موقع پیدا کر لیا اور اُن کا بہروپ بھی تیار کر لیا تھا۔ اُس نے کھانے سے فارغ ہو کر انہیں کہا۔ "آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے قتل کا کیا طریقہ سوچا ہے۔ تم نے صوفیوں کا جو روپ دھارا ہے وہ شک پیدا کر سکتا ہے۔ ایوبی کی نظر بڑی گہری ہے۔ اُس پر پہلے چار پانچ قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں، وہ اور زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ اُس کے ساتھ دو بڑے ہی تجربہ کار سراغرساں ہیں، ایک علی بن سفیان اور دوسرا حسن بن عبداللہ۔ وہ ایک نظر میں انسان کو بھانپ لیتے ہیں۔ ہمارے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق اِس وقت حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ ہے اور علی بن سفیان قاہرہ میں ہے۔ صلاح الدین ایوبی سے کوئی اجنبی ملنے جاتا ہے تو دو تین سالار اور حسن بن عبداللہ اُس کی بڑی گہری چھان بین کرتے ہیں۔ انہیں شک ہو تو اُس کی تلاشی بھی لیتے ہیں.....

"ایوبی یا حسن بن عبداللہ کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ چپقلش تو کئی مہینوں سے چل رہی ہے، تمہیں صلح نامے کا خیال آج کیسے آیا ہے؟ ایوبی یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ تم کہاں کے مذہبی پیشوا ہو اور وہ کوئی ایسا سوال پوچھ سکتا ہے جس کا تم لوگ جواب نہ دے سکو یا ایسا جواب دو جو تمہیں بے نقاب کر دے۔ وہ خود عالم ہے، مذہب اور تاریخ کا اُس کا گہرا مطالعہ ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے چہروں پر داڑھیوں کے سوا صوفیوں والی کوئی نشانی نظر نہیں آتی۔ تم میں سے چار کی داڑھیاں ابھی چھوٹی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مہینے سے بڑھائی گئی ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں حشیش اور شراب کا نشہ چڑھا ہُوا ہے۔ مجھے اِن چہروں پر پاکیزگی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔"

اِن نو میں سے کسی نے بھی بُرا نہ مانا۔ ان کے سرغنہ نے کہا۔ "مجھے آپ کی ہر ایک بات سے اتفاق ہے

اگر صلاح الدین ایوبی نے ہمیں صوفی یا امام سمجھ کر عزت سے اپنے خیمے میں بٹھا لیا اور کچھ کھانے پینے کے لیے ہمارے آگے رکھ دیا تو سمجھ لیں یہ دوست ٹوٹ پڑیں گے۔ ہم میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ امام اور خطیب کھانے کس طرح ہیں۔ آپ نے کیا طریقہ سوچا ہے؟"

"نہایت سہل اور بے خطر" گمشتگین نے کہا۔ "میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے رضاکار محافظ بنا کر قرون حماۃ بھیج رہا ہوں۔ اُس کے محافظ گہری چھان بین کے بعد منتخب کیے جاتے ہیں۔ اُن کے خاندانوں کی بھی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ تم جاتے ہی اُس کے محافظ دستے میں شامل ہو جاؤ گے۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے جو مجھے اُمید ہے کامیاب ہوگا۔ جاسوسوں نے بتایا ہے کہ دمشق کے لوگوں میں ہمارے خلاف اور صلاح الدین ایوبی کے حق میں اتنا جوش و خروش اور جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ رضاکارانہ طور پر محاذ پر آ رہے ہیں۔ وہاں جسے دیکھو تیغ زنی اور تیراندازی کی مشق کر رہا ہے۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ ایوبی ان رضاکاروں کو باقاعدہ فوج میں نہیں رکھتا، دوسرے کاموں کے لیے رکھ لیتا ہے۔ میں اس فضا سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔"

اُس نے الگ رکھا ہُوا لکڑی کا ایک بکس کھلوایا۔ اس میں کپڑے تھے۔ اُس نے فدائیوں سے کہا۔ "تم سب یہ لباس پہن کر صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ یہ اُس کے محافظ دستے کا مخصوص لباس ہے۔ تم میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایوبی کا جھنڈا ہوگا۔ باقی آٹھ کی برچھیوں کے ساتھ اُس کی فوج کی جھنڈیاں ہوں گی۔ تم سیدھے ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ تمہیں روک لیا جائے گا۔ اُس تک نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ تم جوش اور جذبات سے کہنا کہ ہم رضاکار ہیں اور دمشق سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ یہ بھی کہنا کہ ہم نے بڑی محبت سے محافظ دستے کا لباس سلوایا اور دل میں سلطان کی عقیدت لے کر آئے ہیں۔ ہمیں سلطان کے اردگرد پہرے پر لگایا جائے یا ہمیں جانباز دستے میں شامل کیا جائے۔ ہم واپس نہیں جائیں گے.... تمہیں صلاح الدین تک جانے نہیں دیں گے۔ تم ضد کرنا اور کہنا کہ ہم اتنی دُور سے عقیدت اور جذبات سے آئے ہیں۔ ہم سلطان سے ملے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ جذبے کی بہت قدر کرتا ہے۔ تم سے ملے گا ضرور۔ برچھیاں تمہارے ہاتھوں میں ہوں گی۔ اگر وہ باہر ہُوا تو گھوڑوں سے اترنا نہیں۔ قریب جا کر گھوڑوں کو ایڑ لگا دینا اور اُس کا جسم برچھیوں سے چھلنی کر کے نکلنے کی کوشش کرنا۔ تم سب نے جان کی بازی لگانے کا حلف اٹھایا ہے۔ لیکن مجھے اُمید ہے تم سب بچ نکلو گے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ اپنے سلطان کو زخمی حالت میں دیکھ کر محافظوں میں افراتفری مچ جائے گی۔ بیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پائیں کہ یہ کیا ہُوا ہے، تم اُن کے تیروں کی زد سے نکل آؤ گے۔ میں تمہیں عرب کی اُس نسل کے گھوڑے دے رہا ہوں جن کے تعاقب میں ہوا بھی نہیں پہنچ سکتی۔"

"طریقہ بہت اچھا ہے" فدائی قاتلوں کے سرغنہ نے کہا۔ "ہمارے وہ ساتھی بدبخت، اناڑی اور بزدل تھے جو اسے سوتے وقت بھی قتل نہ کر سکے۔ اُسی کے ہاتھوں مارے گئے اور جو زندہ رہے وہ پکڑے گئے۔ اب ہم جا رہے ہیں۔ مگر اُس کا سوگ کرنے والے تو آپ یہ خبر ضرور سنیں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے۔"

"اور اگر ہم اسے قتل کر آئے تو؟" ایک فدائی نے حرم کی لڑکیوں کے خیموں کی طرف اشارہ کر کے اور شیطانی



مسکراہٹ سے کہا۔

گمشتگین شیطان کی مسکراہٹوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے ایسی ہی مسکراہٹ سے کہا۔ "تم میں سے جو زندہ آئیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کر کے آئیں گے انہیں میں ایک ایک خیمے میں داخل کر دوں گا۔ تمہیں جو انعام صلیبی دیں گے اُس سے اتنے زیادہ زر و جواہرات میں دوں گا جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے اور تم میں سے جو آدمی صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر لائے گا، اُسے اُس کی پسند کی دو لڑکیاں ہمیشہ کے لیے دوں گا۔"

فدائیوں نے وحشیوں کی طرح چیخ چیخ کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ گمشتگین نے بڑی مشکل سے انہیں خاموش کیا اور کہا۔ "آؤ، تمہیں وہ راستہ بتا دوں جو دمشق سے قرون کی طرف آتا ہے۔ تم یہاں سے دُور کا چکر کاٹ کر دمشق کے راستے پر پہنچو گے لیکن خیال رکھنا کہ راستے میں کوئی بھی پوچھے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو تو یہی بتانا کہ تم دمشق سے آئے ہو اور محاذ پر جا رہے ہو۔ راستے میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ملیں گے۔ تمہیں آج ہی رات روانہ ہونا ہے۔"

"آج ہی رات؟" ایک فدائی نے پوچھا۔ "کل دن کو نہ جائیں؟"

"اتنا وقت نہیں" گمشتگین نے جواب دیا۔ "تمہارا چکر بہت لمبا ہے۔ دو دنوں بعد منزل پر پہنچو گے۔ گھوڑوں کو آرام دیتے جانا ورنہ تھکے ہوئے گھوڑوں سے وہاں سے بھاگ نکلنا دشوار ہو جائے گا۔"

گمشتگین نے بکس سے کپڑے نکال کر انہیں کہا کہ یہیں پہن لو۔ اُس نے دربان سے کہا کہ وہ نو گھوڑے لے آؤ جو میں نے الگ کروا رکھے ہیں۔

آدھی رات کے بعد نو گھوڑ سوار گمشتگین کے کیمپ سے دُور اُس سمت جا رہے تھے جدھر دمشق سے قرون حماۃ کو راستہ جاتا تھا۔ اگلے گھوڑ سوار کے پاس سلطان ایوبی کا جھنڈا تھا اور باقی آٹھ کی برچھیوں کی انیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بندھی تھیں۔

☆

اُسی روز جس وقت گمشتگین اپنے سالاروں اور کمانڈروں کو اشتعال انگیز تقریر سے جوش دلا رہا تھا، سیف الدین اور حلب کی فوجیں بھی ایسی ہی اشتعال انگیز تقریریں سُن رہی تھیں۔ حلب کا ایک سالار گھوڑے پر سوار اپنی فوج سے کہہ رہا تھا۔ "یہ وہی صلاح الدین ہے جس نے حلب کا محاصرہ کیا تھا۔ تم نے اسی صلاح الدین کو اُس کی اس فوج کو حلب سے بھگایا تھا۔ ربِ کعبہ کی قسم! یہ روایت جھوٹی ہے کہ صلاح الدین جس قلعے اور جس شہر کو محاصرے میں لیتا ہے اُسے فتح کر کے دم لیتا ہے۔ وہ حلب کے محاصرے میں کیوں کامیاب نہیں ہُوا تھا؟ اُس نے محاصرہ اٹھا کیوں لیا تھا؟ صرف اس لیے کہ تم شیر ہو۔ تم جان پر کھیل جانے والے سرفروش ہو۔ تم نے شہر سے نکل نکل کر اُس پر جو حملے کیے تھے انہیں وہ برداشت نہ کر سکا۔ فتح اُس کی ہوتی ہے جس پر خدا خوش ہوتا ہے۔ خدائے ذوالجلال کی خوشنودی تمہیں حاصل ہے۔ صلاح الدین ایوبی پر خدا کیوں خوش ہوگا۔ وہ لٹیرا ہے۔ اُس نے دمشق پر قبضہ کیا اور اس شہر کے لوگوں کی اُس نے جو حالت کی ہے وہ وہاں جا کر دیکھو۔ کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہی۔ ہمیں دمشق چھوڑ کر

حلب آنا پڑا۔ ہمیں وہاں واپس جانا ہے۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی سے انتقام لینا ہے..... اور اللہ کے سپاہیو! یہ سوچنا کہ تم مسلمان ہو کر مسلمان فوج کے خلاف لڑنے جارہے ہو۔ وہ مسلمان کافر سے بدتر ہے جو مسلمانوں کے شہروں کو فتح کرتا پھر رہا ہے۔ تم پر ایسے مسلمان کا قتل خدا نے فرض کر دیا ہے....

"خلافت کے محافظو! تمہارے دشمن صلیبی نہیں صلاح الدین ایوبی اور اُس کی فوج ہے۔ صلیبیوں کو دشمن اس شخص نے بنایا ہے۔ نورالدین زنگی نے قوم پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ صلاح الدین کو مصر کی امارت دے دی ورنہ یہ شخص چھوٹے سے ایک جیش کی کمان کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔ میں اُسے اپنی فوج میں سپاہی کی حیثیت سے بھی نہ رکھوں۔ آج اس شخص کی موت اُسے اِن چٹانوں میں لے آئی ہے۔ اب اُس کے سامنے تمہاری تلواریں، تمہاری برچھیاں اور تمہارے گھوڑے ہوں گے اور اُس کے پیچھے چٹانیں اور پہاڑیاں ہوں گی۔ تم اُسے اور اُس کی فوج کو پیس کر رکھ دو گے۔ تمہیں حلب کی توہین اور بربادی کا انتقام لینا ہے۔ اگر تم نے صلاح الدین کو یہاں، انہی پہاڑیوں میں ختم نہ کیا تو وہ سیدھا حلب پر آئے گا۔ اُس کی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری بہنیں اور بیٹیاں اس کے سالاروں کے حرم کی زینت بنیں گی۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو نورالدین زنگی کا بیٹا جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ سیف الدین والیٔ موصل جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ گمشتگین جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اگر اتنے امراء جھوٹے نہیں ہیں تو اکیلا صلاح الدین ایوبی جھوٹا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تین فوجیں اُسے کچلنے کے لیے آئی ہیں۔ تم سب سچے ہو۔ غیرت اور حمیت والے ہو۔ ثابت کر دو کہ غیرت اور حمیت کی خاطر تم اپنے بھائی کا بھی خون بہا سکتے ہو۔"

فوج بظاہر خاموشی سے سُن رہی تھی لیکن اس کے اندر اشتعال نے طوفان بپا کر رکھا تھا۔ سالار نے حقائق پر پردہ ڈال کر فوج کے جذبات کو مشتعل کر دیا اور فوج نعرے لگانے لگی۔ "ہم غلام نہیں بنیں گے۔ صلاح الدین ایوبی زندہ نہیں رہے گا۔" ایک شور تھا جو زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔

سیف الدین کے کیمپ کی بھی کیفیت جذباتی تھی۔ وہ بھی اپنی فوج کے جذبات کو بھڑکا رہا تھا۔ اُس نے سپاہیوں کے لیے یہ سہولت بھی پیدا کر دی تھی کہ دو علماء سے یہ فتویٰ لے لیا تھا کہ میدانِ جنگ میں روزہ فرض نہیں۔ تمام فوج خوش تھی۔ سیف الدین نے کہا کہ ہم اُس وقت حملہ کریں گے جب صلاح الدین ایوبی کی فوج کا دم خم ٹوٹ چکا ہو گا۔ پھر ہماری منزل دمشق ہو گی۔ دمشق میں بے اندازہ دولت ہے جو تمہاری ہو گی۔

☆

اُدھر لشکروں اور فوجوں کی باتیں ہو رہی تھیں، اِدھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں چھ چھ، آٹھ آٹھ، دس دس چھاپہ ماروں کے حساب سے سکیمیں بن رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج سے کوئی خطاب نہیں کیا، کوئی جوشیلی تقریر نہیں کی۔ اُس کی نظر اُس زمین پر تھی جس پر اُسے لڑنا تھا۔ اس زمین کے خدوخال سے وہ زیادہ سے زیادہ جنگی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اُس نے جو بھی بات کی اپنے سینئر اور جونیئر کمانڈروں سے کی اور وہ بھی حقیقت کی بات کی۔ کبھی کبھی وہ اس وجہ سے جذباتی ہو جاتا تھا کہ اُس کے مسلمان بھائی فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے ہیں اور مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ اس کا اُس کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ صلح اور امن کے لیے ایلچی بھیج کر



اپنی توہین کرا چکا تھا۔ اب وہ تصادم کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اُس نے مصر سے آئی ہوئی کمک کو اپنی سکیم کے مطابق تقسیم کر دیا تھا اور دشمن کے انتظار میں بے چین ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے مشیروں سے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا کہ دشمن شاید یہ چاہتا ہے کہ پہاڑیوں سے نکل کر اُس پر حملہ کیا جائے۔ سلطان ایوبی چٹانوں سے نکلنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ دشمن کو پہل کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے چھاپہ ماروں سے دشمن کے کیمپوں میں تباہی بپا کر سکتا تھا۔ یہ اس کا خصوصی طریقہ جنگ تھا لیکن اُس نے چھاپہ ماروں کو بھی استعمال نہ کیا۔ وہ دشمن کی چال اور حرکت دیکھ رہا تھا۔

دمشق میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے اپنا ایک اور محاذ کھول رکھا تھا۔ جب سے سلطان ایوبی دمشق سے نکلا تھا، اس عظیم عورت نے لڑکیوں کی ایک رضاکار فوج تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ لڑکیوں کو زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھانے، خون روکنے اور ابتدائی مرہم پٹی کی تربیت دی جاتی تھی لیکن زنگی کی بیوہ انہیں تیغ زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی کی تربیت بھی دے رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اُس نے چند ایک تجربہ کار مرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی محاذ پر عورت کی موجودگی کو پسند نہیں کرتا، اور یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ لڑکیوں کو فوج میں شامل کرے گا۔ اس کے باوجود زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رہی تھی۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو مرہم پٹی وغیرہ کی تربیت کے لیے بھیجا کرے۔ لوگ اپنی بیٹیوں کو تربیت کے لیے بھیج کر فخر محسوس کرتے تھے۔ دس بارہ سال کی عمر کے بچے اپنے طور پر لکڑی کی تلواریں بنا کر تیغ زنی کرتے رہتے تھے۔

زنگی کی بیوہ کی فوج میں چار لڑکیوں کا اضافہ ہُوا۔ ان میں ایک تو فاطمہ تھی جسے سلطان ایوبی کا ایک چھاپہ مار جاسوس حرن سے ملک گمشتگین کے حرم سے نکال لایا تھا۔ دوسری مُوصل کے خطیب ابن المخدوم کی بیٹی منصورہ تھی۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُسے اپنے باپ کے ساتھ کس طرح مُوصل سے نکالا گیا تھا۔ باقی دو وہ لڑکیاں تھیں جنہیں حلب سے گمشتگین کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ انہیں سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت نے حرن کے قاضی کو قتل کر کے وہاں سے نکالا تھا۔ یہ حمیرہ اور سحر تھیں۔ یہ سلطان ایوبی کے پاس محاذ پر پہنچی تھیں جہاں سے انہیں دمشق بھیج دیا گیا تھا۔ ایسی بے ٹھکانہ لڑکیوں کو نورالدین زنگی کی بیوہ کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ یہ چاروں اُس کے پاس پہنچیں تو انہوں نے وہاں لڑکیوں کو تربیت حاصل کرتے دیکھا۔ یہی اُن کی خواہش تھی جو فوری طور پر پوری ہو گئی۔

انہوں نے زنگی کی بیوہ کو اپنی اپنی آپ بیتی سنائی۔ وہ انہیں ان لڑکیوں کے سامنے لے گئی اور انہیں کہا کہ وہ تمام لڑکیوں کو تفصیل سے سنائیں کہ دشمن کے قبضے میں اُن پر کیا گزری ہے۔ چاروں نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ خطیب کی بیٹی منصورہ ذہنی طور پر زیادہ مستعد اور ہوشیار تھی۔ اُس نے لڑکیوں سے کہا۔ "عورت قوم کی آبرو ہوتی ہے۔ دشمن جب کسی شہر پر قبضہ کرتا ہے تو اُس کی فوج سب سے پہلے عورتوں پر ہلّہ بولتی ہے۔ تم نے ان دو لڑکیوں (حمیرہ اور سحر) سے سُن لیا ہے کہ جو علاقے صلیبیوں کے قبضے میں ہیں وہاں صلیبی مسلمانوں کے

ساتھ کتنا ہولناک سلوک کر رہے ہیں۔ وہاں کسی مسلمان لڑکی کی عزت محفوظ نہیں۔ خدانخواستہ دمشق بھی اُن کے قبضے میں آگیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ اگر ہم نے خون کی قربانی دینے سے گریز کیا تو صلیبی ہمارے آقا بن کر رہیں گے۔ انہوں نے ہمارے بہت سے امرا کو خرید لیا ہے۔ اب صلیبی بھی تمہارے دشمن اور مسلمان اُمرا بھی تمہارے دشمن ہیں۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتی ہو تو انتقام کے جذبے کو زندہ و پائندہ رکھو۔ میرے محترم والد کہا کرتے ہیں کہ جو قوم اُن معصوموں کو فراموش کر دیتی ہے جو کفار کی بربریت کا شکار ہوئے تھے وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی......

"میری بہنو! میں محترم سلطان صلاح الدین ایوبی کی مرید ہوں۔ اُن کے نام پر سُولی چڑھنے کو تیار ہوں لیکن مجھے اُن کا یہ اُصول پسند نہیں کہ عورت محاذ پر نہ جائے۔ انہوں نے جو سوچا ہے ٹھیک ہی سوچا ہے لیکن عورت کو کمزور سمجھا جا رہا ہے۔ نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو حرموں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ ہمیں مرد کی تفریح کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح قوم کی آدھی قوت بیکار ہو کر رہ گئی ہے۔ دشمن لشکرے کرتا ہے۔ اُس کے مقابلے میں ہماری فوج آدھی بھی نہیں ہوتی۔ ہم مردوں کے دوش بدوش لڑیں گی اور فوج کی کمی پوری کریں گی۔ میں مُوصل میں جاسوسوں کے گروہ میں رہی ہوں۔ میں اس محاذ پر لڑ کر آئی ہوں۔ یہ میرے والد کی غلطی تھی کہ انہوں نے جذبات میں آکر والیٔ موصل پر اپنے اصل خیالات کا اظہار کر دیا۔ اگر وہ نہ پکڑے جاتے تو وہاں ہمارے ارادے کچھ اور تھے۔ ہم وہاں تباہ کاری نہ کر سکے اور ہمیں وہاں سے نکلنا پڑا۔"

ان چاروں لڑکیوں کی آپ بیتی اور منصورہ کی باتوں نے لڑکیوں کے جذبے کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ ان میں سے چار سو لڑکیاں تربیت حاصل کر کے تیار ہو چکی تھیں۔ انہیں محاذ کے لیے روانہ کیا جانے لگا۔ چاروں لڑکیوں نے چند دنوں میں کچھ تربیت حاصل کر لی تھی۔ انہیں روک لیا گیا لیکن اُن میں انتقام کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ اِسی جَیش کے ساتھ محاذ پر جانے کی ضد کرنے لگیں۔ فاطمہ، حمیرہ اور سحر کی ضد اتنی سخت تھی کہ تینوں رو پڑیں۔ اُن کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ زنگی کی بیوہ نے انہیں بھی چار سو کے اس جَیش میں شامل کر لیا۔ اُن کے ساتھ ایک سو مردوں کو بھیجا گیا۔ یہ رضاکار تھے۔ انہوں نے لڑنے کی تربیت حاصل کر لی تھی۔ اُن کا کمانڈر حجاج ابو وقاص تھا۔

نورالدین زنگی کی بیوہ نے حجاج ابو وقاص کو ایک تحریری پیغام دے کر کہا "یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو دے دینا۔ میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تم انہیں یہ بتانا کہ یہ لڑکیاں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ تم ایک بار پھر سُن لو۔ ان لڑکیوں اور رضاکار محافظوں کو اپنے ساتھ رکھنا۔ سب کو شب خون مارنے کی تربیت دی گئی ہے اور لڑکیاں بھی لڑ سکتی ہیں۔ زخمیوں کو سنبھالنے کے بہانے تم سب لڑو گے۔ فوج کے سامنے رکاوٹ نہ بن جانا۔ جہاں موقع ملے دشمن کو کمزور کرو۔ میں نے لڑکیوں کو بتا دیا ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ زندہ نہ آئیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہُوا تو وہ اپنی تلوار سے اپنے آپ کو ختم کر دیں گی۔"

چار سو لڑکیوں اور ایک سو رضاکار مردوں کا یہ دستہ گھوڑوں پر سوار دمشق سے روانہ ہُوا تو سارا شہر اُمڈ کر باہر آگیا۔ لوگوں نے جانے والوں پر پھول برسائے۔ اس قسم کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں: "واپس نہ آنا۔ آگے جانا...... صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ دمشق کی تمام عورتیں آئیں گی...... اللہ تمہیں فتح دے گا...... اسلام کا کوئی دشمن زندہ نہ رہے۔" شہر کے بہت سے آدمی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار دُور تک اس جیش کے ساتھ گئے۔

☆

رمضان کا مہینہ تھا۔ راستے میں ایک رات پڑاؤ کرنا تھا۔ افطاری کے وقت سے کچھ دیر پہلے یہ قافلہ ایک جگہ رُک گیا۔ لڑکیاں کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں اور مرد خیمے نصب کرنے لگے۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ راتیں سرد ہو جاتی تھیں۔ گھوڑوں کے اِس قافلے کے ساتھ اُونٹ بھی تھے جن پر خیمے لدے ہوئے تھے لیکن خیموں میں برچھیاں، تلواریں اور تیر و کمان لپٹے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے بارہ گھوڑسوار آگئے۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار تھے، جو دمشق سے محاذ پر جانے والے راستے کی حفاظت میں گھوم پھر کر رہے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں اور رضاکاروں کے قافلے کو دیکھ لیا تھا۔

اِن آٹھ سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر میرِ کارواں حجاج ابو وقاص آگے بڑھا۔ چھاپہ ماروں کا کمانڈر انطانون تھا۔ اُس نے ابو وقاص سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ ابو وقاص نے اُسے مکمل جواب دیا اور اُسے مطمئن کر دیا۔ چھاپہ ماروں کو دیکھ کر بہت سی لڑکیاں دوڑی گئیں اور اُن کے گرد جمع ہو گئیں۔ سب کا یہی ایک سوال تھا کہ محاذ کی کیا خبر ہے۔ انطانون نے انہیں بتایا کہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی، اور کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کس وقت شروع ہو جائے۔

انطانون بولتے بولتے چُپ ہو گیا اور اُس کی نظریں ایک لڑکی پہ جم گئیں۔ اُس نے حیران سا ہو کر پوچھا......
"فاطمہ! تم کیسے آگئی ہو؟"

فاطمہ بے تابی سے آگے بڑھی اور انطانون کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انطانون نے فاطمہ کو گمشتگین کے حرم سے نکالا تھا۔ ابو وقاص نے انطانون سے کہا کہ وہ افطاری اُن کے ساتھ کریں اور کھانا بھی انہی کے ساتھ کھائیں۔ سب بکھر گئے۔ ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ انطانون اور فاطمہ نے اتنا سا موقع پیدا کر لیا کہ انطانون نے اُسے رات کو ملنے کی ایک جگہ بتا دی۔ دمشق سے دور اس ویرانے میں اذان کی صدائے مقدس گونجی۔ سب نے روزہ افطار کیا، نماز پڑھی اور کھانا کھایا۔ سب دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ جنہیں سونا تھا وہ سو گئے۔ لڑکیوں نے ٹولیوں میں بٹ کر گیت گانے شروع کر دیے۔ چھاپہ ماروں نے ان سے کچھ دُور اپنا ڈیرہ جما لیا۔ انطانون اپنی پارٹی کو یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ اِدھر اُدھر دیکھ بھال کرنے جا رہا ہے۔

فاطمہ چپکے سے لڑکیوں میں سے غائب ہو گئی۔ وہ خیمہ گاہ سے دُور ایک جگہ کھڑی انطانون کا انتظار کر رہی تھی۔ انطانون بھی آگیا۔ فاطمہ کے ساتھ اُس کی پہلی ملاقات حرن میں ہوئی تھی۔ اُس وقت انطانون سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اُس نے اس لڑکی کو صرف اس لیے پھانسا تھا کہ وہ حرن کے حکمران اور سلطان ایوبی کے دشمن گمشتگین کے حرم کی لڑکی تھی۔ اسے وہ اپنی جاسوسی کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ فاطمہ نے ایک

صلیبی مشیر کو قتل کر دیا اور انطانون گرفتار ہو کر فرار ہُوا اور فاطمہ کو ساتھ لے آیا۔ سلطان ایوبی نے فاطمہ کو دمشق بھیج دیا اور انطانون اپنی درخواست پر چھاپہ مار دستے میں شامل ہو گیا۔ اب اتنے دنوں بعد فاطمہ اُسے اچانک مل گئی تو انطانون نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ اس لڑکی کے بغیر اُس کی زندگی روکھی پھیکی ہو گئی ہے اور یہ لڑکی اُس کے دل میں اُتر گئی ہے۔ یہ تعلق صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ لڑکی کو جاسوسی کے لیے استعمال کرتا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت فاطمہ کی تھی۔

اُن کی ملاقات جذباتی تھی۔ وہ اپنے اپنے قابو میں نہیں رہے تھے لیکن انطانون نے اُس کے بازوؤں سے نکل کر کہا ـــ "فاطمہ! ہمارا فرض ابھی پورا نہیں ہُوا۔ میں حران میں بھی اپنا فرض پورا نہیں کر سکا تھا۔ تمہیں وہاں سے نکال لا کوئی کارنامہ نہیں تھا اور یہ میرے فرائض میں شامل بھی نہیں تھا۔ میں سلطان کے آگے شرمسار ہوں اور میں اپنی قوم کے آگے بھی شرمسار ہوں۔ میں چھاپہ مار دستے میں اس لیے شامل ہُوا ہوں کہ فرض پورا نہ کر سکنے کے گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں۔ سلطان محترم نے مجھ پر ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ اِن سات چھاپہ ماروں کی کمان اور قیادت مجھے دے دی ہے۔ اب ایک بار پھر تم میرے راستے میں نہ آجانا۔ مجھے تم سے محبت ہے لیکن مجھے پہلے فرض ادا کرنے دو۔"

"میں بھی فرض ادا کرنے آئی ہوں۔" فاطمہ نے کہا۔ "میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی ہوں۔"

"نا ممکن ہے۔" انطانون نے کہا۔ "محترم سلطان عورت کو محاذ سے بہت دُور رکھتا ہے۔ وہ شاید تم سب کو واپس بھیج دے گا۔"

"میں واپس نہیں جاؤں گی۔" فاطمہ نے غصے سے کہا۔ "میں ثابت کر دوں گی کہ عورت حرم کے لیے نہیں جہاد کے لیے پیدا کی گئی ہے..... انطانون، میری یہ خواہش پوری کرو کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مجھے مردانہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ رکھو۔"

"ایسا ہو نہیں سکتا۔" انطانون نے کہا۔ "اگر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ بھی لوں تو میری توجہ تم پر لگی رہے گی۔ میں اپنا کام نہیں کر سکوں گا، اور اگر میں پکڑا گیا تو مجھے اس جرم میں قید خانے میں ڈال دیں گے کہ میں نے ایک لڑکی اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ میری اور تمہاری نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو یہ جرم معمولی نہیں..... فاطمہ! جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ تم جدھر جا رہی ہو اُدھر جاؤ۔ ہو سکتا ہے سلطان تم سب کو زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے اپنے ساتھ رکھ لے۔"

"تم پھر مل سکو گے؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"شاید کہیں زندہ یا مُردہ مل جاؤں۔" انطانون نے جواب دیا۔ "چھاپہ مار اپنے متعلق بتا نہیں سکتا کہ وہ کس وقت کہاں ہوگا اور اُس کی لاش کہاں سے ملے گی۔ چھاپہ ماروں کی لاشیں ملا نہیں کرتیں۔ وہ دشمن کی جمعیت میں جا کر مرا کرتے ہیں۔ زندہ رہا تو سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔"

"ہو سکتا ہے تم زخمی ہو جاؤ تو میں ہی تمہاری مرہم پٹی کروں۔" فاطمہ نے کہا۔

"چھاپہ ماروں کی مرہم پٹی دشمن کیا کرتا ہے۔" انطانون نے جواب دیا۔ "فاطمہ جذبات میں نہ آؤ۔ ہوں جذبات



کو بھی اور ایک دوسرے کو بھی قربان کرنا پڑے گا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ تم جیسی لڑکیاں حرموں میں نہ جائیں اور وہ صلیبیوں کے وحشی پن سے بچی رہیں تو میرا خیال دل سے نکال دو۔ میدانِ جنگ میں تمہیں جو فرض سونپا جائے صرف اُسے دل میں رکھنا۔ تم گمشتگین کو قتل نہیں کر سکو گی۔ یہ ارادہ بھی دل سے نکال دو۔"

وہ بوجھل دل سے جدا ہوئے۔ فاطمہ پر انطانون کی کسی بات کا اثر نہ ہُوا۔ اُس کے دل سے گمشتگین کے قتل کا ارادہ بھی نہ نکلا اور انطانون کی محبت بھی نہ نکلی۔

☆

سلطان ایوبی کی سرگرمیاں دوہری تھیں۔ میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھتا اور اس کی لکیروں میں کھو جاتا یا گھوڑے پر سوار اپنی فوج کی مورچہ بندیاں دیکھتا رہتا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے یا موزوں وقت تک کے لیے دفاعی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ اصل جنگ قرون کے اندر لڑنا چاہتا تھا جس کی اُس نے سکیم بنا رکھی تھی لیکن ایک پہلو اُسے پریشان کر رہا تھا۔ بائیں پہلو پر تو چٹانیں اور اُن کے پیچھے پہاڑیاں تھیں لیکن دائیں پہلو پر چٹانیں زیادہ نہیں تھیں، اُن کے پیچھے میدان تھا۔ دشمن اُس طرف پیشقدمی کر کے یا پہلو بدل کر آگے نکل سکتا تھا۔ اس سے سلطان ایوبی کا سارا پلان تباہ ہونے کا خطرہ تھا۔ اُس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ اُس میدان میں سواروں اور پیادوں کی دیوار کھڑی کر سکتا۔ قریبی چٹان پر اُس نے تیر انداز بٹھا دیے تھے لیکن یہ انتظام کافی نہیں تھا۔ میدان کے لیے اُس نے دو دستے سوار اور پیادہ تیار کر لیے تھے لیکن انہیں ابھی چھپا کر رکھا ہُوا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ میدان پریشان کر رہا تھا۔ اُن دو دستوں کے علاوہ اُس نے ایک منتخب دستہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

وہ ایک چٹان پر کھڑا اُدھر دیکھ رہا تھا کہ دُور اُفق سے اُسے گرد اُٹھتی نظر آئی۔ ایسی گرد فوجی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ وہ کوئی سوار فوج آ رہی تھی۔ گرد کے پھیلاؤ سے پتہ چلتا تھا کہ گھوڑے ایک صف میں تین چار چار یا چھ چھ کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ دشمن کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا۔ "کیا اُس راستے پر اپنا ایک بھی آدمی نہیں تھا؟ تیاری کا حکم دو۔"

تیاری کے نقارے بج اُٹھے۔ فوج کو جس طرح دفاع کے لیے تیاری کی مشق کرائی گئی تھی وہ اسی طرح تیار ہو گئی۔ ذرا سی دیر بعد گھوڑے نظر آنے لگے۔ اُن کی چال دشمن والی یا حملے والی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ دو چار سوار دوڑاؤ، دیکھو یہ کون لوگ ہیں..... سوار دوڑا دیے گئے اور جب وہ واپس آئے تو دُور سے چلانے لگے "دمشق سے رضا کار آئے ہیں۔ ساتھ عورتوں کی فوج ہے۔"

"عورتوں کی فوج؟" سلطان ایوبی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "عورتوں کی فوج؟" اُس نے ذرا توقف سے سکون کی آہ لے کر کہا۔ "یہ فوج میری بیوہ بہن نے تیار کر کے بھیجی ہوگی۔ زنگی مرحوم کی بیوہ ہی یہ کام کر سکتی ہے۔"

سلطان ایوبی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ وہ اتنا کبھی نہیں ہنسا تھا۔ ہنستے ہنستے وہ سنجیدہ ہو گیا، اور اپنے پاس کھڑے سالاروں سے کہنے لگا۔ "میری قوم کی بچیاں تمہیں فتح یاب کر کے دم لیں گی۔ ہم کیوں نہ مر مٹیں ان بچیوں کی آبرو پر..... لیکن میں انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اگر ایک بھی لڑکی دشمن کے ہاتھ چڑھ گئی تو میں مر کر بھی چین حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

وہ چٹان سے اُتر کر آگے چلا گیا۔ لڑکیوں اور رضاکاروں کی فوج قریب آ گئی۔ اس کا کمانڈر ابو وقاص گھوڑے سے اُتر کر سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ سلام کے بعد نورالدین زنگی کی بیوہ کا تحریری پیغام دیا۔ اُس نے لکھا تھا۔۔۔۔
"میرے بھائی! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میرا شوہر زندہ ہوتا تو تم اتنے سارے دشمنوں کے سامنے اکیلے نہ ہوتے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ جو مجھ سے ہو سکتا تھا وہ پیش کر رہی ہوں۔ ان لڑکیوں کو میں نے زخمیوں کو سنبھالنے اور زخموں کی مرہم پٹی کی تربیت دلائی ہے۔ دوائیوں کا ذخیرہ بھی بھیج رہی ہوں۔ ایک سو رضاکار بھی ساتھ ہیں۔ بوڑھے فوجیوں نے انہیں جنگی تربیت دی ہے۔ تقریباً تمام کو شبخون مارنے کی مشق بھی کرائی ہے۔ یہ سب جوش اور جذبے والے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ ان لڑکیوں کو تم محاذ پر رکھنا پسند نہیں کرو گے۔ میں تمہارے خیالات سے آگاہ ہوں، لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم نے انہیں واپس بھیج دیا تو دمشق والوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نہیں جانتے کہ اس شہر میں لوگوں میں کیا جذبہ ہے۔ مرد تو محاذ پر جانے کو تیار ہیں، عورتیں بھی تمہاری قیادت میں لڑنے کو بیتاب ہیں۔ اس جیش کو سارے شہر نے عقیدت اور ولولے سے رخصت کیا ہے۔ یہاں تو بچے بھی فوجی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ تمہیں فوج کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔"

پیغام پڑھ کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ تقریباً تیس لڑکیاں تھیں جو گھوڑوں پر وہ سپاہی لگتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو گھوڑوں سے اُتار کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ اُس نے کہا۔ "میں تم سب کو میدانِ جنگ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تمہارے جذبے کا صلہ میں نہیں دے سکتا، خدا دے گا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لڑکیوں کو محاذ پر بلاؤں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ تاریخ کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی بیٹیوں کو لڑوایا تھا۔ میں تمہارے جذبات کو مجروح بھی نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنے پاس رکھنے سے پہلے میں تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں کہ سوچ لو۔ تم میں اگر کوئی ایسی لڑکی ہے جو اپنی مرضی سے نہیں آئی تو وہ الگ ہو جائے، اور وہ لڑکیاں بھی الگ ہو جائیں جن کے دل میں ذرا بھی شک اور خوف ہے۔"

کوئی ایک بھی لڑکی الگ نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہیں پیچھے محفوظ جگہ رکھوں گا۔ جنگ کے دوران تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا۔ پھر بھی یہ علاقہ ایسا ہے کہ تم دشمن کی زد میں آ سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کئی تیروں سے ماری جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دشمن کے ہاتھ چڑھ جائے۔ یہ بھی سُن لو کہ برچھی اور تلوار کا زخم بہت گہرا اور بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے۔"

ایک لڑکی کی آواز بلند ہوئی۔ "آپ تاریخ سے ڈرتے ہیں اور ہم بھی تاریخ سے ڈرتی ہیں۔ ہم واپس چلی گئیں تو تاریخ کہے گی کہ قوم کی بیٹیوں نے صلاح الدین ایوبی کو تنہا چھوڑ دیا اور گھروں میں بیٹھی رہی تھیں۔"

ایک اور لڑکی نے کہا۔ "خدا صلاح الدین کی تلوار میں اور زیادہ قوت دے۔ ہم حرموں کے لیے پیدا نہیں ہوئیں۔"

تیسری لڑکی نے کہا۔ "تین چاند پہلے میرا بیاہ ہُوا تھا۔ اگر آپ نے مجھے واپس بھیج دیا تو میں اپنے خاوند کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گی۔"



"تمہارا خاوند خود کیوں نہیں آیا؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "اس نے اپنی دلہن کو کیوں بھیج دیا ہے؟"

"وہ آپ کی فوج میں ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

پھر تمام لڑکیوں نے چلانا شروع کر دیا۔ اس کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے جوش اور جذبے کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ یہ شور ذرا تھما تو کسی لڑکی کی آواز سنائی دی۔ "محترم سلطان! ہمیں لڑنے کا موقع دیں۔ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔"

"یہ فیصلہ بعد میں کروں گا کہ میں تمہیں لڑائی میں شریک ہونے دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تمہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دوں گا۔"

اُس نے اُسی روز لڑکیوں کو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر ٹولی کے ساتھ ایک ایک رضاکار لگا دیا گیا۔ رضاکاروں کے متعلق کہا گیا تھا کہ انہیں جنگی ٹریننگ دی گئی ہے لیکن سلطان ایوبی نے انہیں زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیا کیونکہ وہ باقاعدہ فوج کے سپاہی نہیں تھے۔ انہیں فوج کے ساتھ مل کر لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ لڑکیوں اور رضاکاروں کی خیمہ گاہ قرون سے دُور بنائی گئی۔ انہیں اُن سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا جو زخمیوں اور لاشوں کو اُٹھانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتے تھے۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں اور رضاکاروں کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔

☆

فاطمہ، منصورہ، حمیرا اور سحر ایک ٹولی میں آ گئیں۔ ان کا ایک ٹولی میں اکٹھا ہو جانا قدرتی امر تھا کیونکہ وہ اکٹھی دمشق پہنچیں اور ان کے دلوں میں ایک ہی جیسی خواہش اور ولولہ تھا۔ اُن کے ساتھ آذر بن عباس نام کا ایک رضاکار تھا۔ اُس کا چھوٹا سا خیمہ الگ تھا اور اس کے قریب ہی چاروں لڑکیوں کے لیے بڑا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ ان لڑکیوں میں خطیب کی بیٹی منصورہ، جسمانی اور دماغی لحاظ سے تیز اور ہوشیار تھی۔ شام سے کچھ دیر پہلے اُس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی رضاکار آذر ایک چٹان پر چڑھتا جا رہا ہے۔ وہ اُوپر چلا گیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ منصورہ بھی اوپر چلی گئی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وادیوں میں اور ڈھلانوں پر سپاہی نظر آ رہے تھے۔ آذر نے منصورہ سے کہا۔ "آؤ آگے چلیں۔" وہ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ آذر قدرتی مناظر اور پہاڑی علاقے کی تعریفیں کرتا رہا۔

آذر خوبرو جوان تھا۔ اُس کی باتوں میں زندہ دلی اور چاشنی تھی۔ اُس نے منصورہ کے ساتھ بڑی شگفتہ سی باتیں شروع کر دیں۔ منصورہ نے بھی اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے واپس آ گئے۔ اتنے سے وقت میں آذر منصورہ کے دل میں اُتر چکا تھا۔ افطاری کے بعد لڑکیاں اپنے خیمے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ فوج کے کسی کمانڈر نے خیمے میں جھانک کر دیکھا اور لڑکیوں سے پوچھا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں؟ لڑکیوں نے آرام اور اطمینان کا اظہار کیا تو کمانڈر خیمے سے ہٹ گیا۔ باہر آذر کھڑا تھا۔ اُس نے کمانڈر کو باتوں میں لگا لیا۔ وہ بہت دیر باہر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ منصورہ اُن کی باتیں سُن رہی تھی۔ آذر

نے کمانڈر سے پوچھا کہ اتنی تھوڑی فوج سے دو تین فوجوں کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔

"دشمن کے لیے پھندا تیار ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "جنگ اس میدان میں نہیں ہوگی جہاں دشمن کو توقع ہے۔ ہم اُسے اُس جگہ گھسیٹ لائیں گے جہاں ہم نے وسیع پیمانے پر گھات تیار رکھی ہوئی ہے۔" اُس کمانڈر نے آذر کی جذباتی اور جوشیلی باتوں سے متاثر ہو کر تفصیل سے بتا دیا کہ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو کس طرح تقسیم کیا ہے اور وہ کیا کرے گا۔ مصری کمک کے متعلق بھی تفصیل بتا دی۔

اُسی رات کا واقعہ ہے۔ آدھی رات کے لگ بھگ منصورہ کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے آذر بن عباس کے خیمے سے باتیں سنائی دیں۔ وہ سمجھی کہ آذر کا کوئی دوست ہوگا لیکن اُسے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ "تم ابھی نکل جاؤ۔ کچھ باتیں تم نے خود معلوم کر لی ہیں۔ باقی میں نے بتا دی ہیں۔ میرے لیے یہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ اچھا ہوا تم آگئے۔ اب راستہ سمجھ لو۔" اس آدمی نے آذر کو بتایا کہ وہ کس طرف سے نکلے۔ اُسے سارا راستہ سمجھا کر کہا۔ "تم پیدل جا رہے ہو۔ پیدل ہی جانا چاہیئے۔ صبح سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کل ہی اندھا دھند حملہ کر دیں۔ پھندا تیار ہے اور مضبوط ہے۔ قردن کے اندر نہ آئیں۔ خدا حافظ!"

منصورہ کو اس آدمی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چلا گیا تھا۔ منصورہ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ آذر اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف چل پڑا۔ منصورہ نے اپنے خیمے کی کسی لڑکی کو جگائے بغیر اپنے سامان سے خنجر نکالا اور باہر نکل گئی۔

☆

آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے جن کی وجہ سے چاندنی بہت ہی دُھندلی تھی۔ منصورہ کو آذر سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ کچھ فاصلہ رکھ کر اور اوٹ میں ہو ہو کر اُس نے آذر کا تعاقب کیا۔ آذر ایک چٹان کے دامن میں ہو گیا اور چلتا گیا۔ منصورہ بھی اُسی راستے پر ہو گئی۔ راستے میں کوئی سنتری یا کوئی اور فوجی اِدھر اُدھر آتا جاتا نظر نہ آیا۔ اس سے منصورہ سمجھ گئی کہ لڑکیوں اور رضاکاروں کے خیمے اگلے مورچوں سے بہت پیچھے لگائے گئے ہیں اور اس سے پیچھے کوئی فوج نہیں۔ منصورہ کو معلوم نہیں تھا۔ وہاں کئی جگہوں پر فوج موجود تھی لیکن جو آدمی آذر کے پاس آیا تھا وہ اُسے ایسا راستہ بتا گیا تھا جو اُسے فوج کی نظر سے بچا سکتا تھا۔ وہ ایک کٹی ہوئی چٹان کے اندر چلا گیا۔ منصورہ رُکی۔ ذرا دیر بعد وہ بھی چٹان کے کٹاؤ میں داخل ہو گئی۔

آگے وادی تھی جس میں درخت بھی تھے۔ آذر کسی درخت کے پیچھے رُک جاتا، اِدھر اُدھر دیکھتا اور چل پڑتا۔ منصورہ کے بھی چلنے، رُکنے اور چھپنے کا انداز یہی تھا۔ کچھ دُور اونچی پہاڑی کا دامن آگیا۔ آذر چلا جا رہا تھا اور منصورہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس پہاڑی کے اندر تنگ سا رستہ تھا۔ آذر اس میں داخل ہو گیا۔ منصورہ بھی اس میں داخل ہوئی تو تیز ہوا کے تیز و تُند جھونکے نے اُس کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور اُس کا جسم سُن ہونے لگا۔ آذر نے کسی شک کی بنا پر پیچھے دیکھا اور رُک گیا۔ منصورہ بڑے سے ایک پتھر کے پیچھے بیٹھ گئی۔ آذر آگے کو چل پڑا۔ منصورہ اٹھی اور جس طرف پہاڑی کا سایہ تھا اُس طرف ہو گئی۔



درّے سے باہر نکلے تو کھلا میدان تھا۔ آذر تیز چل پڑا۔ منصورہ نے بھی رفتار تیز کر دی لیکن وہ عورت تھی، بہت سا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ ٹھنڈ بھی تھی اور نیچے پتھر تھے۔ وہ تھک گئی۔ یہ تو اُس کا جذبہ تھا جو اُسے تعاقب میں چلائے جا رہا تھا۔ اب وہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس تعاقب کا انجام کیا ہوگا۔ اگر آذر دوڑ پڑا تو وہ اُس تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ جس شک پر اُس کے تعاقب میں گئی تھی وہ یقین میں بدل چکا تھا۔ آذر دشمن کی طرف جا رہا تھا۔ منصورہ نے تعاقب کا یہ پہلو تو سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اُسے پکڑے یا پکڑوائے گی کیسے۔ اب تو وہ بہت تیز چل پڑا تھا۔ اگر اُسے پکڑنا ہی تھا تو یہ دُو بدو مقابلہ تھا۔ منصورہ کے پاس خنجر تھا۔ اُس نے خنجر زنی کی تربیت تو بچپن میں اپنے باپ سے لی تھی لیکن وہ صرف تربیت تھی۔ دشمن سے کبھی مقابلہ نہیں ہُوا تھا۔ یہ دشمن تنومند مرد تھا۔ کیا منصورہ اسے زیر کر کے پکڑ سکے گی؟

وہ سوچتی گئی اور تیز چلتی گئی۔ آذر اچانک رُک گیا اور اُس نے پیچھے دیکھا۔ منصورہ کے قریب ایک درخت تھا وہ پھرتی سے درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ درخت کے ساتھ جگہ ذرا بلند تھی اور وہاں پتھر تھے۔ منصورہ کا پاؤں پتھروں پر پھسلا اور وہ گر پڑی۔ رات کے سکوت میں پتھروں کی آواز بہت اونچی سنائی دی۔ آذر پیچھے کو آیا۔ منصورہ نے اُسے آتے دیکھ لیا۔ وہ اٹھی نہیں، درخت کے پیچھے بیٹھ گئی اور آذر کو دیکھتی رہی۔ اُس نے خنجر نکال لیا۔ آذر درخت کے بالکل قریب آ گیا تو منصورہ نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ آذر درخت سے ذرا آگے ہُوا تو منصورہ نے اُس کے پاؤں پر جھپٹا مارا اور اُس کے دونوں ٹخنے پکڑ لیے۔ وہ اب پیٹ کے بل تھی۔ اُس نے پوری طاقت سے آذر کے ٹخنے پیچھے کو کھینچے۔ وہ منہ کے بل گرا۔ دوسرے لمحے منصورہ اُس کی پیٹھ پر گھٹنے رکھ چکی تھی اور اُس کے خنجر کی نوک آذر کی گردن پر تھی۔ یہ عمل دو تین سیکنڈ میں مکمل ہو گیا۔

ایک لڑکی ایک ہٹے کٹے جوان کو اپنے گھٹنوں اور جسم کے تمام تر وزن سے بے بس نہیں کر سکتی تھی لیکن گردن پر خنجر کی نوک نے آذر کو حرکت نہ کرنے دی۔ اُس کی تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے جا پڑی تھی۔

"کون ہو تم؟" آذر نے پیٹ کے بل بے بس پڑے ہوئے پوچھا۔

"جس کے ہاتھ سے تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔" منصورہ نے جواب دیا۔

"تم عورت ہو؟"

"ہاں!" منصورہ نے جواب دیا۔ "میں عورت ہوں جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرا نام منصورہ ہے۔"

"اوہ، پاگل لڑکی!" آذر نے ہنس کر کہا۔ "تم نے کیا مذاق کیا ہے؟ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ہٹو، اٹھو، اپنا خنجر ہٹا لو، میری کھال میں اُتر رہا ہے۔"

"یہ مذاق نہیں آذر.... تم کہاں جا رہے ہو؟"

"خدا کی قسم میں کسی اور لڑکی کے پیچھے تو نہیں جا رہا۔" آذر نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "تم سے زیادہ اچھی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ میں تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا۔"

"مجھے نہیں تم میری قوم کو دھوکہ دینے جا رہے تھے۔" منصورہ نے کہا۔ "تم مجھے سب سے زیادہ اچھی لڑکی سمجھتے تھے، اور میں نے تمہیں سب سے زیادہ اچھا مرد سمجھا تھا مگر اب نہیں تمہارے لیے اچھی ہوں نہ تم میرے

لیے اچھے ہو۔ فرض نے جذبات پر مُہر ثبت کر دی ہے۔ تم اپنا فرض ادا کرنے چلے تھے، میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔ اگر تم میرے خاوند ہوتے، میرے جسم اور روح کے مالک اور میرے بچوں کے باپ ہوتے تو بھی میرا خنجر تمہاری گردن پر ہوتا۔"

"تم نے مجھے کیا سمجھ کر گرا لیا ہے؟" آذر نے پوچھا۔

"نام کا مسلمان اور صلیبیوں کا جاسوس،" منصورہ نے کہا۔ "تم صلیبیوں کے دوستوں کو بتانے جا رہے ہو کہ احتیاط سے حملہ کرنا اور قرون کے اندر نہ آنا۔"

"تم گنوار لڑکی کیا جانو جاسوس کسے کہتے ہیں؟" آذر نے کہا۔ "میں دشمن کو دیکھنے جا رہا تھا۔"

"میں جانتی ہوں جاسوس کیسے ہوتے ہیں،" منصورہ نے کہا۔ "میں بہت بڑے جاسوس کی بیٹی ہوں۔ ابن المخدوم گکبوری کا نام کبھی سنا ہے؟ وہ موصل کے خطیب تھے۔ میں اُن کے گروہ کی جاسوس ہوں۔ میں نے اپنے باپ کو موصل کے قید خانے کے تہہ خانے سے نکلوا کر فرار کرایا اور خود اُن کے ساتھ موصل سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ تم اناڑی جاسوس ہو۔ تجربہ کار جاسوس دُور جا کر باتیں کیا کرتے ہیں۔ کسی کے خیمے کے پاس کھڑے ہو کر راز کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تم رضا کار بن کر آئے تھے۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میرے اُوپر سے اٹھو۔" آذر نے کہا۔ "خنجر ہٹاؤ، میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری زبان آزاد ہے،" منصورہ نے کہا۔ "کہو، ضروری بات کہو، میں سن رہی ہوں۔"

آذر خاموش ہو گیا۔ اُس کا جسم بے حس ہو گیا۔ اُس نے ماتھا زمین سے لگا دیا۔ منصورہ کے سامنے اب یہ مسئلہ آ گیا کہ اسے باندھے کیسے اور وہاں سے کس طرح لے جائے۔ اگر اُسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ اسے زندہ سلطان ایوبی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ چونکہ وہ خود جاسوسوں کے گروہ کے ساتھ رہ چکی تھی، اس لیے جانتی تھی کہ جاسوسوں کو زندہ پکڑا جاتا ہے۔ اُسے یہ خیال آیا کہ ارد گرد کہیں اپنے سپاہی ہوں گے۔ اُس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔ "کوئی ہے تو پہنچو۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔" پھر اُس نے "آہو۔ ہا ہو" کی آوازیں بلند کیں۔

آذر جو بے حس ہو گیا تھا اچانک اتنی زور سے اُچھلا کہ منصورہ جو اُس کی پیٹھ پر گھٹنے دبا کر بیٹھی ہوئی تھی، لڑھک کر ایک طرف جا پڑی۔ آذر تلوار کی طرف لپکا۔ منصورہ نے بجلی کی تیزی سے اُٹھ کر آذر کو پیچھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ آگے کو گرا۔ منصورہ نے تلوار اٹھا لی۔ آذر دوڑ پڑا۔ اُس کے لیے مقابلہ کرنے کی بجائے نکل بھاگنا زیادہ ضروری تھا۔ منصورہ شور مچاتی اُس کے پیچھے دوڑی۔ اُس کے پاؤں میں بلا کی تیزی آ گئی تھی۔ دُور کہیں گشتی سنتری گشت کر رہے تھے۔ انہیں منصورہ کا واویلا سنائی دیا تو دوڑے آئے۔ آگے ندی تھی۔ آذر کو رُکنا پڑا۔ منصورہ پہنچ گئی اور دو تین سنتری بھی پہنچ گئے۔ آذر نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ منصورہ چلائی۔ "جانے نہ دینا جاسوس ہے۔ زندہ پکڑو۔"

سنتری بھی ندی میں کود گئے اور آذر پکڑا گیا۔ اُسے باہر لائے لیکن ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی اور گڑبڑ ہے۔ اُن کے پوچھنے پر منصورہ نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور محاذ پر کس طرح پہنچی ہے اور یہ آدمی رضا کار بن کے آیا ہے لیکن مشتبہ ہے۔ اُسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس لے چلو۔



"سنو میرے دوستو!" آذر نے سنتریوں سے کہا۔ "تمہیں یہاں کیا ملتا ہے؟ چند سکّوں اور دو وقت کی روٹی کی خاطر مرنے آئے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ شہزادے بنا دوں گا۔ اس جیسی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرا دوں گا۔ دولت سے مالا مال کر دوں گا۔"

"ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں گے۔" ایک سنتری نے کہا۔ "پہلے تم ہمارے ساتھ چلو۔ تم بھی چلو لڑکی۔ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ یہ جاسوس ہے یا تم بھی جاسوس ہو یا دونوں ادھر بدمعاشی کے لیے آئے تھے۔"

☆

سلطان ایوبی کے خیمے سے تھوڑی ہی دُور حسن بن عبداللہ کا خیمہ تھا۔ سنتری، آذر اور منصورہ کو اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر انہیں حسن بن عبداللہ کے پاس لے گیا۔ اُسے جگایا اور آذر کو اُس کے حوالے کر دیا۔ منصورہ نے حسن بن عبداللہ کو تمام تر واردات سنائی۔ تعاقب کی تفصیل بھی سنائی۔ حسن بن عبداللہ نے منصورہ کو غور سے دیکھ کر پوچھا۔ "تمہارا چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں۔ تم شاید موصل سے فرار ہو کر آئی تھیں۔ تمہارے ساتھ موصل کے خطیب ابن المخدوم بھی تھے؟"

"میں اُن کی بیٹی ہوں۔" منصورہ نے کہا۔

"تم نے میری حیرت ختم کر دی ہے۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "ہماری لڑکیاں تم سے زیادہ دلیر ہو سکتی ہیں، لیکن یہ ذہانت کم ہی پائی جاتی ہے جس کا مظاہرہ تم نے کیا ہے۔"

"مجھے محترم والد نے تربیت دی ہے۔" منصورہ نے کہا۔ "میرے کانوں میں صرف دو جملے پڑے اور میں سمجھ گئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔"

آذر کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اُس سے کاغذ برآمد ہوئے۔ ان پر نشان لگے ہوئے تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی پوزیشنیں ظاہر کرتے تھے۔ کاغذوں پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں تھیں۔ یہ قرون حماۃ کا خاکہ تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ سلطان ایوبی کا مکمل دفاعی پلان دشمن کے پاس جا رہا تھا۔

"آذر بھائی!" حسن بن عبداللہ نے آذر کو کاغذات دکھاتے ہوئے کہا۔ "ان کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ گئی ہے تو بتا دو۔ پھر میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ اگر بے گناہ ہو تو بولو۔ مجھے یقین دلاؤ... تم مسلمان ہو؟"

"خدائے ذوالجلال کی قسم!"

حسن بن عبداللہ نے اُس کے منہ پر سیدھا گھونسا اس قدر زور سے مارا کہ آذر کئی قدم پیچھے پیٹھ کے بل گرا۔ حسن نے دھیمی مگر قہر آلود آواز میں کہا۔ "جاسوسی کافروں کی کرتے ہو اور قسم ہمارے خدا کی کھاتے ہو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ تم جاسوس ہو یا نہیں۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہاں تمہارے جتنے ساتھی ہیں اُن کے نام بتا دو اور بتاؤ کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔"

"میں مسلمان ہوں۔" آذر نے التجا کی۔ "میں سب کچھ بتا دوں گا۔ مجھے بخش دو۔ میں اگلی صف میں لڑوں گا۔"

"پہلے میرے سوال کا جواب دو۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "اب تم مجھ پر اپنی کوئی شرط نہیں ٹھونس سکتے۔"

وہ ہٹ کا پکا معلوم ہوتا تھا۔ بولا۔ "میں اکیلا ہوں۔"

"اس لڑکی نے تمہارے خیمے میں جس دوسرے آدمی کی باتیں سنی تھیں وہ کون تھا؟"

"میں نے اُسے پہچانا نہیں تھا۔" آذر نے جواب دیا۔ "وہ اندھیرے میں آیا اور اندھیرے میں چلا گیا تھا۔"

حسن بن عبداللہ نے اپنے دو آدمیوں کو بلایا اور کہا۔ "اسے لے جاؤ اور پوچھو کہ اس کے ساتھی کون ہیں اور کہاں ہیں۔" اُس نے منصورہ سے کہا۔ "تم جاکر سو جاؤ۔ فجر کی نماز کے بعد تمہیں بلائیں گے۔"

☆

سلطان ایوبی جب فجر کی نماز پڑھ کر آیا تو حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی نے رات ایک جاسوس پکڑا ہے۔ اُس نے سارا واقعہ سنایا تو سلطان ایوبی نے کہا۔ "اسلام کی بیٹیوں کا یہی کردار تھا۔ اگر ہم نے اپنے کلمہ گو دشمنوں کو خون سے لکھا ہوا سبق نہ پڑھایا تو وہ قوم کی بیٹیوں کا کردار ختم کر دیں گے..... وہ جاسوس کہاں ہے؟"

"ابھی آپ اُسے نہ دیکھیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "میں اُس کا سینہ خالی کر لوں تو اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ خوبرو جوان ہے۔ اپنے آپ کو دمشق کا باشندہ کہتا ہے۔ یہاں رضاکار بن کے آیا تھا۔"

اُس وقت آذر ایک درخت کے ٹہن کے ساتھ اُلٹا لٹکا ہوا تھا۔ اُس کا سر زمین سے گز ڈیڑھ گز اوپر تھا۔ نیچے انگارے دہک رہے تھے۔ ایک سپاہی تھوڑی دیر بعد آگ میں کچھ پھینکتا تھا جس کے دھوئیں سے آذر تڑپتا اور کھانستا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے اُسے نیچے اتروایا۔ اُس کی آنکھیں سُوج گئی تھیں۔ سارا خون چہرے پر آ گیا تھا۔ وہ کھڑا نہ رہ سکا۔ تھوڑی دیر غشی کی حالت میں زمین پر پڑا رہا۔ اُس کے منہ میں پانی ٹپکایا گیا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "یہ بسم اللہ ہے۔ نہیں بولو گے تو تمہارا ایک ایک جوڑ الگ کیا جائے گا۔"

اُس نے پانی مانگا۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "دودھ پلاؤں گا۔ میرے سوال کا جواب دو۔" اور اُس نے ایک سپاہی سے کہا۔ "دودھ لے آؤ، اور ایک گھوڑا اور ایک رسّہ بھی لے آؤ۔ رسّہ اس کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دو۔"

آذر نے دو نام بتا دیئے۔ یہ دو نو رضاکار تھے۔ ان میں رات والا آدمی بھی تھا۔ اُس نے دمشق کے اڈے کی بھی نشان دہی کر دی۔ حسن بن عبداللہ نے اُسی وقت دونو رضاکاروں کو پکڑنے کا حکم دے دیا اور آذر کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"دمشق کا۔"

"کس کے بیٹے ہو؟"

آذر نے ایک جاگیردار کا نام بتایا۔



"میں شاید اُسے جانتا ہوں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہ دمشق میں ہے؟"

"جب الملک الصالح کی فوج دمشق سے بھاگی تھی تو وہ بھی حلب چلا گیا تھا۔"

"اور تمہیں جاسوسی کے لیے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"میں خود ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔" آذر نے کہا۔ "میرے باپ نے ایک آدمی کے ہاتھ حلب سے پیغام بھیجا تھا کہ میں جاسوسی کروں۔ مجھے پوری ہدایات ملی تھیں۔" اُس نے ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی سے التجا کی۔ "میں مسلمان ہوں۔ مجھے باپ نے گمراہ کیا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ میں اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

"اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں اللہ کے قانون میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا مسلمان مرد ہے جس کے ہاتھ سے ایک عورت نے تلوار گرائی اور اسے پکڑ لیا ہے..... تم نے یہاں کیا کیا دیکھا ہے؟"

"میں نے یہاں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔" آذر نے کہا۔ "باقی معلومات میرے ان دو ساتھیوں نے دی تھیں جو یہاں پہلے سے موجود تھے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ دیکھوں کہ منجنیقیں اور تیر انداز کہاں ہیں۔ میں نے یہ دیکھ لیے تھے۔"

"تم سے پہلے تمہارا کوئی ساتھی یہ معلومات لے کر یہاں سے گیا ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"نہیں۔" آذر نے جواب دیا۔ "ہم تینوں کے سوا یہاں اور کوئی نہیں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کتنے خوبرو اور وجیہہ جوان ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "اور کیا تم جانتے ہو کہ ایک لڑکی نے تمہیں کس طرح گرا لیا تھا؟"

"اگر وہ پیچھے سے میرے دونو ٹخنے نہ پکڑ لیتی تو میں نہ گرتا۔"

"تم پھر بھی گر پڑتے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "جن کا ایمان فروخت ہو چکا ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے گرا کرتے ہیں اور وہ تمہاری طرح منہ کے بل گرا کرتے ہیں۔ تم حق والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہوتے تو دس کافر مل کر بھی تمہیں نہ گرا سکتے۔ اصل قوت بازو اور تلوار کی نہیں ایمان کی ہوتی ہے۔"

"مجھے ایک موقع دیں۔" آذر نے کہا۔

"اس کا فیصلہ دمشق کا قاضی کرے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ یہ باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ تم مسلمان کے بیٹے ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر تم اُدھر چلے گئے۔ میں جانتا ہوں دمشق کی دو چار لڑکیاں تمہاری محبت کا دم بھرتی ہوں گی۔ چہرے اور جسم کے لحاظ سے تم اس قابل ہو کہ لڑکیاں تمہیں پسند کریں لیکن اب وہ لڑکیاں تمہارے منہ پر تھوکیں گی۔ خدا نے بھی تم سے نظریں پھیر لی ہیں..... میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ دمشق کے محترم قاضی تمہیں کیا سزا دیں گے۔ اگر وہ سزائے موت دیں تو جتنی دیر زندہ رہو اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا۔ کم از کم مرنے سے پہلے مسلمان ہو جانا۔"

"میرے باپ کو کون سزا دے گا؟" آذر نے غصے سے کہا۔ "اس گناہ کی ترغیب مجھے باپ نے دی تھی۔"

اسی نے میرے دل میں دولت کا لالچ ڈالا تھا۔ اسی نے میرے دل سے ایمان نکالا تھا۔"

"اللہ کا قانون اُسے نہیں بخشے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "دولت کا نشہ عارضی ہوتا ہے۔ ایمان کی قوت مرکر بھی ختم نہیں ہوتی۔"

"میری ایک عرض سُن لیں۔" آذر نے کہا۔ "میرا باپ کوئی دولت مند انسان نہیں تھا۔ دولت کا پرستار تھا۔ میری دو بہنیں جوان ہوئیں تو اُس نے دونوں کو دو امراء کے حوالے کر دیا اور دربار میں جگہ حاصل کر لی۔ اُس نے اپنی بیٹیوں کی بہت زیادہ قیمت وصول کی۔ پھر وہ مخبری اور غیبت کرنے لگا۔ مجھے بھی اس نے اسی کام پر لگا لیا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کر دیا۔ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد میرے باپ نے اور زیادہ اونچی حیثیت حاصل کر لی۔ وہ اب تجربہ کار سازشی اور جوڑ توڑ کا ماہر ہو گیا تھا۔ اس وقت تک وہ خاصی جاگیر حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی فوج آئی تو الملک الصالح اور اُس کے درباری اُمراء اور جاگیردار دمشق سے بھاگ گئے۔ ان میں میرا باپ بھی تھا۔ میں کسی ارادے کے بغیر ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد حلب سے ایک آدمی آیا۔ وہ میرے باپ کا یہ پیغام لایا کہ میں جاسوسی کا کام شروع کر دوں۔ وہ آدمی مجھے دمشق میں ہی اُس اڈے پر لے گیا جس کی میں نے نشاندہی کی ہے۔ وہاں مجھے بہت سی رقم دی گئی اور دو تین دنوں میں بتا دیا گیا کہ مجھے کیا کرنا اور کس طرح کرنا ہے۔ میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ خوب عیش و عشرت کی۔ ایک روز ہمارے سرغنہ نے ہمیں کہا کہ محاذ پر رضاکار جا رہے ہیں، تین چار آدمی ان میں شامل ہو جاؤ۔ ہم تین آدمی شامل ہو گئے۔ دو پہلے ہی یہاں آ گئے تھے۔ پھر مجھے حکم ملا کہ میں بھی یہاں آؤں اور آپ کی فوج کی ساری کیفیت دیکھ کر تمام معلومات مشترکہ کمان تک پہنچاؤں۔ میں آ گیا۔ میرے ساتھی یہاں کا نقشہ تیار کر چکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ آپ اپنے دشمن کی فوج کو اس جگہ لا کر لڑنا چاہتے ہیں جو چٹانوں میں گھری ہوئی ہے۔ میں نے چٹانوں پر چھپے ہوئے آپ کے تیر انداز اور منجنیقیں بھی دیکھی تھیں۔"

اُس کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے کہا۔ "میں پکڑا گیا ہوں تو محسوس کیا ہے کہ میں گناہ کر رہا تھا۔ آپ کی باتوں نے میرے اندر ایمان کی حرارت بیدار کر دی ہے۔ اگر میرا باپ اپنی بیٹیوں کو بیچ کر دولت مند نہ بنتا تو میرا ایمان قائم رہتا۔ یہ گناہ میرے باپ کا ہے۔ سلطان! آپ کا اقبال بلند ہو۔ مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقع دو۔"

سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو اشارہ کیا تو آذر کو خیمے سے باہر لے گئے۔

☆

اسی روز آذر کو دمشق کو روانہ کر دیا گیا۔ اُس کے ساتھ دو محافظ تھے۔ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ آذر کے ہاتھ رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے وہ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ رات کے لیے رُکنا تھا۔ راستے میں دونوں محافظ اُس سے سنتے رہے تھے کہ اُس کا جُرم کیا ہے۔ آذر نے اُن کے ساتھ جذباتی سی باتیں کر کے انہیں متاثر کر لیا تھا۔ شام کے وقت آذر نے انہیں کہا کہ تھوڑی سی دیر کے لیے وہ اُس کے ہاتھ کھول دیں۔ محافظوں نے اس خیال سے اُس کے ہاتھ کھول دیے کہ یہ نہتہ ہے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔



انہوں نے دوسری احتیاط یہ کی کہ اُسے گھوڑے سے اُتار لیا۔ وہ پیدل تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ بیٹھ گئے اور اُن کے پاس کھانے کے لیے جو کچھ تھا کھانے لگے۔

آذر نے موقع دیکھ لیا اور اچانک اُٹھ کر بہت ہی تیزی سے دوڑا۔ گھوڑے قریب ہی کھڑے تھے۔ آذر ایک ثانیے میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ محافظ پہنچ تو گئے لیکن آذر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر رُخ اُن کی طرف کر دیا۔ وہ دونو ادھر اُدھر ہو گئے اور اپنے گھوڑوں تک بروقت نہ پہنچ سکے۔ جتنی دیر میں وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اتنی دیر میں آذر بہت سا فاصلہ حاصل کر چکا تھا۔ محافظوں نے گھوڑے بھگائے لیکن اب تعاقب بے سُود تھا۔ شام گہری ہونے لگی تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کہیں کہیں ٹیلے اور چٹانیں بھی تھیں۔ محافظ دور تک گئے مگر آذر غائب ہو چکا تھا۔

دوسرے دن دونو محافظ سر جھکائے ہوئے، شکست خوردہ اور بُری طرح تھکے ہوئے حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچے۔ ایک نے کہا۔ "ہمیں گرفتار کر لیں۔ قیدی بھاگ گیا ہے۔" انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ قیدی کے کہنے پر انہوں نے اُس کے ہاتھ کھول دیے تھے۔ حسن بن عبداللہ نے انہیں حراست میں لے لیا لیکن گھبراہٹ سے اُس کا پسینہ نکل آیا کیونکہ آذر معمولی قسم کا قیدی نہیں تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا سارا پلان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ فتح و شکست کا دارو مدار اس پلان پر تھا۔ حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی کو بتانے سے ڈر رہا تھا کہ پکڑا ہوا جاسوس ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اپنے سارے منصوبے بیکار ہو گئے ہیں۔ چھپانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو جب حسن بن عبداللہ نے بتایا کہ قیدی بھاگ گیا ہے تو سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کتنی ہی دیر اُس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ اُٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا۔ اُس دور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے۔ "صلاح الدین ایوبی انتہائی خطرناک صورت حال میں بھی نہیں گھبراتا تھا لیکن اس جاسوس کے بھاگ جانے کی خبر سُن کر اُس کے چہرے سے خون غائب اور آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ ... خیمے میں ٹہلتے ٹہلتے وہ رُک گیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا، 'خدائے ذوالجلال! کیا یہ اشارہ ہے کہ میں یہاں سے واپس چلا جاؤں؟ کیا تیری ذات باری نے میرے گناہ بخشے نہیں؟ میں نے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ کبھی پسپا نہیں ہُوا تھا۔' پھر اُس کی آواز رندھیا گئی۔ اُسے شاید غیب کا کوئی اشارہ مل جایا کرتا تھا جو اس موقعے پر بھی ملا۔ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا۔ 'اُن دونو سپاہیوں کو زیادہ سزا نہ دینا۔ سزا سے بچنے کے لیے وہ مفرور ہو سکتے تھے لیکن وہ تمہارے پاس آ گئے۔ تم انہیں غلطی کی سزا ضرور دینا، نیک نیتی اور سچ بولنے کا صلہ بھی ضرور دینا۔ ... سالاروں کو بلاؤ۔' اُس کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔"

تین سالار آ گئے۔ سلطان ایوبی نے اُن سے کہا۔ "وہ جاسوس بھاگ گیا ہے جس کے پاس دفاعی منصوبہ تھا۔ اُس نے جو نقشے بنائے تھے وہ ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ لیا تھا اور اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم دشمن کو کہاں لا کر لڑانا چاہتے ہیں۔ بھاگنے والے کے دو ساتھی ابھی ہمارے پاس ہیں۔ حسن بن عبداللہ انہیں ابھی یہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اب ہمارے لیے صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ہم نے دشمن

کے لیے جو پھندا تیار کیا تھا وہ بیکار ہو گیا ہے۔ وہ اب قرون کے اندر نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں محاصرے میں لے لے اور ہماری رسد کا راستہ روک لے۔ یہ مشورہ دو کہ ہم اپنا منصوبہ بدل دیں یا اسی پر قائم رہیں۔"

تینوں سالاروں نے اپنے اپنے مشورے دیئے جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ صرف اس بات پر تینوں متفق تھے کہ پلان بدل دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ پلان بدلنے کے لیے وقت چاہیے۔ خطرہ یہ ہے کہ اس دوران دشمن نے حملہ کر دیا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ کھلی جنگ لڑنے کے لیے فوج کم تھی۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ پلان میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس کی بجائے چھاپہ ماروں کو حکم دیا گیا کہ وہ وسیع پیمانے پر شبخون ماریں اور وہ دشمن کی مشترکہ کمان کے مرکز اور تینوں فوجوں کے مرکزوں پر زیادہ شبخون ماریں۔ رسد کے راستے کو اور زیادہ محفوظ کر لیا جائے۔ اُس نے چھاپہ ماروں کے سالار سے کہا کہ وہ اپنے اُس دستے کو لے آئے جسے مٹکے توڑنے کا کام سونپا گیا ہے۔

سالار یہ احکام لے کر چلے گئے۔ سلطان ایوبی نے یہ احکام خود اعتمادی سے دیئے تھے لیکن وہ بہت پریشان تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ جاگنے والے جاسوس نے اُس کا سارا پلان تباہ کر دیا ہے اور اب معلوم نہیں کیا ہو گا۔

کچھ دیر بعد بارہ چھاپہ ماروں کا ایک جیش اُس کے سامنے لایا گیا۔ صلیبیوں نے حلب والوں کو آتش گیر مادے کے جو مٹکے بھیجے تھے وہ میدانِ جنگ میں لائے گئے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے یہ ذخیرہ دیکھ لیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ جب دشمن حملہ کرے تو یہ ذخیرہ تباہ کر دیا جائے۔ اس کے لیے بارہ جانباز اور جنونی قسم کے چھاپہ مار منتخب کیے گئے اور انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لایا گیا۔ اُس نے دیکھا اور ایک چھاپہ مار کو دیکھ کر مسکرایا۔ بولا۔ "افطانون! تم اس جیش میں آ گئے ہو؟"

"مجھے اسی جیش میں آنا چاہیے تھا۔" افطانون نے کہا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

"میرے عزیز دوستو!" سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے کہا۔ "تم نے کہاں کہاں قربانیاں نہیں دیں لیکن اب مذہب اور ملت کی آبرو تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے۔ تم جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے ہو۔ تمہیں ہدف بتا دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اسے تباہ کر دیا تو آنے والی نسلیں بھی تمہیں یاد رکھیں گی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی فوج تھوڑی ہے اور دشمن کے تین لشکر ہیں۔ ان سے اپنی فوج کو تم بچا سکتے ہو۔"

"ہم مذہب اور ملت کو مایوس نہیں کریں گے۔" چھاپہ ماروں کے کمانڈر نے کہا۔

انہیں چند اور ہدایات دے کر رخصت کر دیا گیا۔

☆

اگلی صبح ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی ابھی اپنے خیمے میں تھا۔ سوار نے اطلاع دی کہ دشمن آ رہا ہے۔ فاصلہ ایک میل رہ گیا تھا۔ رُخ قرون کی طرف تھا۔ اتنے میں ایک اور سوار آ گیا۔ اُس نے اطلاع دی



کہ دائیں طرف سے بھی دشمن کی فوج آ رہی ہے۔ اس فوج کے رُخ سے سلطان ایوبی نے اندازہ لگایا کہ دائیں پہلو آ رہی ہے۔ اس پہلو کے متعلق سلطان ایوبی کو پریشانی تھی۔ وہ اب اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اُس کے اعصاب پر آذر جاسوس سوار تھا جو نہایت قیمتی راز لے کر چلا گیا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ یہ جاسوس گزشتہ رات پہنچا ہو گا اور اس کی معلومات پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی نے تیاری کا حکم دے دیا۔ اُس کے قاصد اِدھر اُدھر دوڑ پڑے۔ قرون کے درمیان خیمے لگے رہے۔ سپاہی خیموں میں سے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے رہے تاکہ دشمن یہ سمجھے کہ وہ تیار نہیں۔ چٹانوں پر تیر انداز تیار ہو گئے۔

دشمن کی رفتار تیز تھی۔ اُس کے ہراول نے دیکھا کہ خیمے ابھی تک کھڑے ہیں تو ہراول نے اس خیال سے کہ انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو بے خبری میں آ لیا ہے، پیچھے خبر دے دی کہ رفتار تیز کرو۔ سلطان ایوبی ایک بلند چٹان پر چلا گیا جہاں سے سارا منظر اور دائیں طرف کا میدان بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ گمشتگین کی فوج سیدھی قرون کی طرف آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی کے سپاہیوں نے ہدایات کے مطابق اپنے گھوڑوں پر زینیں اُس وقت ڈالیں جب دشمن بالکل قریب آ گیا تھا۔ پیادوں نے آگے جا کر چند ایک تیر چلائے۔ اُدھر سے للکار سنائی دینے لگی۔ "کچل دو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ صلاح الدین ایوبی کو زندہ پکڑو۔ سر کاٹ دو۔"

سلطان ایوبی کے سوار آگے بڑھے مگر پیچھے کو آ گئے۔ پیادوں اور سواروں نے حملے کی اگلی صف کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے پیچھے ہٹتے آئے، حتیٰ کہ تمام حملہ آور دستے قرون کے اندر اُسی پھندے میں آ گئے جس میں سلطان ایوبی لانا چاہتا تھا۔ چٹانوں میں گھرا ہوا یہ میدان ڈیڑھ میل کے لگ بھگ وسیع اور عریض تھا۔ جونہی دشمن اندر آیا دونوں طرف کی چٹانوں سے اُس پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دشمن کے گھوڑے تیر کھا کر بھاگتے، منہ زور ہو جاتے اور اپنے ہی پیادوں کو کچلتے پھرتے تھے۔ دشمن کے کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہاں خیموں میں جو فوج تھی وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آگے چٹانوں میں ایک کٹاؤ ہے جو ایک وادی میں چلا جاتا ہے اور سلطان ایوبی کی فوج اس میں لاپتہ ہوتی جا رہی ہے۔ میدان میں خیمے کھڑے تھے جن کی رسیاں رکاوٹ پیدا کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فلیتوں والے آتشیں تیر آنے لگے جو خیموں پر چلائے جا رہے تھے۔ انہوں نے خیموں کو آگ لگا دی اور میدانِ جنگ سے شعلے اُٹھنے لگے۔ دشمن کے کمانڈروں کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو گئی۔ اُن کی جمعیت بکھر گئی تھی۔ دستے گڈمڈ ہو گئے تھے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کا، زخمیوں کی چیخ و پکار کا اور کمانڈروں کے واویلے اور للکار کا اتنا زیادہ شور تھا کہ آوازوں کو الگ کر کے سمجھنا ناممکن تھا۔ کم و بیش دو گھنٹے دشمن کے سپاہی افراتفری کی کیفیت میں اور ان کے کمانڈر انہیں سنبھالنے کی کوشش میں سلطان ایوبی کے تیر اندازوں سے زخمی اور ہلاک ہوتے رہے۔ وہ بھی آخر مسلمان سپاہی تھے۔ عسکری جذبہ انہیں پسپا نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اُن میں سے کئی ایک اُن چٹانوں پر چڑھنے لگے جہاں سے تیر آ رہے تھے۔ یہ اُن کی دلیری کا مظاہرہ تھا لیکن اوپر سے آنے والے تیر انہیں پتھروں کی طرح لڑھکا رہے تھے۔

بہت ہی مشکل سے دشمن کے دستوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا گیا۔ انہیں پیچھے ہی ہٹنا تھا۔ مگر پیچھے ہٹتے تو

انھیں پتہ چلا کہ عقب میں سلطان ایوبی کی فوج کھڑی ہے۔ اعلان ہونے لگے۔ "ہتھیار ڈال دو۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہم تمہیں ہلاک نہیں کریں گے۔" ان اعلانات کے ساتھ ساتھ گھوڑے بڑھتے اور پھیلتے آرہے تھے۔ گمشتگین کے گھرے ہوئے سپاہیوں میں اب لڑنے کا دم خم نہیں رہا تھا۔ اُن میں سے آدھے مارے گئے یا زخمی ہو گئے تھے، جو زندہ تھے اُن پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ کچھ اور توقع لے کر آئے تھے۔ انھیں بتایا گیا تھا کہ یہ بڑی سہل فتح ہوگی مگر اُن کے لیے میدانِ جنگ جہنم بن گیا۔ انھوں نے ہتھیار پھینکنے شروع کر دیئے۔

✡

سلطان ایوبی کی یہ چال تو کامیاب رہی لیکن دوسری طرف دشمن نے اُس کے لیے مشکل پیدا کر دی۔ یہ دائیں پہلو کا وہی میدان تھا جس کے متعلق اُسے شروع سے ہی فکر تھا۔ اُس طرف سے صحرائی آندھی کی طرح دشمن کی فوج آرہی تھی۔ اُس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کے مختصر سے دو دستے تھے۔ حملہ آوروں کے جھنڈے نظر آنے لگے۔ یہ حلب کی فوج تھی۔ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے اِس فوج کے جوہر دیکھے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ فوج گمشتگین اور سیف الدین کی فوج سے مختلف ہے۔ فنی مہارت اور شجاعت کے لحاظ سے یہ فوج یقیناً برتر تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے آپ کو کبھی خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ فوراً جان گیا کہ اُس کے یہ دستے اِس فوج کو نہیں روک سکیں گے۔ وہ اپنے ریزرو کو ابھی استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے دماغ کو حاضر رکھا۔ اپنے پاس کھڑے سالاروں کو اُس نے کوئی ہدایات دے کر بھیج دیا۔

اُس نے ریزرو ٹروپس کے علاوہ منتخب سواروں کا ایک دستہ اپنے ساتھ رکھا ہُوا تھا۔ اُس طرف والی چٹان پر جو تیر انداز تھے اُن کے کمانڈر کو حکم بھیجا کہ قردن سے ہٹ کر ذرا پیچھے کر لیں اور اسی پوزیشن سے نئے حملہ آوروں کو نشانہ بنائیں۔ اُس نے اپنے منتخب سواروں کے کمانڈر کو حکم دیا کہ دستہ میدان میں لاؤ، میں خود کمان کروں گا۔ نہایت تھوڑے وقت میں وہ چٹان سے اُترا۔ اُس کا دستہ تیار تھا۔ وہ بھی میدان میں آگیا۔

سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں اپنا جھنڈا نہیں لہرایا کرتا تھا تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے کہ وہ کہاں ہے لیکن اِس موقع پر اُس نے بلند آواز سے کہا — "میرا جھنڈا اونچا رکھو" — قاضی بہاؤ الدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ "اس معرکے میں اپنا جھنڈا چڑھا کر صلاح الدین ایوبی اپنے دشمنوں کو بتانا چاہتا تھا کہ اُن کی کمان اور قیادت سلطان خود کر رہا ہے اور وہ حلب کے حملہ آوروں کو بھی بتانا چاہتا تھا کہ اُن کا مقابلہ صلاح الدین کے ساتھ ہے۔"

سلطان ایوبی نے اشارے اور الفاظ مقرر کر رکھے تھے۔ اُس نے نہایت تیزی سے سواروں کو اِس ترتیب میں کر لیا کہ دو گھوڑے آگے، چار پیچھے، اُن کے پیچھے چھ، اُن کے پیچھے آٹھ اور باقی تمام آٹھ آٹھ کی ترتیب میں رہے لیکن اُس نے ترتیب کہیں کھڑے ہو کر نہیں بنائی بلکہ تین چار صفوں میں دوڑتے گھوڑسواروں کو اِس ترتیب میں ہونے کا حکم دیا تھا۔ سامنے سے دشمن صف در صف پھیلا ہُوا آرہا تھا۔ قریب جا کر سلطان ایوبی کے سوار اِس ترتیب میں ہو گئے۔ تصادم اِس طرح ہُوا کہ یہ گھوڑسوار ایک کیل کی طرح دشمن کے لشکر میں داخل



ہو گئے۔ سلطان ایوبی اس ترتیب کے درمیان میں تھا۔ دشمن کے گھوڑسوار دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ راستے میں جو آیا اُسے برچھیوں سے مجروح کرتے گئے۔

دشمن کے سواروں کے پیچھے پیادہ دستے تھے۔ سلطان ایوبی نے فوراً آگے جا کر سواروں کو پیچھے موڑا، اور فوراً صفوں کی ترتیب میں لا کر پوری رفتار سے پیادہ دستوں پر حملہ کیا۔ پیادوں نے مقابلہ تو بہت کیا لیکن گھوڑے اور سوار انھیں روندتے اور کاٹتے آگے نکل گئے۔ سلطان ایوبی کے پیادہ دستے سامنے تھے۔ انھوں نے دشمن کے سواروں کا مقابلہ کیا۔ عقب سے سلطان ایوبی نے ہلہ بول دیا۔ قریبی چٹانوں سے تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن حلب کی فوج کا حوصلہ نہ ٹوٹا۔ سلطان ایوبی نے اپنی کمان نہ بکھرنے دی۔ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا اور بڑا ہی شدید۔ تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگر سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان خود نہ لیتا تو اُس کا سارا پلان اِس پہلو سے تباہ ہو جاتا۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے مؤرخین سے کچھ اختلاف کیا ہے۔ اُس کی یادداشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ آور فوج حلب کی نہیں موصل کی تھی اور اس کی کمان سالار مظفر الدین بن زین الدین کر رہا تھا، اور یہ کمان اتنی دانشمندانہ تھی کہ مظفر الدین نے سلطان ایوبی کے اس پہلو کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ قیادت کی دانشمندی کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مظفر الدین سلطان ایوبی کے ساتھ سالار رہ چکا تھا اور اُس نے یہ فن سلطان ایوبی سے ہی سیکھا تھا۔ نفری زیادہ ہونے کے علاوہ مظفر الدین کو یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

سلطان ایوبی نے قاصدوں کو اپنے ساتھ رکھا اور اُن کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے یونٹ کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھا۔ اُس نے ایسی چال چلی کہ دشمن کو اُس چٹان کے قریب لے گیا جس پر تیر انداز تیار تھے۔ انھوں نے بہت کام کیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی نفری میں اتنی کمی محسوس کی کہ اُسے ابتدائی پلان بدلنا پڑا۔ اُس نے ریزرو ٹروپس کو بھی بلانے کا فیصلہ کر لیا لیکن عین اُس وقت ایک قاصد نے اُسے بتایا کہ ایک طرف سے اپنے چار پانچ سو سوار آرہے ہیں۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا کہ وہ کون سا دستہ ہے اور کیوں آیا ہے؟ وہ میدانِ جنگ میں ڈسپلن کا زیادہ پابند ہو جاتا تھا، حالانکہ اُسے اِس میدان میں کمک کی شدید ضرورت تھی لیکن اُس کی اجازت اور ہدایت کے بغیر کسی کی حرکت اُسے پسند نہ آئی۔ اُس نے قاصد کو دوڑایا کہ خبر لائے کہ یہ سوار کون ہیں۔

قاصد جو خبر لایا اُس نے سلطان ایوبی کو سُن کر دیا۔ خبر یہ تھی کہ یہ چار سو لڑکیاں اور ایک سو رضاکار ہیں۔ اُن کی قیادت حجاج ابو وقاص کر رہا ہے اور وہ سالار شمس الدین کی اجازت سے آئے ہیں۔ سلطان ایوبی انھیں روک سکتا تھا لیکن جس انداز سے یہ پانچ سو گھوڑسوار آئے تھے اُس سے سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ کمان دراصل شمس الدین کر رہا ہے۔ یہ سوار دشمن کو چٹان کی طرف دھکیل رہے تھے۔ اس معرکے میں پیادے گھوڑوں تلے کچلے جا رہے تھے۔ دشمن کی پیش قدمی روک لی گئی تھی۔ وہ آگے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اُسے وہیں اُلجھا لیا گیا۔

مسلمان، مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا تھا۔ اللہ اکبر کے نعرے اللہ اکبر کے نعروں سے ٹکرا رہے تھے۔ زمین کانپ رہی تھی۔ آسمان خاموش تھا۔ صلیبی تماشہ دیکھ رہے تھے۔ تاریخ دم بخود تھی۔ لڑکیاں اپنے بھائیوں

اور باپوں کے دوش بدوش بھائیوں اور باپوں کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ لہو لہان ہو رہی تھیں۔ قوم کی عظمت گھوڑوں کے سُموں تلے روندی جا رہی تھی، اور خدا دیکھ رہا تھا۔

دن بھر کے معرکے کا یہ انجام ہوا کہ دشمن کا حوصلہ ختم ہو گیا۔ اُس کے سپاہیوں نے ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ وہ نیم محاصرے میں آگئے تھے۔ سالار نکل گئے۔ رات زخمیوں کے واویلے سے لرزتی رہی۔ دن بھر کی تھکی ہوئی لڑکیاں رات کو زخمیوں کو اٹھاتی رہیں۔ صبح ہوئی تو اس میدان کا منظر بھیانک اور ہولناک تھا۔ دُور دُور تک لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ گھوڑے مرے پڑے تھے۔ جنگی قیدیوں کو دُور پرے لے گئے تھے۔ ان لاشوں میں لڑکیوں کی جو لاشیں تھیں وہ اٹھالی گئی تھیں۔

"بادشاہی کا نشہ انسان کو اس سطح پر بھی لے آتا ہے جہاں ایک انسان اپنی قوم کو دو دھڑوں میں کاٹ کر انہیں آپس میں لڑا دیتا ہے۔" سلطان ایوبی نے میدانِ جنگ کا منظر دیکھ کر کہا۔ "اپنے بھائی اپنی بہنوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ اگر ہم نے بادشاہی کے رجحان کو ختم نہ کیا تو کفار اس قوم کو قوم کے سربراہوں کے ہاتھوں آپس میں لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔"

☆

ترون حماۃ اور اُس کے پہلو کا معرکہ ختم ہو گیا تھا، جنگ ابھی جاری تھی۔ معرکے کی رات بارہ چھاپہ مار حلب کی فوج کے اُس ذخیرے تک پہنچ چکے تھے جہاں آتش گیر مادے کے مٹکے رکھے تھے۔ رات کے وقت مٹکے کھول کر اس سے کپڑے بھگوئے جا رہے تھے جن کے گولے بنا کر منجنیقوں سے پھینکنے تھے۔ ہانڈیاں بھی بھر کر سر بمہر کی جا رہی تھیں۔ ابھی ایک فوج ریزرو میں تھی۔ اُسے اطلاع مل گئی تھی کہ دونوں فوجوں کے حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ فوج آخری حملے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ حملے کی کامیابی کے لیے آگ پھینکنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

سلطان ایوبی کے بارہ چھاپہ ماروں نے اپنا ہدف دیکھ لیا۔ ان میں سے چار پانچ کے پاس کمانیں تھیں اور فلیتے والے تیر بھی تھے۔ وہ گھوڑوں سے اُتر کر آگے چلے گئے۔ فلیتے جلا کر انہوں نے تیر چلا دیئے۔ یکلخت شعلے بلند ہوئے اور وہاں ہڑبونگ بپا ہو گئی۔

چھاپہ ماروں کو بتایا گیا تھا کہ مٹکے بے شمار ہیں۔ وہاں بھگدڑ مچی تو چھاپہ ماروں نے ہلّہ بول دیا۔ شعلوں سے وہاں بہت روشنی ہو گئی تھی۔ چھاپہ ماروں کو محفوظ مٹکے بھی نظر آ گئے۔ انہوں نے اپنی برچھیوں کے ساتھ ہتھوڑیوں کی طرح لوہے کے ٹکڑے باندھ رکھے تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے انہوں نے مٹکے توڑنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے ایک نے آگ لگانے کا انتظام کر دیا۔ دشمن نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ بارہ جانباز سینکڑوں کے نرغے میں لڑ رہے تھے۔ شعلے ہر طرف پھیل گئے تھے۔ سارے کیمپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر بھاگنے لگے۔

جہاں سلطان ایوبی کی فوج تھی وہاں ایک چٹان پر کھڑے کسی آدمی نے چلّا کر کہا: "آسمان جل رہا ہے۔ خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے۔"



سلطان ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ایک چٹان پر جا چڑھا۔ اُسے دشمن کے کیمپ کی طرف آسمان لال سرخ ہوتا نظر آیا۔ اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا: "آفرین۔ آفرین۔ اللہ تمہیں صلہ دے۔"

موصل کی فوج فوری طور پر جوابی حملے کے قابل نہ رہی۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے تین راتیں گمشتگین، سیف الدین اور الملک الصالح کے کیمپوں میں اتنی تباہی مچائی کہ اُن کے مرکز بھی ہل گئے۔ آخر انہوں نے کسی اور طرف سے حملے کا فیصلہ کر کے کوچ کا حکم دیا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ اُن کے عقب میں سلطان ایوبی کی فوج آ چکی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنی مخصوص چالوں سے دشمن کو بے حال کر دیا۔ وہ مارتا بھی نہیں تھا چھوڑتا بھی نہیں تھا۔ یہ جنگ "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑی جا رہی تھی۔ دشمن کی فوج بکھرتی جا رہی تھی اور اس کے سپاہی بکھر بکھر کر ہتھیار ڈالتے جا رہے تھے۔ یہی سلطان ایوبی کا مقصد تھا۔

۱۹ رمضان المبارک ۵۷۰ھ (۱۳ اپریل ۱۱۷۵ء) کی صبح سحری سے فارغ ہوتے ہی سلطان ایوبی نے اپنے پلان کی آخری کڑی پر عمل کیا جس کی ہدایات وہ ایک روز پہلے جاری کر چکا تھا۔ اُس نے کھلا حملہ کر دیا۔ کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی وہاں تک جا پہنچا جہاں گمشتگین اور سیف الدین کی خیمہ گاہیں تھیں مگر وہ دونوں غائب تھے۔ وہ ایسی بزدلی سے بھاگے کہ اپنی ذاتی خیمہ گاہیں جن سے جنگل میں منگل بنا ہوا تھا اُنہوں کی نذر چھوڑ گئے۔ حرم کی لڑکیاں، ناچنے گانے والیاں اور اُن کے سازندے وہیں تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج گئی تو لڑکیاں خوف سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ انہیں پکڑ کر سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے اُن تمام کو رہا کر کے دمشق بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ دلچسپ خیمہ گاہ والیٔ موصل سیف الدین کی تھی۔ وہاں لڑکیوں کے علاوہ خوشنما پنجرے بھی تھے جن میں رنگ برنگے پرندے بند تھے۔

اُس رات سلطان ایوبی کے سامنے ایک اور لڑکی لائی گئی جو دشمن کے اُس کیمپ میں لاشوں کو پہچانتی پھر رہی تھی جس پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شبخون مارا اور آتش گیر مادے کے مٹکے تباہ کیے تھے۔

سلطان ایوبی نے اُسے پہچان لیا اور کہا: "تم میرے ایک جاسوس انطانون کے ساتھ حرن سے آئی تھیں؟"

"جی ہاں!" اُس نے کہا۔ "میرا نام فاطمہ ہے۔ میں لڑکیوں کی فوج کے ساتھ دمشق سے آئی ہوں۔" وہ زخمی بھی تھی۔ کہنے لگی: "مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ انطانون یہاں شبخون مارنے آیا تھا۔ اُس کی لاش ڈھونڈ رہی ہوں۔"

"نہ ڈھونڈو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"وہ بھی کہتا تھا کہ چھاپہ ماروں کی لاشیں نہیں ملا کرتیں۔" فاطمہ نے اداس لہجے میں کہا۔ "اُس نے مجھے کہا تھا کہ آؤ ایک دوسرے کو فرض پر قربان کر دیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اُس نے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ میرا فرض ابھی باقی ہے۔ میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی تھی۔"

اس لڑکی کی جذباتی حالت دیکھ کر کوئی بھی اپنے آنسو نہ روک سکا۔ سلطان ایوبی نے کہا: "دمشق سے جو لڑکیاں آئی ہیں ان سب کو واپس بھیج دو۔ انہوں نے دشمن کو شکست دینے میں میری بہت مدد کی ہے۔ اُس وقت میں ہی جانتا ہوں کہ مجھے مدد کی کتنی ضرورت تھی۔ یہ لڑکیاں جیسے غیب سے آئی تھیں، لیکن میں انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

روکیں کے احتجاج اور غصے کے باوجود انہیں دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان ایوبی اب کہیں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے دشمن کو جو شکستِ فاش دی تھی اس سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ تمام فوج کو حلب کی سمت کوچ کے لیے تیار کیا جائے۔ اپنے سالاروں کو وہ اگلے پلان کے متعلق بتا رہا تھا۔ ایک گھوڑسوار گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی اور برچھی میں کوئی چیز اڑسی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو سلطان ایوبی کے باڈی گارڈوں نے اُسے روک لیا۔ سلطان ایوبی نے دیکھا کہ سوار نے کسی انسان کا سر برچھی میں اُڑسا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے آگے آنے کی اجازت دے دی۔

وہ آذر بن عباس تھا۔ وہی جاسوس جو دمشق جاتے ہوئے محافظوں کی حراست سے بھاگ گیا تھا۔ اُس نے گھوڑے سے اُتر کر برچھی سے سر اُتارا اور سلطان ایوبی کے قدموں میں پھینک کر کہا۔ "میں آپ کا مفرور قیدی ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے بخش دیں، میں گناہوں کا کفارہ ادا کردوں گا۔ آپ نے میری عرض نہ مانی۔ میں نے راستے میں سوچا کہ مجھے جاسوس، باپ نے بنایا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کیا ہے۔ میں صرف اس کام کے لیے بھاگا تھا۔ میں حلب گیا۔ اپنے باپ کو قتل کیا اور اُس کا سر کاٹ کرلے آیا ہوں۔ اگر اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہوتا تو مجھے پھر قید کرلیں اور اسی طرح میرا سر کاٹ کر پھینک دیں۔"

سلطان ایوبی نے اُسے حسن بن عبداللہ کے حوالے کردیا اور کہا۔ "اسے اگر قابلِ اعتماد سمجھا جاسکتا ہے تو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اس نے میرے ایک سوال کا جواب دے دیا ہے۔ میں آج تک سوچتا رہا ہوں کہ دشمن کا جاسوس پوری معلومات لے گیا تھا، پھر بھی دشمن میرے پھندے میں آگیا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ یہ خبر دینے نہیں بلکہ اپنے باپ کو قتل کرنے گیا تھا۔"

اس سے اگلے دن سلطان ایوبی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ باہر بہت سے آدمیوں کی باتوں سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ باہر کوئی جھگڑا ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے دربان کو اندر بلا کر پوچھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ دربان نے بتایا کہ نو آدمی آپ کے محافظ دستے کی وردیاں پہنے اور آپ کا جھنڈا اٹھائے آئے ہیں۔ کہتے ہیں وہ دمشق سے آئے ہیں۔ یہ رضاکارانہ آپ کے محافظ دستے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں روکا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ اتنی دور سے عقیدت اور جذبے سے آئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

یہ شیخ سنان اور گمشتگین کے بھیجے ہوئے فدائی قاتل (حشیشین) تھے۔ اُن کی چال کامیاب ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے دربان سے کہہ دیا کہ انہیں اندر بھیج دو۔ اُن سے برچھیاں باہر رکھوالی گئیں۔ وہ خیمے میں گئے اور فوراً ہی انہوں نے خنجر اور تلواریں نکال لیں۔ سلطان ایوبی کے دو محافظ بھی ان کے ساتھ اندر آگئے تھے۔ ایک فدائی نے سلطان ایوبی پر حملہ کیا۔ سلطان نے پھرتی سے حملہ روک لیا اور اپنی تلوار اٹھالی۔ پہلے ہی وار سے اُس نے حملہ آور کا پیٹ چاک کردیا۔ خیمے میں جگہ تھوڑی تھی۔ دوسرے فدائیوں نے بھی سلطان ایوبی پر حملے کیے۔ دونوں محافظوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ باہر سے دوسرے محافظ بھی آگئے۔

خیمے کے اندر تلواریں اور خنجر ٹکرانے لگے۔ باڈی گارڈوں نے قاتلوں کو اپنے ساتھ اُلجھا لیا۔ وہ خیمے



سے باہر آگئے۔ سلطان ایوبی کی لمبی تلوار نے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ فدائیوں میں سے پانچ جو مارے گئے باقی بھاگنے لگے۔ انہیں زندہ پکڑ لیا گیا۔ خیمے کے اندر سے ایک فدائی نکلا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی کی اُدھر پیٹھ تھی۔ زخمی فدائی نے پیچھے سے سلطان پر حملہ کیا۔ ایک باڈی گارڈ نے بروقت دیکھ لیا۔ وہ چلایا۔ "سلطان پیچھے" اور حملہ آور کی طرف دوڑا۔ سلطان ایوبی فوراً بیٹھ گیا۔ قاتل کی تلوار ہوا کو کاٹتی سلطان کے اُوپر سے گزر گئی۔ باڈی گارڈ نے فدائی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ وہ تو پہلے ہی زخموں سے مر رہا تھا۔ وہ گرا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی اس حملے سے بھی بال بال بچ گیا۔

بعض یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی پر یہ قاتلانہ حملہ کرنے والے اُس کے اپنے باڈی گارڈ تھے جو ایک عرصے سے اُس کے ساتھ تھے، لیکن اُس دور کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے شکوک رفع ہوجاتے ہیں۔ بہاؤالدین شدّاد نے اور ایک مصری وقائع نگار محمد فریا ابو حدید نے لکھا ہے کہ یہ شیخ سنان کے بھیجے ہوئے نو فدائی تھے جو حلف اُٹھا کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کریں گے ورنہ زندہ نہیں لوٹیں گے۔ وہ سلطان ایوبی کو تو قتل نہ کرسکے البتہ اُن میں سے زندہ کوئی بھی نہ لوٹا۔ جو زندہ رہے انہیں سزائے موت دے دی گئی۔ ☆ ☆

# قوم کی نظروں سے دُور

کسی سپاہی کی بہادری کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک سالار کہانے کے بعد کی محفل میں کسی معرکے کی باتیں کر رہا تھا۔ ایک سپاہی کی بہادری کا ذکر آگیا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن تاریخ میں نام آئے گا تو وہ آپ کا اور میرا ہوگا۔ تاریخ لکھنے والوں کی یہ بے انصافی ہے کہ وہ بادشاہوں، سلطانوں اور سالاروں سے نیچے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن فتح کا سہرا ہمیشہ سپاہیوں کے سر ہوتا ہے۔ ہمارے چھاپہ مار جانباز دشمن کے پاس جا کر اس کے دوست بن جائیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ معرکوں میں سپاہی لڑنے کی بجائے اپنی جان کی فکر زیادہ کریں تو آپ فتح کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ تاریخ میں ہمارے ان سپاہیوں کا ذکر ضرور آئے جو اکیلے اکیلے دس دس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ یہ سپاہی جب کبھی ہاریں گے تو میری اور آپ کی نالائقی کی وجہ سے ہاریں گے یا انہیں وہ غدّار اور ایمان فروش شکست دیں گے جو ہماری صفوں میں موجود ہیں۔"

"خدا نے ہمیں کس گناہ کی سزا دی ہے کہ ہم میں غدّار پیدا کر دیے ہیں"۔ محفل میں کسی نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں عالم نہیں کہ اس سوال کا جواب دے سکوں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "شاید خدائے ذوالجلال نے غدّاروں کی صورت میں ہم پر یہ خطرہ مستقل طور پر سوار کر دیا ہے کہ ہم ہر لمحہ چوکس اور چوکنے رہیں اور ایک کے بعد دوسری فتح حاصل کرتے کرتے مغرور نہ ہو جائیں.... خدا کی باتیں خدا ہی جانتے۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایمان فروشی کسی دور میں اسلام کے وقار کو لے ڈوبے گی۔ آپ صلیبیوں کے اس عزم سے بے خبر تو نہیں کہ ان کی جنگ آپ کے نہیں اسلام کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک صلیب زندہ ہے چاند ستارے کے پرچم کے خلاف برسرِ پیکار رہے گی۔ وہ اپنی آنے والی نسلوں کے لیے یہی عزم ورثے کے طور پر چھوڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے ان سپاہیوں کے کارنامے قلمبند کر لیں جو شمالی مصر کے صحراؤں میں بھی لڑے اور حماۃ کی برف پوش وادیوں میں بھی۔ ان چھاپہ ماروں کے بھی تذکرے قلمبند کر لیں جو دشمن کی صفوں کے عقب میں چلے جاتے اور اتنی تباہی پھیلاتے ہیں جو پوری فوج بھی نہیں مچا سکتی۔ ان میں سے کتنے زندہ واپس آتے ہیں؟.... دس میں سے ایک۔ وہ بھی زخمی۔"

"ہاں سلطانِ محترم!"۔ سالار نے کہا۔ "یہ ایک قیمتی ورثہ ہے جو ہم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑیں گے

قومیں شجاعت کی روایات سے زندہ رہتی ہیں۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ ہمارے بعض سپاہی ملک سے دُور، قوم کی نظروں سے دُور ایسی جنگ لڑتے ہیں جن کا انہیں ہماری طرف سے حکم ہی نہیں ملتا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "ان لوگوں پر اپنے مذہب کے وقار کا جنون سوار ہوتا ہے۔ ان کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی، کوئی ذات نہیں ہوتی۔ وہ دشمن کے قبضے میں ہوتے ہیں تو بھی سرکش اور آزاد رہتے ہیں۔ قوم کو جب فتح حاصل ہوتی ہے تو قوم ان سے ناواقف رہتی ہے جو پردوں کے پیچھے عجیب و غریب طریقوں سے جنگ لڑتے اور قوم کا نام روشن کرتے ہیں۔"

اس دَور کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے ہی چند ایک سپاہیوں کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر سلطان ایوبی کر رہا تھا۔ ایک کا نام عمرو درویش تھا۔ وہ سوڈانی مسلمان تھا۔ اس سلسلے کی کہانیوں میں جو آپ کو سنائی جا چکی ہیں آپ نے پڑھا ہو گا کہ سلطان ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر فوج کشی کی تھی مگر دشمن کے دھوکے میں آ کر سوڈان کے صحرا میں اتنی دُور نکل گیا جہاں تک رسد کا سلسلہ قائم رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ دشمن نے رسد کے راستے روک لیے اور تقی الدین کی فوج کو صحرا میں بکھیر کر جمعیت اور مرکزیت ختم کر دی تھی۔ اسلامی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ پیش قدمی کی تو اُمید ہی ختم ہو گئی تھی۔ پسپائی بھی ممکن نہیں رہی تھی۔ جنگی قیدی بہت ہوئے تھے جن میں تقی الدین کے دو تین نائب سالار اور کماندار بھی تھے۔

ان قیدیوں میں مصریوں اور [illegible] کی تعداد زیادہ تھی۔ ان میں کچھ سوڈانی مسلمان بھی تھے۔ سلطان ایوبی نے اپنی جنگی سوجھ بوجھ اور غیر معمولی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے تقی الدین کی بکھری ہوئی فوج کو سوڈان سے نکالا تھا۔ اس کے بعد اس نے سوڈانیوں کے پاس اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے تھے کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ سوڈانیوں نے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کا کوئی قیدی سلطان ایوبی کی فوج کے پاس نہیں تھا۔ سوڈانیوں نے جنگی قیدیوں کے عوض مصر کے کچھ علاقے کا مطالبہ کیا تھا۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا تھا — "تم مجھے، میری بیوی اور میرے بچوں کو سُولی پر کھڑا کر دو، میں تمہیں سلطنتِ اسلامیہ کی ایک اِنچ جگہ نہیں دوں گا۔ میرے سپاہی غیرت والے ہیں۔ اپنی قوم کے وقار کے لیے جانیں قربان کرنا جانتے ہیں۔"

اس کے بعد سوڈانی حکومت نے مصر پر حبشیوں سے حملہ کرایا تھا جن میں سے کوئی ایک بھی واپس نہیں جا سکا تھا۔ جو زندہ رہے وہ قید میں ڈال دیئے گئے تھے۔ توقع تھی کہ سوڈانی ان کی رہائی کا مطالبہ کریں گے لیکن انہوں نے کوئی ایلچی نہ بھیجا۔ وہ ان حبشیوں کو دھوکے میں مصر میں لائے تھے۔ یہ ان کی باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے ان حبشی قیدیوں کی مزدور فوج بنائی تھی۔ مصر میں ان سے کھدائی، بار برداری اور اس قسم کے دوسرے کام لیے جاتے تھے۔

سوڈان والے سلطان ایوبی کی فوج کے جنگی قیدیوں کو دراصل اس وجہ سے نہیں چھوڑ رہے تھے کہ انہیں وہ سوڈانی فوج میں شامل ہو جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر تھے.... وہی سوڈانیوں کو سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ انہی کا تھا کہ مصری فوج کے قیدیوں کو بہلا



پھسلا کر سوڈانی فوج میں شامل کر لیا جائے۔ تاریخ اور اُس دَور کی تحریریں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے کتنے مسلمان سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا۔ البتہ یہ شہادت مل گئی تھی کہ سوڈانیوں کا پیار اور محبت کا اور اچھے سلوک کا حربہ جس پر بھی ناکام ثابت ہُوا اُسے انہوں نے بے رحمی سے اذیتیں دیں اور تڑپا تڑپا کر مارا۔

ان قیدیوں میں اسحاق نام کا ایک عہدیدار تھا جو سلطان ایوبی کی فوج کے کسی دستے کا کماندار تھا۔ وہ سوڈان کا رہنے والا تھا اور نوجوانی میں مصری فوج میں شامل ہُوا تھا۔ سوڈان کے ایک پہاڑی علاقے میں وہاں کے مسلمان آباد تھے جن کی تعداد چار یا پانچ ہزار کے درمیان تھی۔ ان کے مختلف قبیلے تھے لیکن اسلام نے ان میں اتحاد پیدا کر رکھا تھا۔ تمام قبیلوں کے سرداروں نے ایک کمیٹی سی بنا رکھی تھی۔ تمام قبیلے اس کے احکام اور فیصلوں کی پابندی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے روایت بنا رکھی تھی کہ مصری فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے۔ سوڈانی فوج میں شمولیت سے گریز کرتے تھے۔ وہ جنگجو بھی تھے اور خونخوار بھی۔ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ سوڈانی فوج اور حکومت نے انہیں بہت لالچ دیئے تھے۔ انہیں جنگ کے ذریعے ختم کرنے کی دھمکی بھی دی تھی لیکن ان مسلمان قبائل کو پہاڑیوں کا فائدہ حاصل تھا۔ دو بار ان پر سوڈانی فوج نے حملہ کیا لیکن مسلمان تیر اندازوں نے چٹانوں کی چوٹیوں سے وہ تیر برسائے کہ سوڈانیوں کے گھوڑے تیر کھا کر اپنے پیادہ سپاہیوں کو کچلتے بھاگ گئے۔

☆

تقی الدین کی جنگی لغزش سے سوڈان والوں کے ہاتھوں جہاں مصر کی بہت سی فوج قید ہو گئی تھی وہاں ایک کماندار اسحاق بھی تھا۔ اپنے قبیلوں پر اس کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ جنگی قید میں سوڈانیوں نے اُسے کہا کہ اگر وہ اپنے مسلمان قبیلوں کو سوڈان کی فوج میں شامل ہونے پر راضی کرے تو اسے نہ صرف رہا کر دیا جائے گا بلکہ جس پہاڑی علاقے میں مسلمان آباد ہیں، اس تمام علاقے کی الگ ریاست بنا کر اُسے اس کا امیر یا سلطان بنا دیا جائے گا۔

"میں اس ریاست کا پہلے ہی سلطان ہُوں" — اسحاق نے جواب دیا — "یہ ہماری آزاد ریاست ہے"

"وہ سوڈان کا علاقہ ہے" — اُسے کہا گیا — "ہم کسی بھی روز وہاں کے لوگوں کو قید کر لیں گے یا تباہ کر دیں گے۔"

"تم پہلے اس علاقے پر قبضہ کرو" — اسحاق نے کہا — "وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرو۔ تم انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکو گے۔ اس علاقے میں اپنا جھنڈا جا کر دکھا دو، پھر میں انہیں تمہاری فوج میں شامل ہونے پر راضی کر لوں گا۔"

اسحاق کو قید خانے میں رکھنے کی بجائے ایک خوشنما کمرے میں رکھا گیا جو کسی شہزادے کا محل معلوم ہوتا تھا۔ ایک سوڈانی سالار نے اُسے اس کمرے میں داخل کر کے اپنی تلوار دونوں ہاتھوں میں لے کر اور دو زانو ہو کر اُسے پیش کی اور کہا — "ہم آپ جیسے جنگجو کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ آپ ہمارے قیدی نہیں مہمان ہیں۔"

"میں آپ کی تلوار قبول نہیں کروں گا" — اسحاق نے کہا — "میں مہمان نہیں قیدی ہوں۔ میں نے شکست کھائی ہے۔ میں آپ سے تلوار اسی طرح لوں گا جس طرح آپ نے مجھ سے لی ہے۔ تلوار تلوار کے زور سے لی

جاتی ہے۔"

"مگر ہم آپ کے دشمن نہیں"۔۔۔ سوڈانی سالار نے کہا۔

"تلواروں کا تبادلہ اتنے خوبصورت کرتے ہیں تمہیں

"میں آپ کا دشمن ہوں"۔ اسحاق نے مسکرا کر کہا۔۔۔

میدانِ جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اتنی عزت کی۔"

"ہم اس سے زیادہ عزت کریں گے"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "آپ کی مسند خرطوم کے تخت کے ساتھ رکھی جائے گی۔"

"اور روزِ محشر میری مسند دوزخ کے تہہ خانے میں رکھی جائے گی"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "کیونکہ میں نے دنیا میں مسند تخت کے ساتھ رکھی تھی۔"

"میں دُنیا کی بات کر رہا ہوں۔"

"مگر مسلمان آخرت کی بات کیا کرتا ہے۔ جب ہم سب اپنے اعمال نامے خدا کے حضور پیش کریں گے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "مجھے یہ بتائیں کہ آپ کے بعد کون آئے گا اور کیا تحفہ لائے گا؟"

سوڈانی سالار نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "اب کوئی بھی آئے مجھے کیا۔ میں سپاہی ہوں۔ آپ بھی سپاہی ہیں۔ میں نے آپ کی سپاہیانہ شان کو خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔ آپ نے میرا دل توڑ دیا۔"

"آپ نے میری سپاہیانہ شان دیکھی ہی کب ہے؟"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "مجھے تو لڑنے کا موقعہ ملا ہی نہیں۔ میرا دستہ صحرا کے ایک ایسے حصے میں جا پھنسا جہاں پانی کی بوند نظر نہیں آتی تھی۔ تین چار دنوں میں صحرا نے میرے پیادوں، سواروں اور گھوڑوں کو مُردوں میں بدل دیا۔ سپاہی اور سوار زبانیں باہر نکالے پانی ڈھونڈنے لگے۔ آپ کے ایک دستے نے حملہ کر دیا اور ہم پکڑے گئے۔ ہمیں صحرا نے شکست دی ہے۔ آپ نے میری تلوار کے جوہر کہاں دیکھے ہیں کہ مجھے خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں؟"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ بہادر ہیں"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"سنی سنائی پر یقین نہ کریں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "کل صبح ایک تلوار مجھے دیں، ایک آپ لیں اور میرے مقابلے میں آئیں۔ مجھے امید ہے کہ میں آپ کی تلوار قبول کر لوں گا مگر اس وقت آپ زندہ نہیں ہوں گے۔"

سالار کچھ اور کہنے لگا تھا کہ اسحاق نے کہا۔۔۔ "غور سے سُن لو محترم سالار! مجھے تم لوگ کل جو قید خانے میں ڈال دو گے، ابھی ڈال دو۔ میں اتنی خوبصورت قید سے مغرور ہو کر اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔"

"قید خانے کی غلاظت کی بجائے آپ اس دل نشیں ماحول میں بہتر طریقے سے سوچ سکیں گے"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "میں اُمید رکھوں گا کہ آپ کے سامنے جو شرط پیش کی گئی ہے، اس پر آپ غور کریں گے۔ مجھے ایک سپاہی بھائی سمجھ کر میرا یہ مشورہ قبول کر لیں کہ اپنا مستقبل تاریک نہ کریں۔ خدا نے آپ کی قسمت میں بادشاہی لکھ دی ہے۔ اس پر لکیر نہ پھیریں۔"

"میرے خدا نے میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "اور



تمہارے خدا نے جو کچھ لکھا ہے میں اسے بھی جانتا ہوں۔۔۔ تم جاؤ مجھے سوچنے دو۔"

سالار چلا گیا تو کھانا آ گیا۔ کھانا لانے والی تین لڑکیاں تھیں۔ جوان اور بہت ہی خوبصورت۔ وہ نیم عریاں بھی تھیں۔ کھانے کی اقسام ایسی جو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھیں۔ کھانے کے ساتھ خوشنما صراحیوں میں شراب بھی تھی۔ اسحاق نے ضرورت کے مطابق کھایا اور پانی پی لیا۔ دسترخوان سمیٹ لیا گیا اور ایک لڑکی اُس کے پاس آ گئی۔ اسحاق اُسے دیکھتا رہا اور اس کی ہنسی نکل گئی جس میں طنز تھی۔

"کیا آپ نے مجھے پسند نہیں کیا؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میں نے تم جیسی بدصورت لڑکی پہلی بار دیکھی ہے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔

لڑکی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ تو بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اسحاق نے اس کی حیرت بھانپتے ہوئے کہا۔۔۔ "حُسن حیا میں ہوتا ہے۔ عورت عریاں ہو جائے تو اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ عریانی نے تمہارا طلسم توڑ دیا ہے۔ میں اب تمہارے قبضے میں نہیں آ سکوں گا۔"

"کیا آپ نے مجھے دیکھ کر بھی میری ضرورت محسوس نہیں کی؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میرے جسم کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میری رُوح کی ایک ضرورت ہے جو تم پوری نہیں کر سکو گی۔ تم جاؤ۔"

"لیکن میرے لیے حکم ہے کہ آپ کے پاس رہوں"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "اگر میں نے حکم کے خلاف کوئی کام کیا تو مجھے سزا کے طور پر وحشی حبشیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"دیکھو لڑکی!"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ کچھ اور ہے۔ میں تمہیں اس کمرے میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر تم اس کمرے میں رات بسر کرنے کا حکم لے کے آئی ہو تو یہیں رہو اور میں باہر سو جاؤں گا۔"

"یہ بھی میرا جرم ہو گا"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "آپ مجھے اس کمرے میں رہنے دیں۔ مجھ پر رحم کریں"۔۔۔ لڑکی نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص پتھر ہے۔ اُس نے اسحاق کی منت سماجت شروع کر دی۔

"تمہارا کام کیا ہے؟"۔۔۔ اسحاق نے پوچھا۔۔۔ "کس مقصد کے لیے تمہیں میرے پاس بھیجا گیا ہے؟ مجھے اپنا مقصد بتا دو تو اس کمرے میں رہنے دوں گا۔"

"میرا کام یہ ہے کہ آپ جیسے مردوں کو موم کروں"۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ میں نے مذہب کے شیدائیوں کو اپنا گرویدہ بنایا اور انہیں سوڈان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔۔۔ "کیا واقعی آپ نے مجھے بدصورت سمجھا ہے یا مذاق کیا تھا؟"

"تم جسے خوشبو کہتی ہو وہ میرے لیے بدبُو ہے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میری نظر میں تم واقعی بدصورت ہو۔۔۔۔ جہاں سونا چاہتی ہو سو جاؤ۔ پلنگ پر سو جاؤ، میں فرش پر سو جاؤں گا۔"

لڑکی فرش پر لیٹ گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟"۔۔۔ اسحاق نے پوچھا۔

"آشی۔"

"اور تمہارا مذہب؟"

"میرا کوئی مذہب نہیں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟"

"معلوم نہیں۔" — لڑکی نے کہا۔

اسحاق پر نیند کا غلبہ ہونے لگا اور ذرا سی دیر میں اس کے خراٹے سنائی دینے لگے۔

☆

"اس شخص کے ساتھ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔" — اس لڑکی نے کہا جس نے رات اسحاق کو اپنا نام آشی بتایا تھا۔ اس کے سامنے سوڈانی فوج کے اعلیٰ افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ آشی نے کہا — "اس شخص کے اندر جذبات نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیسے کیسے پتھر موم کیے ہیں مگر اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

"معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی کوتاہی کی ہے" — ایک افسر نے کہا۔

لڑکی نے پوری تفصیل سنائی کہ اس نے اسحاق کو کیسے کیسے طریقوں سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی مگر وہ شخص پتھر تھا یا اسے خاموشی سے دیکھتا رہتا تھا۔ ذرا دیر بعد سو جاتا تھا۔

چار پانچ دن سوڈانی حکام اسحاق کو اپنی بات پر لانے کی کوشش کرتے رہے۔ راتوں کو اس پر بڑے بڑے حسین طلسم طاری کرنے کے جتن کیے گئے مگر اسحاق نے بات یہیں پر ختم کی کہ میں مصری فوج کے ایک دستے کا کمانڈر ہوں، مسلمان ہوں اور قیدی ہوں۔

آخر اسے محل سے نکال کر قید خانے میں لے گئے اور ایک تنگ سی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ سلاخوں والے دروازے پر قفل چڑھا دیا گیا۔ کوٹھڑی میں ایسی بدبو تھی کہ دماغ پھٹا جاتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ایک سپاہی دیا لے آیا جو اس نے سلاخوں میں سے اسحاق کو دے دیا۔ اسحاق نے دیا فرش پر رکھا تو اسے کوٹھڑی میں ایک لاش پڑی نظر آئی جو خراب ہو رہی تھی۔ لاش کا منہ کھلا ہوا اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ لاش سوج گئی تھی۔ اسحاق نے قید خانے کے سپاہی کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ یہ کس کی لاش ہے۔

"تمہارا ہی کوئی دوست ہوگا۔" سپاہی نے جواب دیا — "کوئی مصری تھا۔ جنگ میں پکڑا گیا تھا۔ اسے بہت اذیتیں دی گئی تھیں۔ پانچ چھ دن ہوئے کوٹھڑی میں مر گیا۔"

"لاش یہاں کیوں پڑی ہے؟" اسحاق نے پوچھا۔

"تمہارے لیے۔" سپاہی نے طنزیہ کہا — "اسے اٹھا لیا تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔" سپاہی ہنستا ہوا چلا گیا۔

اسحاق نے دیا اوپر کر کے لاش کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کپڑوں سے اس نے پہچان لیا کہ مصری فوج کا آدمی تھا۔ اسحاق نے کوٹھڑی میں جو بدبو محسوس کی تھی وہ غائب ہو گئی۔ اس نے سوجی ہوئی لاش کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا اور کہا — "تمہارا جسم گل جائے گا، روح زندہ رہے گی۔ تم نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ تم مجھ سے بہتر ہو۔



تم زندہ ہو۔ زندہ رہو گے۔ سپاہی ٹھیک کہہ گیا ہے۔ تم نہ ہوتے تو میں اکیلا رہ جاتا۔"

وہ بہت دیر اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور لاش کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح اسے جگایا گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہی سوڈانی سالار کھڑا تھا جس نے اسے تلوار پیش کی تھی۔ سالار نے کہا — "کسی چیز کی ضرورت ہو تو حاضر کروں۔"

"میں نے تمہارے پیسے کو پہچان لیا ہے۔" اسحاق نے کہا — "میں ادا ہوا ہوں۔ تم مجھے غلط سمجھے ہو۔ اگر تم واقعی میری کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہو تو میدان جنگ سے تمہیں مصر کے پرچم بھی ملے ہوں گے۔ ایک پرچم لا دو۔ میں اس لاش پر ڈالنا چاہتا ہوں۔"

سالار نے قہقہہ لگا کر کہا — "کیا تمہارے پرچم کو ہم نے سینے سے لگا رکھا ہوگا؟ ہم نے مصر کی چیز کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کیا۔" اس نے سپاہی سے کہا — "اسے باہر نکالو اور میرے ساتھ لے چلو۔ لاش یہیں رہنے دو۔"

اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں لے گئے۔ وہاں ایسی بدبو تھی جیسے بے شمار لاشیں پڑی ہوں۔ سوڈانی سالار آگے آگے تھا۔ ایک جگہ چھ سات مصری الٹے لٹکے ہوئے تھے اور ان کے بازوؤں کے ساتھ وزن بندھا ہوا تھا۔ آگے ایک آدمی کو بہت بڑی صلیب کے ساتھ اس طرح لٹکایا ہوا تھا کہ اس کی ہتھیلیوں میں ایک ایک کیل گڑا ہوا تھا۔ خون ٹپک رہا تھا۔ ایک جگہ ایک چوڑا اور بہت بڑا پہیہ تھا۔ اس پر ایک آدمی پیٹھ کے بل اس طرح بندھا تھا کہ ٹخنوں سے زنجیریں بندھی تھیں جو فرش میں ٹھونکی ہوئی تھیں۔ ہاتھ اوپر کر کے پہیے کے ساتھ بندھے تھے۔ ایک آدمی پہیے کو ذرا سا چلاتا تو اس آدمی کے بازو اور ٹانگیں اوپر اور نیچے کو کھینچی جاتی تھیں۔ وہ درد سے چیختا تھا۔

اسحاق کو تہہ خانے میں گھما پھرا کر دکھایا گیا کہ یہاں کیسی کیسی اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ جگہ جگہ خون تھا۔ بعض قیدی نزع کر رہے تھے اور چند ایک بے ہوش پڑے تھے۔ اذیت کا ہر ایک طریقہ دکھا کر سوڈانی سالار نے اسحاق سے پوچھا — "آپ کو جو طریقہ پسند ہو وہ بتا دیں۔ ہم آپ کو وہاں لے چلتے ہیں۔ اگر آپ اس کے بغیر ہی ہماری بات مان جائیں تو آپ کا ہی بھلا ہوگا۔"

"جہاں جی چاہے لے چلو، قوم سے غداری نہیں کروں گا۔" اسحاق نے کہا۔

"میں ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ ہم تم سے کیا کروانا چاہتے ہیں۔" سالار نے کہا — "تمہیں کہا گیا تھا کہ تم مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں لے آؤ۔ اس کے عوض تمہیں رہا بھی کیا جائے گا اور مسلمان قبیلوں کے علاقے کا امیر بنا دیا جائے گا۔ اب تم اپنا یہ حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ہماری شرط یہی ہے مگر تمہیں یہ انعام دیا جائے گا کہ کوئی اذیت نہیں دی جائے گی اور تمہیں سوڈانی فوج میں اچھا عہدہ دیا جائے گا۔"

"عہدے کی بجائے مجھے کسی بھی اذیت میں ڈال دو۔" اسحاق نے کہا۔

اسے اس طرح الٹا لٹکا دیا گیا کہ ٹخنوں سے زنجیریں ڈال کر چھت سے باندھ دیا گیا۔ سالار نے سپاہیوں سے کہا — "شام تک اسے یہیں رہنے دو۔ شام کے وقت اسے لاش والی کوٹھڑی میں پھینک دینا۔ اسے بھوکا

اس کا دماغ صاف ہو جائے گا۔"

☆

شام تک وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ہوش میں آیا تو وہ لاش کے پاس پڑا تھا۔ ایک کونے میں تھوڑا سا پانی اور کچھ کھانا رکھا تھا۔ اس نے پانی پیا اور کھانا کھا لیا۔ اُس نے لاش سے کہا۔ "میں تمہاری رُوح کے ساتھ دھوکا نہیں کروں گا۔ میں جلدی تمہارے پاس آ رہا ہوں"۔ باتیں کرتے کرتے اُس کی آنکھ لگ گئی۔

آدھی رات کے وقت اُسے پھر جگایا گیا اور پہیّے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ سوڈانی سالار موجود تھا۔ اُس نے کہا۔ "ہزاروں مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ تم اسلام کے لئے قربانی دے رہے ہو لیکن صلاح الدین ایوبی اپنی بادشاہی کو آدھی دنیا پر پھیلانے کے لئے تم جیسے پاگلوں کو مروا رہا ہے۔ وہ بدبخت شراب بھی پیتا ہے اور اُس نے پریوں جیسی لڑکیوں سے حرم بھر رکھا ہے اور تم ہو کہ اُس کے نام پر مرتے ہو۔"

"سالارِ محترم!" اسحاق نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے مذہب کے امیر اور سلطان کے خلاف جھوٹ بولنے سے روک نہیں سکتا، اور تم مجھے اپنے عقیدے پر جان قربان کرنے سے روک نہیں سکتے۔ میری قوم کے کسی بھی قبیلے کا کوئی ایک بھی مسلمان تمہاری فوج میں شامل نہیں ہوگا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اُٹھائے گا۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ عرب میں مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔" سوڈانی سالار نے کہا۔ "صلیبی فلسطین میں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ تمام امیروں اور مسلمان حکمرانوں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔"

"انہوں نے کر دی ہوگی۔" اسحاق نے کہا۔ "میں نہیں کروں گا۔ جنہوں نے بغاوت کی ہے وہ اِس دنیا میں بھی سزا بھگتیں گے، اگلے جہان میں بھی۔ ... تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرو اور کسی دوسرے سوڈانی مسلمان کو پکڑو۔ شاید وہ تمہارا کام کر دے۔"

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم صرف اشارہ کر دو تو تمام مسلمان ہمارے ساتھ ہوں گے۔" سالار نے کہا۔ "ہم تم سے یہ کام مفت نہیں کرانا چاہتے۔ تمہاری قسمت بدل دیں گے۔"

"میں آخری بار کہتا ہوں کہ میں اپنی قوم کو نہیں بیچوں گا نہیں"۔ اسحاق نے کہا۔

وہ پہیّے کے ساتھ بندھا ہُوا تھا۔ نیچے ٹخنے فرش کے ساتھ، اوپر کلائیاں پہیّے کے ساتھ۔ تین چار حبشی اُس لمبے کھمبے کے ساتھ کھڑے تھے جسے دھکیلنے سے پہیّہ حرکت میں آتا تھا۔ سوڈانی سالار نے اشارہ کیا تو حبشیوں نے کھمبے کو ایک قدم دھکیلا۔ رہٹ کی طرح پہیّہ چلا، اسحاق کا جسم اوپر اور نیچے کو کھچنے لگا۔ اُس کے بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہونے لگیں۔ اُس کے جسم سے پسینہ اس طرح پھوٹا جیسے کسی نے اُس پر پانی انڈیل دیا ہو۔

"اب سوچو اور جواب دو۔" اُس کے کانوں میں سوڈانی سالار کی آواز پڑی۔

"ایمان نہیں بیچوں گا۔" اسحاق نے کراہتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پہیّہ اور آگے چلایا گیا۔ اُس کی کھال پھٹنے لگی۔



"اب اچھی طرح سوچ سکو گے۔"

"میری لاش بھی یہی جواب دے گی۔ اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔" اسحاق نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے منہ سے نکالے۔

"اسے کچھ دیر یہیں رہنے دو۔" سالار نے حکم دیا۔ "مان جائے گا۔"

اسحاق نے قرآن کی آیات کا ورد شروع کر دیا۔ سالار چلا گیا۔ اسحاق کے جسم کے جوڑ کھل رہے تھے۔ کھال جیسے اُتاری جا رہی تھی۔ اُس کا منہ آسمان کی طرف تھا۔ اُس نے تصوّر میں خدا کو اپنے سامنے دیکھا اور کہا۔ "خدائے دو عالم! میں گناہگار ہوں تو مجھے اور زیادہ سزا دو۔ میں آپ کی راہ میں سچا ہوں تو مجھے سکون عطا کرو۔ میں آپ کے حضور شرمسار نہیں ہونا چاہتا"۔ اس نے آنکھیں بند کر کے آیات کا ورد شروع کر دیا۔

"تم چیختے کیوں نہیں؟" اُس کے پاس قید خانے کا جو سپاہی کھڑا تھا اُس نے کہا۔ "زور زور سے چیخو۔ اس سے تکلیف ذرا کم ہو جاتی ہے۔"

"میں تکلیف میں نہیں ہوں۔" اسحاق نے کہا۔ "پہیّہ اور آگے کر دو۔"

قید خانے کے سپاہی درندے تھے۔ اس سپاہی نے حبشیوں سے کہا کہ پہیّہ ذرا اور چلائیں۔ حبشیوں نے دھکا لگایا تو پہیّہ اور آگے چلا گیا۔ اسحاق کے جسم سے کڑاک کڑاک کی آوازیں نکلیں۔ ایک اور سپاہی دوڑتا آیا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "تمہیں کس نے کہا ہے کہ پہیّہ چلاؤ۔ یہ مر جائے گا۔ اسے ابھی زندہ رکھنا ہے"۔ پہیّہ ذرا پیچھے کر دیا گیا۔

"یہ کہتا ہے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔" سپاہی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"تم ہوش میں ہو؟" سپاہی نے اسحاق سے پوچھا۔ "تم کیا بول رہے ہو؟"

"بے ہوشی میں بول رہا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "تم نے پہیّہ جہاں تک پہنچا دیا تھا وہاں انسان مر جاتا ہے۔ یہ ہوش میں نہیں ہو سکتا۔"

"میں ہوش میں ہوں دوستو!" اسحاق کی نحیف آواز سنائی دی۔ "میں اپنے خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔"

دونوں سپاہیوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ ایک نے کہا۔ "یہ اتنا طاقتور تو نہیں لگتا۔ اس حالت میں تو بھینسوں جیسے وحشی حبشی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی عامل ہوگا۔ اس کے پاس خدا کی طاقت ہے۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" اسحاق نے کہا۔ "میرے پاس خدا کی طاقت ہے۔ میں خدا کا کلام پڑھ رہا ہوں۔ پہیّے کو پورا چکر دے کر دیکھو۔ میرا جسم دو حصوں میں کٹ جائے گا۔ دونوں حصوں سے یہی آواز آئے گی جو تم سن رہے ہو۔"

وہ گنوار سپاہی تھے۔ توہم پرستی اُن کا مذہب تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھے۔ پیروں فقیروں اور مجذوبوں کو خدا سمجھتے تھے۔ بتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اس پہیّے کو (جسے چکر شکنجہ کہتے تھے) وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے ساتھ بندھا ہُوا انسان پہیّے کی ذرا سی حرکت پر چیخ اٹھتا اور ہر بات مان لیتا تھا۔ ذرا مزید حرکت سے بے ہوش ہو جاتا اور کچھ دیر بعد مر جاتا تھا لیکن اسحاق پہیّے کے آخری نشان تک زندہ ہی نہ رہا، ہوش میں رہا۔ سپاہی جان گئے کہ یہ آدمی عام قسم کا انسان نہیں۔

"تم آسمانوں کا حال جانتے ہو؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

"میرا خدا جانتا ہے۔" اسحاق نے جواب دیا۔

"تمہارا خدا کہاں ہے؟"

"میرے دل میں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "وہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتا۔"

"ہم غریب لوگ ہیں۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "یہاں تم جیسے انسانوں کی ہڈیاں توڑ کر بال بچوں کو روٹی کھلاتے ہیں۔ تم ہماری قسمت بدل سکتے ہو؟"

"باہر جا کر۔" اسحاق نے کہا۔ "میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں وہ تمہیں بتا دوں گا۔ تمہاری قسمت بدل جائے گی۔"

"ہم پہیہ پیچھے کر دیتے ہیں۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "سالار کو آتا دیکھیں گے تو اوپر کر دیں گے۔"

"نہیں!" اسحاق نے کہا۔ "میں تمہیں یہ بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ یہی میری طاقت ہے۔ اسے ہم ایمان کہتے ہیں۔"

"ہم تمہاری مدد کریں گے۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "جب کہو گے جو کہو گے ہم کریں گے۔ اگر ہو سکا تو تمہیں قید خانے سے نکال دیں گے۔"

☆

سالار آگیا۔

"کیوں بھائی؟" اُس نے اسحاق سے پوچھا۔ "ہوش میں ہو؟"

"میرے اللہ نے مجھے بے ہوش نہیں ہونے دیا۔" اسحاق نے جواب دیا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اسحاق نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اُس کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا ہے اور اس کا آخری وقت آگیا ہے۔ اُس نے کراہتی ہوئی آواز میں کلام پاک کا ورد اور زیادہ بلند آواز سے شروع کر دیا۔ پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اُس کے جسم سے ایسی آوازیں آئیں جیسے جوڑ ٹوٹ رہے ہوں۔

"خوش نہ ہو کہ ہم تمہیں جان سے مار دیں گے۔" سوڈانی سالار نے کہا۔ "تم زندہ رہو گے اور تمہارے ساتھ ہر روز یہی سلوک ہوگا۔ ہم تمہاری جان لے کر تمہیں اذیت سے آزاد نہیں کرنا چاہتے۔"

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے ورد جاری رکھا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ ڈھیلا پیچھے کر دیا گیا۔ سالار کے ساتھ فوج کا ایک اور افسر تھا۔ سالار اُسے الگ لے گیا اور کہا۔ "بہت سخت جان معلوم ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں یہ بے ہوش بھی نہیں ہوا۔ ہم نے زیادتی کی تو مر جائے گا۔ اُسے ابھی زندہ رکھنا ہے۔ میں نے ایک اور طریقہ سوچا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کی ایک بیٹی کی عمر چودہ پندرہ سال ہے اور اس کی بیوی بھی ہے۔ ان دونوں کو یہ دھوکہ دے کر یہاں بلایا جائے کہ یہ شخص قید خانے میں ہے اور مر رہا ہے۔ تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اسے دیکھ جاؤ، اور اگر یہ مر گیا تو اس کی لاش لے جاؤ۔"



"ہاں۔" دوسرے افسر نے کہا۔ "دھوکے سے ہی بلانا پڑے گا ورنہ وہاں کے مسلمان ہمارے کسی آدمی کو اپنے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔"

"ان دونوں کو بلا کر اس کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کر دیں گے۔" سالار نے کہا۔ "پھر اسے کہیں گے کہ ہماری شرط مان لو ورنہ تمہاری کمسن بیٹی اور بیوی کو تمہارے سامنے بے آبرو کیا جائے گا۔"

دونوں سپاہی جو سالار کی غیر حاضری میں اسحاق کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے قریب کھڑے سن رہے تھے۔ سالار نے انہی میں سے ایک کو بھیج کر فوج کے کمانڈر کو بلایا۔ اُسے اسحاق کے گاؤں کا راستہ بتا کر پیغام دیا اور یہ بھی بڑی اچھی طرح سمجھا دیا کہ مقصد کیا ہے۔ اُسے کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ہی احترام سے بات کرے اور صلاح الدین ایوبی کی تعریفیں بھی کرے ورنہ مسلمان اُسے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔

کمانڈر اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ اسحاق کو چلر شکنجے سے اتار کر اُسی کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا جس میں کسی مصری سپاہی کی لاش گل سڑ رہی تھی۔ اسحاق سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ سارے جسم سے درد کی بے رحم ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں مگر اُس نے دھیان خدا کی طرف لگا رکھا تھا۔ اتنے شدید درد کے باوجود وہ اپنے آپ میں سکون محسوس کر رہا تھا۔ اُس کی روح میں کوئی درد نہیں تھا۔ جسمانی درد کے احساس سے وہ بے نیاز ہو چکا تھا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسے ایسی ذلت میں ڈالنے کا اہتمام ہو رہا ہے جو اُس کی روح کو لہولہان کر دے گا۔ اُس کی کمسن بیٹی اور جوان بیوی کو قید خانے میں لانے کے لیے ایک آدمی چلا گیا تھا۔

وہاں سے اُس کا گاؤں جو پہاڑی علاقے میں تھا گھوڑے پر پورے دن کی مسافت جتنا دور تھا۔ صبح ابھی ابھی طلوع ہوئی۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی افسر کے ساتھ چلا گیا۔ قید خانے میں دونوں سپاہیوں کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی۔ دن بھر کے لیے دوسرے سپاہی آ رہے تھے۔ اِن دونوں سپاہیوں نے آپس میں بات کی اور ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ اسحاق کو برگزیدہ انسان سمجھ رہے تھے جس کا تعلق براہِ راست کسی غیبی قوت کے ساتھ تھا۔ یہ اُن کی برداشت سے باہر تھا کہ اس برگزیدہ شخص کی بیٹی اور بیوی کو قید خانے میں بلا کر ذلیل کیا جائے۔ ایک سپاہی نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا کہ اس شخص کی بیٹی اور بیوی کی توہین کی گئی تو سب پر قہر نازل ہوگا۔ ان دونوں کو یہ لالچ بھی تھا کہ باہر جا کر اسحاق اُن کی قسمت بدل دے گا۔

ایک سپاہی نے کہا کہ وہ اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو یہاں تک نہیں آنے دے گا۔

☆

شام ہو چکی تھی جب پیغام لے جانے والا سوڈانی کمانڈر مسلمانوں کے پہاڑی علاقے میں داخل ہوا۔ پہلے گاؤں میں جا کر اُس نے پوچھا کہ اسحاق نام کے ایک سوڈانی مسلمان کا گاؤں کہاں ہے جو مصری فوج میں عہدیدار ہے۔ اسحاق کا تمام علاقے پر اثر و رسوخ تھا۔ اُسے ہر کوئی جانتا تھا۔ کمانڈر نے بتایا کہ وہ زخمی حالت میں جنگی قیدی ہوا تھا۔ دوسرے قیدیوں کی طرح اُسے بھی قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اُس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اُسے اُس کی بیٹی اور بیوی سے ملایا جائے۔ میں ان دونوں کو لینے آیا ہوں۔

ایک آدمی اُن کے ساتھ ہو گیا۔ وادیوں سے گزرتے، کچھ وقت بعد دونوں اسحاق کے گاؤں میں داخل ہوئے۔ پھر اُس کے گھر جا پہنچے۔ اُس کے بوڑھے باپ سے ملاقات ہوئی۔ سوڈانی کمانڈر نے جھک کر مصافحہ کیا اور نہایت اچھے انداز سے کہا: "آپ کا بیٹا اتنا بہادر ہے کہ ہمارے سالار بھی اُسے سلام کرتے ہیں۔ وہ بہادری سے لڑا مگر ریگستان نے اُسے پیاسا رکھ کر بے حال کر دیا۔ وہ زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ اُس کا علاج اس طرح کیا جا رہا ہے جس طرح سوڈانی سالاروں اور حکمرانوں کا کیا جاتا ہے۔ اتنے اچھے علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہوا۔ اُسے بچانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اپنی بیٹی کو اور اپنی بیوی کو آخری بار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم لوگ اُس کی اتنی زیادہ عزت کرتے ہو تو اُسے میرے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہمارے جراح اور طبیب اُسے ٹھیک کر لیں۔"

"فرمانروائے سوڈان نے کہا ہے کہ وہ ہمارا مہمان ہے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "مہمان کو بیماری کی حالت میں رخصت کرنا میزبان کی بے عزتی ہے۔ صحت یاب ہوتے ہی اُسے باعزت طریقے سے رخصت کر دیا جائے گا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اُس کی بیٹی اور بیوی اُس کے پاس رہیں اور اُس کی تیمار داری کریں؟" بوڑھے باپ نے پوچھا۔

"اگر یہ دونوں وہاں رہنا چاہیں تو انہیں عزت سے رکھا جائے گا۔" کمانڈر نے کہا۔ "ہمارے ہاں بہادروں کی عزت کی جاتی ہے۔ ہمارے مذہب الگ ہیں لیکن ہم اور آپ سوڈانی ہیں۔ ہم زمین کا احترام کرتے ہیں۔ اگر اسحاق صلاح الدین ایوبی کا سپاہی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم بھائی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کو ہم بہت بڑا جنگجو مانتے ہیں۔ اُس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا دیا ہے۔"

"پھر تم اُسے دشمن کیوں سمجھتے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "تم صلیبیوں کو دوست کیوں سمجھتے ہو؟"

"محترم بزرگ!" کمانڈر نے کہا۔ "اگر میں باتیں کرنے بیٹھ گیا تو یہ میرے فرض میں کوتاہی ہو گی۔ مجھے آپ کی بچی اور آپ کی بہو کو صبح سے پہلے آپ کے بیٹے تک پہنچانا ہے۔ آپ کے بیٹے کی خواہش کی تکمیل ہمارا فرض ہے..... کیا آپ کی بیٹی اور بہو میرے ساتھ ابھی چلنے کو تیار ہیں؟"

پردے کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "ہم تیار ہیں۔"

"کوئی مرد ساتھ نہیں جا سکتا؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "میں بھی تو اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سفر لمبا ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "آپ اتنی لمبی گھوڑ سواری برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجھے جو حکم ملا ہے وہ بیٹی اور بیوی کو لانے کا ہے۔"

قید خانے کا سپاہی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر گیا۔ بہت جلدی میں اُس نے کپڑے بدلے۔ سر کو اس طرح ڈھانپا کہ چہرہ بھی چھپ گیا۔ اُس نے گھوڑے کے لیے چارہ اور پانی گھوڑے کے ساتھ باندھا اور کسی کو بتائے



بغیر کہ کہاں جا رہا ہے روانہ ہو گیا۔ اُس نے وہ راستہ معلوم کر لیا تھا جو اسحاق کے گاؤں کو جاتا تھا۔ سالار جب پیغام لے جانے والے کمانڈر کو راستہ سمجھا رہا تھا یہ سپاہی پاس کھڑا سن رہا تھا۔ اُس کے دل میں عقیدت تھی۔ آبادی سے نکل کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کمانڈر اُس سے بہت پہلے نکل گیا تھا اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اُس سے پہلے اسحاق کے گھر پہنچ جاتا۔ سورج بہت اُوپر آ چکا تھا۔

☆

اسحاق کے باپ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ اُس نے دونوں تیار کیے۔ اسحاق کی بیٹی اور بیوی جلدی میں تیار ہو کر سوار ہو گئیں۔ گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی وہاں آ گئے تھے۔ سب سوڈانی کمانڈر کی باتوں میں آ گئے اور انہوں نے اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو کمانڈر کے ساتھ رخصت کر دیا۔ رات کا سفر تھا۔ راستے میں کہیں رُکنا نہیں تھا۔ دونوں مستورات کے دلوں میں اسحاق کے متعلق جو جذبات تھے ان سے اُن کی نیند اڑ گئی۔ اُن کے لیے گھوڑے کی سواری کوئی نئی یا مشکل بات نہیں تھی۔ یہاں کے مسلمان اپنے بچوں کو گھوڑ سواری اور تیر اندازی بچپن میں ہی سکھا دیا کرتے تھے۔

تینوں گھوڑے پہاڑی علاقے سے نکل گئے۔ کمانڈر خوش تھا کہ اُس نے کامیابی سے دونوں مستورات کو جال میں پھانس لیا تھا۔ اسحاق اُس کوٹھڑی میں بیٹھا تھا جس میں گلی سڑی لاش پڑی تھی۔ یہ لاش اُسے پریشان کرنے کے لیے وہاں رکھی گئی تھی لیکن اسحاق نے اپنے آپ کو جسمانی احساسات سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ لاش کے ساتھ اس طرح باتیں کرتا تھا جیسے وہ زندہ ہو۔ اُسے بدبو کا ذرہ بھر احساس نہیں تھا۔ وہ اب جسم نہیں رُوح بن گیا تھا۔ سالار ان نے کوٹھڑی سے باہر نہ نکالا گیا۔ شام کے بعد بھی اُسے کسی نے نہ چھیڑا۔ وہ حیران بھی ہوا کہ اُسے کیوں آرام دیا جا رہا ہے۔ شاید سوڈانی سالار اُس سے مایوس ہو گیا تھا؟

کمانڈر دونوں مستورات کے ساتھ پہاڑی علاقے سے نکل کر صحرا میں جا رہا تھا۔ وہ اِن دونوں کو اسحاق کی بہت اچھی اچھی باتیں سنا رہا تھا۔ دونوں پوری دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "اپنی بیٹی اور بیوی کی بے عزتی کون برداشت کر سکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کمانڈر ان دونوں کو لے آئے گا۔ میں اسحاق سے کہوں گا کہ جب تک تم مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر کے سوڈان کا وفادار نہیں بنا دیتے تمہاری بیٹی اور بیوی کو آزاد نہیں کیا جائے گا۔"

"صبح تک ہمارے کمانڈر کو آ جانا چاہیے۔" سالار کے ساتھی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ذرا پہلے آ جائے۔" سالار نے کہا۔ "آدمی ہوشیار ہے۔"

قید خانے کا جو سپاہی کمانڈر کے پیچھے روانہ ہوا تھا ریتلے ٹیلوں کے علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ اُس نے آدھے سے زیادہ راستہ طے کر لیا تھا۔ اُس رات چاند نہیں تھا۔ صحرا کی فضا رات کو شفاف ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی بھی مسافروں کو راستہ دکھا دیتی ہے۔ سپاہی کو رات کی خاموشی میں کسی کی باتیں سنائی دیں۔ بولنے والا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ ٹیلے گونج پیدا کر رہے تھے۔ سپاہی ایک ٹیلے کی اوٹ میں رُک گیا۔ باتیں بلند ہوتی گئیں اور گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹیں بھی سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی سی دیر بعد سپاہی نے ٹیلے کی اوٹ سے تین گھوڑے گزرتے

دیکھے۔ اُس نے تلوار نکال لی۔ اُس وقت بھی کمانڈر اسحاق کی باتیں کر رہا تھا۔ سپاہی کو یقین ہو گیا کہ یہ کمانڈر ہے اور اس کے ساتھ اسحاق کی بیٹی اور بیوی ہے۔

اُس نے گھوڑا باہر نکالا اور اُن کے پیچھے گیا۔ اُس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز نے کمانڈر کو چونکا دیا۔ وہ تلوار سونت کر پیچھے کو مڑا لیکن سپاہی گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔ اُس نے دوڑتے گھوڑے سے کمانڈر پر ایسا وار کیا کہ اُس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ گھوڑا روک کر وہ پیچھے مڑا۔ کمانڈر لڑنے کی حالت میں نہیں تھا۔ اُس نے رحم کے لیے پکارا لیکن سپاہی نے اُس کی گردن پر وار کر کے اُسے گھوڑے سے لڑھکا دیا۔

دونوں مستورات سن ہو گئیں۔ اسحاق کی بیوی نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "بھاگو۔ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں۔"

انہوں نے گھوڑے موڑے۔ سپاہی نے اپنا گھوڑا اُن کے راستے میں کر لیا اور کہا۔ "یہاں کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ مجھ سے نہ ڈرو۔ میں نے تمہیں ایک ڈاکو سے بچایا ہے۔ میرے ساتھ اپنے گاؤں چلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا، تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ میں اکیلا ہوں۔"

وہ دونوں حیران و پریشان تھیں کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ سپاہی نے کمانڈر کے گھوڑے کی لگام اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دی اور گھوڑے کو بھی ساتھ لے چلا۔ راستے میں اُس نے دونوں کو بتایا کہ اسحاق قید خانے میں بند ہے۔ اُسے کہا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر دے۔ اسحاق نہیں مان رہا۔ سپاہی نے ان دونوں کو یہ نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ تم دونوں کو اُس کے سامنے عریانی کی حالت میں کھڑا کر کے اور تم دونوں کی بے عزتی کی دھمکی دے کر اسحاق کو اپنی بات پر لانے کے لیے بلایا گیا ہے۔ یہ آدمی جسے میں نے قتل کیا ہے تم دونوں کو اسی نیت سے لے جانے آیا تھا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

"تم کون ہو؟" اسحاق کی بیوی نے پوچھا۔ "مسلمان ہو؟"

"میں قید خانے کا سپاہی ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔ "میں مسلمان نہیں ہوں۔"

"پھر تمہیں ہمارے ساتھ کیسے ہمدردی پیدا ہو گئی؟"

"میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر ہوتے ہیں۔" سپاہی نے کہا۔ "تمہارا خاوند پیغمبر معلوم ہوتا ہے۔"

اسحاق کی بیوی نے اُس سے پوچھا کہ وہ اُس کے خاوند کو کیوں پیغمبر سمجھتا ہے۔ سپاہی نے اصل بات نہ بتائی اور کہا۔ "اب تو میں اُسے سچا پیغمبر سمجھتا ہوں۔ وہ قید خانے میں قید ہے۔ مسلمان ہے۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اُسے معلوم ہی نہیں کہ اُس کی بیٹی اور بیوی کو بے عزت کرنے کا انتظام کر دیا ہے۔ میرے دل میں خیال آ گیا کہ میں تم دونوں کی عزت کی حفاظت کروں گا۔ میں نے ایسا کام کیا ہے جو میری ہمت سے باہر تھا۔ یہ اُسی کی غیبی قوت ہے۔ میں اُسے پیغمبر سمجھتا ہوں۔"

☆

سحر کے وقت اسحاق کے گھر کے سامنے چار گھوڑے رُکے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اسحاق کا باپ



اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو اُن کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اندر جا کر سپاہی نے اُسے تمام حالات اور واقعات سنا دیئے لیکن اُسے بھی نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔

اسحاق کے باپ نے اُسی وقت اپنے قبیلے کے لوگوں کو اطلاع دے دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ سپاہی نے انہیں بتایا کہ اسحاق کو اس شرط پر رہائی دینے کا وعدہ کیا جا رہا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو سوڈان کی فوج میں شامل کر دے اور تمام مسلمان سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ سپاہیوں نے بتایا کہ اسحاق کہتا ہے کہ مجھے جان سے مار دو میں اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔

تمام لوگ بھڑک اُٹھے۔ سوڈان کو بھلا بُرا کہنے لگے۔ کسی نے کہا — "یہاں صلاح الدین ایوبی آئے گا۔ یہ خدا کی زمین ہے۔"

"ہم قید خانے پر حملہ کر کے اسحاق کو رہا کرائیں گے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"تمہارے لیے یہ کام آسان نہیں۔" سپاہی نے کہا۔ "تہہ خانے میں سے تم کسی کو نہیں نکال سکتے۔"

"تم قید خانے کے سپاہی ہو۔" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "تم ہماری مدد کر سکتے ہو۔"

"میں غریب اور ادنیٰ سپاہی ہوں۔" اُس نے کہا۔ "میں آپ کے بیٹے کو پیغمبر سمجھتا ہوں۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میری قسمت بدل دو۔ اُس نے کہا تھا کہ باہر آ کر بدل دوں گا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے میں اُس کا مرید ہوتا جا رہا ہوں۔ یہ سب لوگ اس پر جانیں قربان کرنے پر تیار ہیں۔ کیا میری زندگی بھی ایسی ہو سکتی ہے جیسی تمہاری ہے؟"

"مسلمان ہو جاؤ اور یہیں رہو۔" اسحاق کے باپ نے اُسے کہا۔ "ہم لوگ جنت میں رہتے ہیں۔ یہاں پانی کے چشمے ہیں اور ہرے بھرے درخت ہیں۔ یہاں کی زمین اتنا اناج دیتی ہے کہ جو کاشت کاری نہیں کرتا وہ بھی بھوکا نہیں رہتا۔ یہ ہمارے اللہ کی شان ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ اور اپنی قسمت بدل لو۔ ہم لوگ آزاد ہیں۔ یہ پہاڑیاں ہمارا قلعہ ہیں جو ہمارے اللہ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔"

سپاہی نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسحاق کے باپ نے اُسے حلقہ بگوش اسلام کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔

صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سوڈانی سالار بے تابی سے کمانڈر کا انتظار کر رہا تھا مگر اُس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ سورج اُوپر اٹھتا گیا اور سالار بے چین ہوتا گیا۔ وہ سمجھا کہ کمانڈر راستہ بھول گیا ہو گا۔ اُس نے ایک اور عہدیدار کو بلایا اور اُسے وہی باتیں بتا کر جو اُس نے پہلے کمانڈر کو بتائی تھیں روانہ کر دیا۔

اسحاق کوٹھڑی میں بند رہا۔ یہ دن بھی کوٹھڑی میں گزر گیا۔ اُس کی کوٹھڑی میں پڑی ہوئی لاش پھٹنے لگی تھی۔ قید خانے کے سنتری جو انسانوں کے جسم توڑنے اور تہہ خانے کی بدبو کے عادی تھے وہ بھی اسحاق کی کوٹھڑی کے قریب آنے سے گریز کرنے لگے۔ بڑی ہی بُری بدبو تھی۔ ایک سنتری نے ناک پر ہاتھ رکھ کر اسحاق سے پوچھا۔ "اوئے مردود! تم اس بدبو کو کس طرح برداشت کر رہے ہو؟ یہ لوگ جو کچھ تم سے سننا چاہتے ہیں ماں

جاؤ اور یہاں سے رہائی لو۔ اِس مردار کی بدبو سے پاگل ہو جاؤ گے۔"

"مجھے کوئی بدبو محسوس نہیں ہو رہی۔" اسحاق نے کہا۔ "یہ مردار نہیں شہید ہے۔ میں رات کو اس کے ساتھ لگ کر سوتا ہوں۔"

"تم پاگل ہو چکے ہو۔" سنتری نے کہا۔ "لاش کی بدبو کا یہی اثر ہوتا ہے۔"

اسحاق کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور اُس نے لاش کے پاس بیٹھ کر قرآن کی ایک آیت کا ورد شروع کر دیا۔

☆

یہ رات بھی گذر گئی۔ صبح کے دھندلکے میں جس دوسرے کمانڈر کو سالار نے بھیجا تھا واپس آگیا۔ ایک تو مسلسل اتنے طویل سفر سے اُس کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ دیکھ آیا تھا اُسے بیان کرنے سے اُس کی زبان ہکلا رہی تھی۔ اُس نے سالار کو بتایا کہ راستے میں کچھ علاقہ ریتیلے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا ہے۔ ایک جگہ گدھ مردار کھا رہے تھے۔ اُس نے ایک جگہ تلوار پڑی دیکھی۔ جوتے اور کپڑے بھی دیکھے۔ اُس نے گدھوں کو اُڑایا تو پتہ چلا کہ وہ کسی انسان کو کھا رہے تھے۔ چہرہ بھی خراب ہو چکا تھا۔ اُسے جو چیزیں مثلاً خنجر، چمڑے کا کمربند وغیرہ ملیں وہ اُٹھا کر لے گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ سوڈانی کمانڈر کی لاش تھی۔

اُس نے آگے جا کر زمین دیکھی۔ گھوڑوں کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ کمانڈر پہاڑی علاقے تک گیا۔ گھوڑوں کے نشان وہاں تک گئے تھے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کمانڈر مستورات کو ساتھ لایا تھا یا نہیں اور اُسے کس نے قتل کیا ہے۔ سوڈانی سالار نے کہا کہ معلوم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے اس علاقے میں سوڈانیوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو انہی مسلمانوں میں سے تھے۔ اِن جاسوسوں کا وہاں اور کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ صرف مخبری کرتے تھے۔ اسحاق کے متعلق انہی لوگوں نے بتایا تھا کہ اس علاقے پر اُسی کا اثر و رسوخ ہے۔

ہُوا بھی ایسے ہی۔ شام کے بعد دو جاسوس پہنچ گئے۔ انھوں نے سالار کو پوری خبر سنائی کہ کمانڈر، اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو لے گیا تھا اور قید خانے کے ایک سپاہی نے اُسے راستے میں قتل کر دیا اور مستورات کو واپس لے گیا ہے۔ انھوں نے سپاہی کا نام بھی بتایا۔ سالار نے یہ مسئلہ سوڈان کے حکمران کے آگے رکھا۔ اُس نے صلیبی مشیروں کو بتایا۔ اِن صلیبیوں نے مشورہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ مسلمانوں پر فوج کشی کی حماقت نہ کر بیٹھنا۔ انہیں کسی اچھے طریقے سے دوست بنانے کی کوشش کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی کرو کہ اس سپاہی کو خفیہ طریقے سے قتل کرا دو تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے ہاتھ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر اسحاق تمہاری شرط تسلیم نہیں کرتا تو کسی اور سوڈانی مسلمان قیدی کو قائل کرو۔ اسحاق پر تشدد جاری رکھو۔

اسحاق کو ایک بار پھر تشدد کے شکنجے میں جکڑ لیا گیا۔ اب تو سالار اُس سے اپنے کمانڈر کے قتل کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ اُسے اتنی درندگی کا تختۂ مشق بنا دیا گیا جتنا انسانی تصور سے باہر تھا۔ رات کے وقت وہ بیہوش ہو گیا اور اُسے کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ ہوش میں آیا تو کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسحاق نے ہاتھ ایک طرف کیا تو ہاتھ کسی کے جسم پر لگا۔ اُسے یاد آگیا کہ یہ وہی لاش ہے جو پہلے دن سے اُس کے ساتھ پڑی ہے مگر اُسے ایسے لگا جیسے لاش سانس لے رہی ہو۔ یہ اُس کے دماغ کی خرابی ہی ہو سکتی تھی۔ اُس کے جسم کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اُٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

لاش نے حرکت کی۔ اسحاق نے چونک کر دیکھا۔ چہرے پر نظر ڈالی۔ یہ لاش نہیں تھی، کوئی زندہ انسان تھا اور یہ کوٹھڑی کوئی اور تھی۔ دوسرا آدمی بھی شاید بے ہوش تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آیا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسحاق بڑی مشکل سے اُٹھا اور پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"عمرو درویش۔" اُس آدمی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ ..... عمرو درویش؟" اسحاق نے حیران ہو کر کہا۔ "میں اسحاق ہوں۔"

وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ عمرو درویش بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ بھی انہی مسلمان قبیلوں میں سے تھا جو سوڈانی ہوتے ہوئے سوڈان کی فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے۔ عمرو درویش بھی جنگی قیدی ہو گیا تھا۔ اسحاق کا نام سُن کر اُٹھ بیٹھا۔

"تمہیں کیا کہتے ہیں؟" اسحاق نے پوچھا۔

"کہتے ہیں کہ عالم کے روپ میں اپنے علاقے میں جاؤ۔" عمرو درویش نے جواب دیا۔ "اور لوگوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف دشمنی پیدا کرو۔ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں طریقے بتائیں گے اور تمہیں شہزادوں کی طرح رکھیں گے اور جس لڑکی کو پسند کرو گے وہ تمہارے ساتھ رہے گی۔" عمرو نے پوچھا۔ "تم سے کیا منوانا چاہتے ہیں؟"

"کہتے ہیں اپنے تمام قبیلوں کو سوڈان کا وفادار بنا دو۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "اس کے عوض مجھے مسلمانوں کے علاقے کا امیر بنانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی الگ فوج بنانا چاہتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تمہیں بہت تکلیفیں دے رہے ہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "معلوم نہیں ہمیں ایک ہی کوٹھڑی میں کیوں بند کر دیا ہے ..... شاید اس میں کوئی بہتری ہو گی۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھے مل جاؤ۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے میں تم سے اجازت لینا چاہتا تھا۔ اچھا ہُوا تم مل گئے۔"

"کیا طریقہ سوچا ہے؟"

"تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم اذیتیں کب تک برداشت کریں گے۔ آج نہیں تو کل مر جائیں گے۔ یہاں اور کئی سوڈانی مسلمان قید ہیں۔ کوئی نہ کوئی اُن کے جال میں آجائے گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے چند ایک ساتھیوں کو یہ ورغلا کر ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیں گے۔ ایک صورت یہ ہے کہ تم ان کی شرط مان لو۔ اِس بہانے آزاد ہو جاؤ اور اپنے علاقے میں جا کر کچھ بھی نہ کرو۔ رات کے اندھیرے میں مر کر نکل جاؤ۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں ان کی بات مان لوں۔ یہ مجھے جو سبق پڑھانا چاہتے ہیں وہ پڑھ لوں۔ اُن کا بتایا ہوا بہروپ دھار لوں اور اپنے تمام قبیلوں کو خبردار کر دوں کہ وہ سوڈانیوں کے کسی چکر میں نہ آجائیں۔ اگر میں ان کا ساتھی بن گیا تو میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سوڈانی ہمارے علاقے پر حملہ کر دیں۔" اسحاق نے کہا۔ "ہمارے لوگ اتنی جلدی ہتھیار

ڈالنے والے تو نہیں لیکن فوج کی طاقت اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی۔ فوج آخر فوج ہے۔"

"ہمیں قربانی دینی پڑے گی۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم صرف چھاپہ ماروں کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ فی الحال ضرورت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک آدمی باہر نکل جائے۔ اگر ہم دونوں اکٹھے ان کی شرط مان کر نکل جائیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔"

"میں یہیں رہوں گا۔" اسحاق نے کہا۔ "تم انہیں دھوکہ دو۔ اگر ہم نے اکٹھے ان کی بات مان لی تو انہیں شک ہوگا۔ یہ سمجھ جائیں گے کہ ہم نے رات ایک کوٹھڑی میں رہ کر کوئی منصوبہ تیار کیا ہے۔ میں سختیاں برداشت کرتا رہوں گا، تم نکل جاؤ۔"

☆

صبح طلوع ہوتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ ایک سپاہی نے اسحاق کو برچھی چبھوئی اور اسے اٹھا کر دھکے دیتا اپنے ساتھ لے گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ پھر بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سوڈانی فوج کا ایک عہدیدار آیا۔ اس نے سلاخوں میں سے عمرو درویش سے پوچھا۔ "اگر تم نے آج انکار کیا تو تصور نہیں کر سکتے کہ تمہارے جسم کا کیا حال ہوگا۔ ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے۔ تم اس دنیا میں دوزخ دیکھو گے۔ ہر روز مرو گے اور ہر روز جیو گے۔"

"مجھے کسی اچھی جگہ لے چلو۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میرے جسم کو ذرا سا سکون آنے دو۔ یہاں میں کچھ بھی نہیں سوچ سکتا۔"

"میں تمہیں جنت میں بٹھا سکتا ہوں۔" سوڈانی عہدیدار نے کہا۔ "تمہیں جنت کی پریوں میں بٹھا دوں گا اور اگر وہاں بھی تم نے انکار کیا تو جتنے دن زندہ رہو گے پچھتاتے رہو گے۔ ہمیں رو رو کر کہو گے کہ میں نے تمہاری شرط مان لی ہے تو بھی ہم تم پر اعتبار نہیں کریں گے۔"

وہ کراہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھلتی نہیں تھیں۔ اس نے سرگوشی سی کی۔ "ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے کہیں لے چلو اور بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

اسے اسی وقت لے گئے اور ویسے ہی خوشنما کمرے میں جا رکھا جیسا اسحاق کو دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک طبیب آگیا۔ اس نے اس کے جسم کا معائنہ کر کے اسے دوائیں پلائیں۔ اسے اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا گیا۔ اس دوران اسی سوڈانی سالار نے جو اسحاق کا جسم توڑتا رہا تھا عمرو درویش سے پوچھا۔ "کیا تم نے ہماری ہر بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

عمرو درویش نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا۔ کھانا کھاتے ہی وہ لیٹا اور گہری نیند سو گیا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو رات بھی گذر چکی تھی اور اگلا دن آدھا گذر گیا تھا۔ وہ بہت دنوں سے قید خانے کے تہہ خانے میں اذیتیں برداشت کر رہا تھا۔ جسم بہت حد تک سوکھ گیا تھا۔ ہڈیاں دُکھ رہی تھیں۔ اتنے نرم و گداز بستر پر اتنی لمبی نیند سے اس کے جسم میں صحت کے آثار نظر آنے لگے۔ اسے دوائیاں دی گئیں اور اسے بادشاہوں والا کھانا کھلایا گیا تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو اس کے سامنے ایک لڑکی کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے بال ریشمی تھے اور کھلے ہوئے۔ اس کے کندھے، بازو اور سینے کا کچھ حصہ عریاں تھا۔ عمرو درویش فوجی تھا۔ جنگلوں میں پیدا ہوا اور فوج میں



اس کی عمر میدانِ جنگ میں گذر رہی تھی۔ اس لڑکی کو اس نے خواب سمجھا لیکن لڑکی نے آگے ہو کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اسے یقین آیا کہ یہ خواب نہیں۔

لڑکی باہر چلی گئی اور طبیب کو بلا لائی۔ طبیب نے اسے دیکھا اور دوائی پلا کر چلا گیا۔ فوراً بعد دو صلیبی آگئے۔ وہ سوڈانی زبان روانی سے بولتے تھے۔ تخریب کاری کے ماہر معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو اس مہم کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے علاقے میں جا کر یہ نہیں بتائے گا کہ وہ قید میں رہا ہے بلکہ یہ بتائے گا کہ میدانِ جنگ میں اسے ایک بزرگ ملے تھے جنہوں نے اسے کہا تھا کہ مصری فوج کا سوڈان پر حملہ مصر کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ سوڈان کا ساتھ دیں ورنہ تباہ ہو جائیں گے.... صلیبیوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجذوب عالم کے بھیس میں مسلمانوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی اور مصری حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرے گا۔

عمرو درویش خندہ پیشانی سے رضامند ہو گیا۔ اسی وقت اس کی ٹریننگ اور ریہرسل شروع ہو گئی۔ شام کے بعد اس کے آگے لڑکیوں نے کھانا چُنا۔ شراب بھی رکھی گئی جو اس نے قبول نہ کی۔ کھانے کے بعد جب لڑکیاں دسترخوان سمیٹ کر لے گئیں تو ایک اور لڑکی شب خوابی کے لباس میں آگئی۔ اس کا جسم نیم عریاں اور چال ڈھال اشتعال انگیز تھی۔

"تم کیوں آئی ہو؟" عمرو درویش نے لڑکی سے پوچھا۔

"آپ کے لیے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "میں آپ کے پاس رہوں گی۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"آشی!" لڑکی نے جواب دیا اور اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"آشی!" عمرو درویش نے کہا۔ "مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ تم چلی جاؤ۔"

"میں حکم لے کر آئی ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔"

"مجھ سے یہ لوگ جو بات منوانا چاہتے تھے وہ میں نے مان لی ہے۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اب مجھے تم جیسے حسین فریب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔"

"میں جانتی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ میں انعام کے طور پر آئی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔ سپاہی جب میدانِ جنگ سے آتے ہیں تو ان کی روح عورت کی طلب گار ہوتی ہے۔"

"میں ہارا ہوا سپاہی ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میری روح مر گئی ہے۔ مجھے اپنے جسم سے نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے اس کی کسی بھی ضرورت کا احساس نہیں رہا۔ قید خانے میں اُبلے ہوئے پتے کھاتا رہا تو بھی مطمئن رہا۔ یہاں اتنے اچھے کھانے کھائے ہیں تو بھی مطمئن ہوں لیکن خوش نہیں ہوں۔ میں شکست خوردہ ہوں۔"

لڑکی ہنس پڑی جیسے کسی نے جل ترنگ چھیڑ دیا ہو۔ "شراب کے دو چار گھونٹ آپ کو مسرتوں سے مالا

مال کر دیں گے۔" لڑکی نے کہا۔ "حلق سے اُتر جائے تو مجھے دیکھنا۔ پھر میں آپ کو پھولوں کا حُسن نظر آئے گا۔"

"میری مجبوری یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم عصمتوں سے کھیلا نہیں کرتے، عصمتوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔"

"صرف مسلمان لڑکیوں کی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہو گے۔" لڑکی نے کہا۔ "میں مسلمان نہیں۔"

"اور تم عصمت والی بھی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "پھر بھی میرا فرض ہے کہ تمہاری عصمت کا خیال رکھوں۔ لڑکی مسلمان ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتی ہو، اپنی قوم کی ہو یا اپنے دشمن کی، مسلمان اگر ایمان کا پکا ہے تو اُس کی عصمت کی حفاظت کرے گا۔ تم تمام رات میرے پاس بیٹھی رہو، صبح سب کو بتاتی پھرو گی کہ رات ایک پتھر کے پاس بیٹھ کر گذاری ہے۔"

"کیا میں خوبصورت نہیں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"تم جیسی لڑکی میرے کسی کام کی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔ اگر تم اس ذلیل زندگی سے آزاد ہونا چاہو تو میں تمہیں جان پر کھیل کر یہاں سے نکال لے جاؤں گا اور کسی شریف گھرانے میں آباد کر دوں گا۔"

"آپ سے پہلے بھی ایک یہاں آیا تھا۔" آشی نے کہا۔ "وہ بھی آپ کی طرح باتیں کرتا تھا۔ وہ بھی سوڈانی مسلمان تھا۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی کہ چونکہ آپ مسلمان ہیں اس لیے آپ عورت میں دلچسپی نہیں لیتے۔ میں نے مصر کے کئی مسلمان دیکھے ہیں۔ وہ عورت کو دیکھ کر بھوکے درندے بن جاتے ہیں۔ میں تین ایسے مصری مسلمان بتا سکتی ہوں جنہیں میں نے اور شراب کی اس صراحی نے غدار بنایا ہے۔ وہ کیسے مسلمان ہیں؟"

"وہ ایمان فروش ہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تم باتیں کر رہی ہو تو میں تمہارے چہرے پر اور تمہاری آنکھوں میں تمہاری ماں اور تمہارے باپ کی جھلک دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ کہاں ہیں؟ زندہ ہیں؟"

"معلوم نہیں۔" آشی نے کہا۔ "آپ سے پہلے جو یہاں آیا تھا اُس نے بھی یہی پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔" وہ اسحاق کی بات کر رہی تھی۔ اسحاق کو جب اس کمرے میں لایا گیا تھا تو اسی لڑکی کو اُس کے کمرے میں بھیجا گیا تھا۔ اُس نے عمرو درویش سے کہا۔ "اُس سوڈانی مسلمان نے مجھ سے میرے ماں باپ کے متعلق پوچھ کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ایسا سوال مجھ سے کبھی کسی نے نہیں پوچھا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے پوچھا تو میں رات بھر سوچتی رہی کہ میرے ماں باپ کون تھے اور کیسے تھے۔ تھے ضرور۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا اور ذہن کے اندھیرے میں غائب ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اُن کی یاد سے دُور رکھنے کی کوشش شروع کر دی مگر میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ آج آپ نے اُن کی یاد پھر تازہ کر دی ہے۔ میں جب محسوس ہی نہیں کرتی تھی کہ میرے بھی ماں باپ ہوں گے تو میں خوش رہتی تھی۔ آپ سے پہلے آنے والے سوڈانی مسلمان نے میرے اندر ایسے جذبات بیدار کر دیئے ہیں کہ میری خوشی پر اب اداسی کا آسیب سوار رہنے لگا ہے۔"

"تمہارا کوئی بھائی بھی نہیں تھا؟"

"کچھ بھی یاد نہیں۔" آشی نے کہا۔ "میں خون کے رشتوں کو سمجھی ہی نہیں کہ کیا ہوتے ہیں۔"



"تمہیں نیند آ رہی ہو تو سو جاؤ۔" عمرو درویش نے کہا۔

"آپ کو نیند آ رہی ہو تو میں خاموش ہو جاتی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "جی چاہتا ہے کہ آپ میرے ساتھ باتیں کرتے رہیں۔ مجھے آپ جیسے آدمی اچھے لگتے ہیں۔ میں جس آدمی کے ساتھ پہر وقت گذارتی ہوں اُس سے مجھے نفرت سی ہو جاتی ہے۔ مجھے مسکرانا پڑتا ہے۔ وہ سوڈانی مسلمان جو آپ سے پہلے یہاں آیا تھا، مجھے ساری عمر یاد رہے گا جسے اس کمرے میں لایا گیا تھا۔ آپ دوسرے آدمی ہیں جن کی میں ہمیشہ قدر کروں گی۔ آپ نے میرے اندر روح اور جذبات کو بیدار کر دیا ہے۔ آپ مجھے شاید روح کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے مجھے جسم کی بھوکی نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

"میں تمہیں آبرو باختہ لڑکی سمجھتا تھا لیکن تم عقل اور فراست کی باتیں کرتی ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔

"میں حسین اور میٹھا زہر ہوں۔" آشی نے کہا۔ "پتھروں کو موم کرنے کی مجھے تربیت دی گئی ہے۔ میں کوئی سیدھی سادی لڑکی نہیں۔ جابر حکمران کی تلوار اپنے قدموں میں رکھوا سکتی ہوں اور عالموں کے منہ پر پکتی ہوں مگر اپنے آپ کو وہ موم سمجھنے لگی ہوں جو ذرا سی حرارت سے پگھل جاتا ہے کسی پتھر کو نہیں پگھلا سکتا۔"

"یہ میری باتوں کا اثر نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "یہ میرے ایمان کی حرارت ہے جس نے تمہیں پگھلا دیا ہے۔ میں نے تمہارے اندر خون کے رشتے بیدار کر دیئے ہیں۔ تم انسان ہو۔ تم کسی کی بیٹی ہو۔ تم کسی کی بہن ہو۔ تم کسی قوم کی آبرو ہو۔ میں تمہیں ہر رنگ میں دیکھ رہا ہوں۔"

رات گذرتی جا رہی تھی۔ نیند کا خمار اور عمرو درویش کی باتیں آشی پر غالب آتی جا رہی تھیں۔ نیند سے اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں لڑھک گئی..... اُس کی جب آنکھ کھلی تو اُس نے اپنے آپ کو پلنگ پر اور عمرو درویش کو فرش پر سوتے دیکھا۔ اُس نے عمرو درویش کو جگایا نہیں۔ اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے سینے میں ہلچل بپا ہو گئی۔ اُس نے اپنے گالوں پر اپنے آنسوؤں کی نمی محسوس کی اور حیران ہوتی رہی کہ اُس کے جسم میں آنسو بھی ہیں۔ اُس کے آنسو کبھی نہیں نکلے تھے۔ اُس نے عمرو درویش کے پاس دو زانو ہو کر اُس کا ہاتھ اٹھایا اور آنکھوں سے لگایا۔

عمرو درویش کی آنکھ کھل گئی۔ آشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی۔ اُس نے اُسے یہ بھی نہ کہا کہ تمہیں فرش پر نہیں سونا چاہیے تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ واپس آئی تو اُس کے ہاتھ میں پانی تھا جس سے عمرو درویش نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ آشی کمرے سے چلی گئی۔

☆

ناشتے کے بعد سوڈانی سالار دو صلیبیوں کے ساتھ آ گیا۔

"میری ایک بات غور سے سُن لیں۔" عمرو درویش نے سالار سے کہا۔ "مجھے کسی بھی وقت اسحاق کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ آپ اُسے پریشان کرنا چھوڑ دیں۔ اُسے کسی کھلی اور آرام دہ کوٹھری میں رکھیں۔ اُسے تہہ خانے سے نکال کر اوپر لے آئیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ مجھے جب اُس کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں اُسے منا لوں گا۔ اُسے دھوکہ بھی دے لوں گا۔ اگر وہ نہ مانا تو آپ اس کے ساتھ جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔"

سوڈانی سالار نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ صلیبی مشیروں نے عمرو درویش کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔ اُس نے خوبی سے نقل کی۔ انہوں نے اُسے جو باتیں بتائیں وہ بھی اُس نے زبانی یاد کرنی شروع کر دیں.... چار پانچ روز اُس کی تربیت ہوتی رہی۔ دن کے دوران صلیبی اُس کے ساتھ ہوتے تھے اور رات کو آشی اُس کے پاس ہوتی تھی۔ یہ لڑکی اُس کی مرید بن گئی تھی۔ اس کمرے میں جا کر وہ اپنے آپ کو پاکیزہ لڑکی سمجھنے لگی تھی۔

چھٹے ساتویں روز عمرو درویش ایک درویش کے روپ میں اپنے علاقے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اُسے درویشوں اور مجذوب عالموں کے کپڑے پہنائے گئے۔ آشی نے اُسے کہا تھا کہ وہ جب اپنی مہم پر روانہ ہو تو اُسے بھی ساتھ لیتا چلے۔ اُس کی خواہش پر عمرو درویش نے سوڈانی سالار سے کہا کہ وہ اس لڑکی کو انعام کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ لڑکی اُسے دے دی گئی۔ اُسے مستور کرنے کے لیے لڑکی کو برقعہ نما لبادہ دے دیا گیا۔ تین اونٹ دیئے گئے۔ ایک پر عمرو درویش سوار ہُوا، دوسرے پر آشی اور تیسرے پر ایک خیمہ اور کھانے پینے کا سامان لاد دیا گیا۔ سوڈانی سالار نے عمرو درویش کو دو باتیں بتائیں۔ ایک یہ کہ اسحاق کو تہہ خانے سے نکال کر اُوپر کھلے کمرے میں بھجوا دیا گیا ہے، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے علاقے میں اپنے آدمی موجود ہیں جو اُسے خود ہی ملیں گے اور اُس کی مدد کریں گے۔

عمرو درویش آشی کو ساتھ لے کر ایک خطرناک مہم پر روانہ ہو گیا۔

سوڈانی سالار اُس کے روانہ ہوتے ہی اپنے کمرے میں گیا۔ وہاں چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب سوڈانی مسلمان تھے اور مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے۔ انہیں سوڈان کی حکومت سے بہت انعام و اکرام ملتا تھا۔ اپنے علاقے میں وہ پکے مسلمان بنے رہتے تھے۔

"وہ جا چکا ہے۔" سالار نے انہیں کہا۔ "تم دوسرے راستے سے روانہ ہو جاؤ۔ اکیلے اکیلے جانا۔ اپنے علاقے میں پہنچ جاؤ اور اس پر نظر رکھو۔ جہاں تمہیں شک ہو کہ یہ شخص دھوکہ دے رہا ہے، اسے ایسے طریقے سے قتل کر دو جس سے کسی کو پتہ نہ چلے۔ میں اور آدمی بھیج رہا ہوں۔ انہیں اپنے گھروں میں رکھ لینا۔"

یہ سب ایک دوسرے کے بعد روانہ ہو گئے۔ سوڈانی سالار نے دو اور آدمی بلائے۔ وہ صرف سوڈانی تھے مسلمان نہیں تھے۔ ان سے سالار نے کہا۔ "ان مسلمانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اپنے علاقے میں جا کر سب ایکا نہ کریں۔ یہ چھ آدمی ہمارے ہی ہیں لیکن یہ نہ بھولنا کہ مسلمان ہیں۔ وہاں جا کر ان کی نیت بدل سکتی ہے۔ اگر عمرو درویش ٹھیک رہا تو تمہیں آتش گیر مادے کی ضرورت ہوگی۔ یہ ان آدمیوں نے گھروں میں چھپا رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اسے کب اور کہاں استعمال کرنا ہے۔"

یہ دونوں بھی روانہ ہو گئے۔

وہ سپاہی جس نے اسحاق کی بیٹی اور اُس کی بیوی کو بچایا اور کمانڈر کو قتل کیا تھا اسحاق کے گھر رہتا تھا۔ جس روز عمرو درویش روانہ ہُوا اُس روز سپاہی کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ ایک تیر آیا جو اُس کے جسم کو چھوتا ہُوا ایک درخت میں جا لگا۔ سپاہی دوڑ پڑا اور اسحاق کے گھر جا پہنچا۔ اُس نے اسحاق کے باپ کو بتایا کہ اُس پر کسی نے تیر چلایا ہے۔



کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ تیر کس نے چلایا ہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ سوڈانیوں نے اُسے قتل کرنے کی پہلی کوشش کی ہے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے محکمۂ جاسوسی و سراغرسانی (انٹیلی جنس) کا سربراہ علی بن سفیان قاہرہ میں تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی صلیبیوں کے دوست مسلمان امراء سیف الدین اور گمشتگین کو اور الملک الصالح کی فوج کو شکست دے کر ان مخالفین کے مرکزی شہر حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کے یہ مسلمان مخالفین ایسی افراتفری اور بوکھلاہٹ میں بھاگے تھے کہ کہیں بھی قدم جما نہ سکے۔ راستے میں تین چار اہم مقام تھے جہاں وہ رُک جاتے اور اپنی بکھری ہوئی افواج کو اکٹھا کر لیتے تو صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے پسپائی کے ایسے راستے اختیار کئے جو جنگی لحاظ سے اُن کے لیے مزید نقصان کا باعث بنے۔ سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی اور ان اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اُس کی منزل حلب تھی۔

اُسے کچھ علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات کیسی کیسی کروٹیں لے رہے ہیں۔ قاصد اُسے رپورٹیں دیتے رہتے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ طرح طرح کی سازشیں سر اُٹھا رہی ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں کبھی پریشان نہیں ہُوا تھا، سازشیں اسے پریشان کر دیا کرتی تھیں، اور یہ حقیقت اس کے لیے زہر کی طرح تلخ تھی کہ ان سازشوں اور تخریب کاری کے ہدایت کار صلیبی اور آلۂ کار مسلمان تھے۔ علی بن سفیان اُس کا دستِ راست تھا بلکہ اُس کی آنکھیں اور کان تھا۔ اُسے سلطان ایوبی نے مصر سے غیر حاضری کے دوران مصر میں ہی رہنے دیا تھا اور اپنے ساتھ اُس کے معاون حسن بن عبداللہ کو رکھا۔ مصر کی حکومت سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے حوالے تھی۔ اپنے بھائی کی غیر حاضری میں العادل راتوں کو سوتا بھی کم تھا۔ علی بن سفیان کو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس طرح مصر کا امن و امان اور اس خطے میں اسلام کی آبرو کا تحفظ ان دونوں کی ذمہ داری تھی۔

انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر میں تخریب کاری بڑھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ دو چار ماہ پہلے العادل نے سوڈانیوں کے ایک عجیب و غریب اور بڑے ہی خطرناک حملے کو غیر معمولی کامیابی سے تباہ کر دیا تھا لیکن سوڈانیوں کے عزائم میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، کیونکہ اُن کا یہ حملہ جو ناکام ہُوا تھا باقاعدہ فوج کا حملہ نہیں تھا۔ سوڈان کی باقاعدہ فوج نقصان کے بغیر تیار کھڑی تھی۔ اس فوج کو صلیبی تربیت دے رہے تھے اور بعض دستوں کی کمان بھی صلیبیوں کے ہاتھ تھی۔

سوڈان کے خطرے کی پیش بندی یوں کی گئی تھی کہ سرحد پر سرحدی دستوں کی نفری میں اضافہ کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ علی بن سفیان نے اپنے شعبے کے بے شمار آدمیوں کو سرحد پر پھیلا دیا تھا۔ یہ سب جاسوس اور مخبر تھے۔ وہ صحرائی مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بھیس میں سرحد پر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ان کا رابطہ سرحدی چوکیوں کے ساتھ تھا۔ اِن چوکیوں پر اُن کے لیے گھوڑے تیار رہتے تھے۔ سرحدی دستوں کے گشتی سنتری بھی اُن کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ ایک انتظام اور بھی تھا۔ علی بن سفیان کے چند ایک ماہر جاسوس تاجروں کے بہروپ میں سوڈان کے ساتھ غیر قانونی تجارت کرتے تھے جسے آج کل سمگلنگ کہا جاتا ہے۔ انہیں مال دے کر سرحد پار کرادی جاتی

سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آئے ہیں۔
تھی۔ یہ لوگ سوڈان جاکر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مصر کے
سوڈان میں بعض اجناس کی قلت تھی جس میں اناج خاص طور پر قلیل تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہدایت کے
کی سمگلنگ کے لیے الگ کرلیا جاتا تھا۔
تحت مصر میں زیادہ اناج اگایا جاتا تھا جس کا کچھ حصہ جاسوسی کے سلسلے
سوڈان کے جو تاجر مصری "تاجروں" کے ساتھ کاروبار کرتے تھے ان میں زیادہ تر جاسوس تھے جو مصر کے
لیے کام کرتے تھے۔ انہیں جاسوس مصری جاسوسوں (تاجروں کے روپ میں) نے بنایا تھا۔ جاسوسی کا یہ طریقہ کامیاب
ہوا تو سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ سوڈان کو اناج اور زیادہ سستا دو تاکہ یہ سلسلہ سارے سوڈان میں جال کی
طرح پھیل جائے۔ چنانچہ جال پھیلا دیا گیا اور سوڈانی فوج اور حکومت کی ہر ایک نقل و حرکت قاہرہ میں نظر آنے لگی۔
علی بن سفیان نے سرحد کے ساتھ اپنے دو تین ہنگامی مرکز بنا دیئے تھے۔ جو بھی کوئی خبر اُدھر سے آتی سرحد کے
کسی مرکز کو دے دی جاتی جہاں سے برق رفتار گھوڑوں کے ذریعے قاہرہ پہنچا دی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے
سواری کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔
جو سوار رکھے گئے تھے وہ مسلسل تمام دن اور رات بغیر آرام کے
سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ سوڈان میں ایک وسیع پہاڑی علاقہ ہے جس میں صرف مسلمان آباد
ہیں اور ان مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد مصری فوج میں ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ مسلمان سوڈانی فوج میں بھرتی ہونا
پسند نہیں کرتے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دورِ امارت سے کچھ پہلے مصری فوج میں سوڈانی حبشی
سوڈانی مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ان کا کمانڈر بھی سوڈانی تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا اس کمانڈر کا نام ناجی تھا۔ "داستان ایمان فروشوں
کی" کے اس سلسلے کی پہلی کہانی میں اسی فوج اور اس کے سالارِ اعلیٰ ناجی کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی
سے پہلے ناجی مصر کا مختارِ کل تھا حالانکہ یہاں خلافت کی گدی بھی تھی اور یہ باقاعدہ امارت تھی۔ کیا خلیفہ اور کیا امیر
صحیح معنوں میں بادشاہ تھے۔ صلیبیوں نے مصر کو سلطنتِ اسلامیہ سے کاٹنے کے لیے یہاں تخریب کاری اور
سازشوں کے اڈے قائم کر لیے تھے۔ ناجی ان کا اتحادی بن گیا تھا۔ اُس نے مصر کی سوڈانی فوج کو اپنے قبضے
میں لے رکھا تھا۔ اس فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی۔
سلطان ایوبی نے مصر کی امارت سنبھالی تو اُس کی پہلی ٹکر ناجی سے ہوئی۔ سلطان ایوبی نے نورالدین
زنگی مرحوم سے منتخب اور جانباز دستوں کی کمک منگوا کر مصر کی پچاس ہزار سوڈانی فوج توڑ دی۔ اس کے بعض
سالاروں کو قید میں ڈال دیا اور نئی فوج تیار کر لی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ سوڈان کی
اس معزول فوج کے جو لوگ حلفِ وفاداری کے ساتھ خلوصِ نیت سے مصری فوج میں شامل ہونا چاہیں انہیں بھرتی
کر لیا جائے۔ سوڈان کے وہ تمام مسلمان جو اس فوج میں تھے واپس آگئے۔ وہ جان گئے تھے کہ انہیں غیر مسلم سازش
کا آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے جب صلیبیوں کے خلاف دو تین معرکے لڑے
اور سلطان ایوبی کو انہوں نے قریب سے دیکھا تو اُن کا ایمان تازہ ہو گیا۔ فوجی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں دین و
ایمان اور ملی وقار کے وعظ بھی سنائے جاتے اور انہیں بتایا جاتا تھا کہ اُن کا دشمن، اُن کے مذہب کا دشمن ہے
جس کی نظر میں اسلام کی بیٹیوں کی کوئی عزت اور عصمت نہیں۔ اب سلطان ایوبی کی جو فوج عرب میں لڑ رہی تھی اُس



میں خاصی نفری سوڈانی مسلمانوں کی تھی۔
قاہرہ کی انٹیلی جنس اس صورتِ حال سے بے خبر نہیں تھی کہ سوڈان کی حکومت وہاں کے مسلمانوں کو کئی ایک
طریقوں سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ مصری فوج میں جانے کی بجائے سوڈان کی فوج میں بھرتی ہوں۔ سوڈانیوں
نے مسلمانوں پر تشدد کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے نتیجے میں سوڈان کا ایک اعلیٰ فوجی افسر خفیہ طریقے سے قتل ہو گیا تھا۔
سوڈان نے اس علاقے میں باقاعدہ فوج بھیجی تھی۔ مسلمانوں نے اُسے پہاڑیوں اور وادیوں میں بکھیر کر مار ڈالا یا بھگا دیا
تھا۔ مسلمانوں کو علاقے کا فائدہ حاصل تھا۔ چٹانیں اور پہاڑیاں انہیں آڑ مہیا کرتی اور تحفظ دیتی تھیں۔ یہ مسلمان جنگجو
بھی تھے۔
سلطان ایوبی نے اُن کے ساتھ علی بن سفیان کے شعبے کی وساطت سے رابطہ قائم رکھا ہوا تھا۔ مصری "تاجروں"
کے قافلوں کے ذریعے ان مسلمانوں کو اتنا اسلحہ دے دیا تھا جس سے وہ سال بھر کے محاصرے میں لڑ سکتے تھے۔ انہیں
چھوٹی منجنیقیں اور آتش گیر مادہ بھی پہنچا دیا گیا تھا جو لوگوں نے گھروں میں چھپا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کے منصوبے میں
یہ شامل تھا کہ جنگی کارروائی سے یا دیگر ذرائع سے اس علاقے کو مصر میں شامل کرنا ہے تاکہ یہ مسلمان صحیح معنوں میں آزاد
ہو جائیں۔ یہ علاقہ سرحد سے آدھے دن کی مسافت پر تھا۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے
جو محض مخبر نہیں تھے تجربہ کار لڑاکے اور چھاپہ مار (کمانڈو) تھے۔
یہ مسلمان عسکری نوعیت کا خزانہ اور بڑی کارآمد جنگی قوت تھے حالانکہ اُن کی تعداد بمشکل پانچ ہزار تھی۔
انہیں چھوڑ کر سوڈان کے پاس حبشی رہ جاتے تھے جن کے ہاں کوئی عسکری تاریخ اور جنگی روایت نہیں تھی۔ وہ
ملازموں کی حیثیت سے لڑتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اُن کا رویہ یہ ہوتا تھا کہ اُن کے دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگیں تو
شیر ہو جاتے تھے اور اگر دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو محتاط ہو کر لڑتے اور پیچھے ہٹنے لگتے تھے۔ اُن کی ٹریننگ کے
لیے صلیبی پہنچ گئے تھے یا مصری فوج کے دو تین غدار سالار زر و جواہرات کے لالچ میں سوڈان چلے گئے تھے۔
صلیبیوں اور اُن کے مصری سالاروں کی بدولت سوڈان کی فوج میں کچھ اہلیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سوڈانی
حکومت مصر پر کھلا حملہ کرنے سے گھبراتی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کی کوشش
کر رہی تھی۔ صلیبی مشیر جانتے تھے کہ پچاس ہزار حبشیوں کی نسبت پانچ ہزار مسلمان کافی ہیں۔

☆

علی بن سفیان کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے سوڈانی علاقے میں یہ واقعہ ہوا ہے کہ سوڈان کے قید خانے کے
ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے کمانڈر کو قتل کر دیا اور مسلمانوں کے علاقے میں پناہ لے لی ہے۔ یہ خبر لانے والے
جاسوس نے علی بن سفیان کو پورا واقعہ سنایا۔ اُس نے اس سپاہی سے تصدیق کر لی تھی۔ سپاہی سے اُس نے یہ بھی
معلوم کر لیا تھا کہ اسحاق نام کا کمانڈر قید خانے میں زندہ ہے اور اُسے اس مقصد کے لیے تیار کرنے کے لیے قید خانے
میں اذیتوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا دے۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ اس علاقے پر
اسحاق کا اثر و رسوخ ہے۔

"یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسحاق کو قید خانے سے رہا کرایا جائے۔" علی بن سفیان نے جاسوس سے پوری رپورٹ لے کر مصر کے قائم مقام امیر العادل سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ قید خانوں میں کیسا کیسا تشدد کیا جاتا ہے۔ ہم بھی تشدد کرتے ہیں۔ پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسحاق سوڈانیوں کے رنگ میں رنگا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دو تین اور مسلمان کماندار قید خانے میں ہیں۔ سب پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ میں تو یہاں تک مشورہ دینے کو تیار ہوں کہ اپنے کچھ چھاپہ مار مسلمانوں کے علاقے میں بھیج دیے جائیں۔ میں یہ خدشہ دیکھ رہا ہوں کہ اپنے کماندار کے قتل کا انتقام لینے کے لیے سوڈانی فوج مسلمانوں پر حملہ کر دے گی۔"

"دوسرے ملک میں چھاپہ مار بھیجنے کے لیے ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا پڑے گا۔" العادل نے کہا۔ "اس کا نتیجہ کھلی جنگ بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے پاس غور کرنے کے لیے وقت نہیں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر دو کارروائیاں کرنی پڑیں گی۔ کسی ذہین قاصد کو پیغام دے کر محترم سلطان کی طرف بھیجا جائے اور اُن سے حکم لیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ میں خود سوڈان میں داخل ہو کر مسلمانوں کے علاقے میں چلا جاؤں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ صحیح خاکہ صرف میری آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں فوج حملہ نہ کرے۔ وہاں صلیبی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو توہم پرستی میں مبتلا کر کے اُن کے نظریات اور عقیدوں کا رُخ پھیر سکتے ہیں۔ مسجدوں میں اپنے مولوی بھیج کر لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسی چالیں مصر کے اندر آ کر بھی کر چکے ہیں۔ مجھے یہی ڈر ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے اور ملی جذبے پر حملہ ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری قوم میں یہ خامی ہے کہ دشمن کی جذباتی اور ہیجانی باتوں میں جلدی آ جاتی ہے۔ دشمن دیکھ چکا ہے کہ مسلمان کو میدانِ جنگ میں مارنا آسان نہیں۔ عقیدوں اور نظریوں کی معرکہ آرائی میں دشمن ایسے ہتھیار استعمال کرتا ہے کہ مسلمان ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں چلا جاؤں اور آپ ابھی ایک قاصد سلطان محترم کی طرف روانہ کر دیں۔"

"آپ کی غیر حاضری میں آپ کی ذمہ داریاں کون سنبھالے گا؟"

"غیاث بلبیس۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ میرا ایک معاون زاہدین رہے گا۔ آپ کو میری غیر حاضری محسوس نہیں ہو گی۔"

"بہت بُری طرح محسوس ہو گی۔" العادل نے کہا۔ "آپ دشمن کے ملک میں جا رہے ہیں۔ اگر واپس نہ آ سکے تو مصر اندھا اور بہرہ ہو جائے گا۔"

"میں نہ ہوا تو قوم مر نہیں جائے گی۔" علی بن سفیان نے مسکرا کر کہا۔ "افراد قوموں کی خاطر مرتے رہیں تو قومیں زندہ رہتی ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی یہ سوچ لیں کہ وہ مارے گئے تو قوم تباہ ہو جائے گی تو وہ گھر بیٹھ جائیں اور سلطنتِ اسلامیہ پر صلیبی ہاتھ صاف کر جائیں۔ مجھے سلطان کا یہ اصول بہت پسند ہے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ دشمن کا انتظار گھر بیٹھ کر نہ کرو۔ اُس پر نظر رکھو۔ وہ تیاری کی حالت میں ہو تو اُس کے پہلو یا عقب میں چلے جاؤ۔ میں اسی اصول پر سوڈان جا رہا ہوں۔ دشمن نے مسلمانوں کے علاقے میں کامیابی حاصل کر لی تو ہم اپنے کون سے کارنامے



پر فخر کریں گے؟"

"آپ چلے جائیں۔" العادل نے کہا۔ "یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ احتیاط لازمی ہے۔ میں سلطان کے نام پیغام لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔"

علی بن سفیان سوڈان میں داخل ہونے کی تیاری کرنے چلا گیا۔ العادل نے کاتب کو بلایا اور سلطان ایوبی کے نام پیغام لکھوانے لگا۔ اُس نے سوڈان سے مسلمانوں کے علاقے کی اطلاع تفصیل سے لکھوائی۔ یہ بھی لکھوایا کہ یہ پیغام آپ تک پہنچنے سے پہلے علی بن سفیان سوڈان میں جا چکا ہو گا۔ العادل نے علی بن سفیان کے مشورے بھی لکھوائے اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے۔

قاصد کو پیغام دے کر العادل نے اُسے کہا کہ اُسے ہر چوکی سے گھوڑا بدلنا ہے اور گھوڑے کی رفتار کسی بھی حالت میں سست نہیں ہو گی۔ کھانا پینا دوڑتے گھوڑے پر ہو گا۔ اگر راستے میں دشمن کے چھاپہ ماروں کا خطرہ ہوا تو قاصد پیغام ضائع کر دے گا۔ ان ہدایات کے ساتھ قاصد کو روانہ کر دیا گیا۔

☆

عمرو درویش شہر سے بہت دور نکل گیا تھا۔ اُس کے ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ عمرو رات کے قیام کے لیے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا تھا۔ دُور اُسے درخت نظر آئے جہاں پانی بھی ہو سکتا تھا لیکن اُس کے پاس پانی کا ذخیرہ موجود تھا۔ اونٹوں کو پانی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نخلستان سے دُور قیام کرنا چاہتا تھا تاکہ صحرائی ڈاکوؤں سے بچا رہے۔ اُس کے ساتھ آشی تھی جو سیاہ برقعے میں مستور تھی۔ یہ قیمتی لڑکی تھی۔ کسی ڈاکو کی نظر پڑ جانے سے اُس کا بچنا ناممکن تھا..... اُسے ایک جگہ نظر آ گئی۔ اُس نے اونٹ روک لیے اور وہیں خیمہ گاڑ دیا۔

اُسے دو شتر سوار اپنی طرف آتے نظر آئے۔ آشی کو اس نے خیمے میں بھیج کر پردے گرا دیے اور خود باہر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چغے میں تلوار چھپی ہوئی تھی۔ خنجر بھی تھا اور خیمے میں دو کمانیں اور بہت سے تیر بھی تھے۔ شتر سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ یہ ڈاکو ہوئے تو کیا وہ ان کا مقابلہ کر سکے گا۔ اُسے یہ اطمینان تھا کہ آشی صرف دل بہلانے والی لڑکی نہیں، وہ لڑ بھی سکتی ہے۔ تیر اندازی کی بھی اُسے تربیت حاصل تھی۔ وہ صلیبیوں کی تیار کی ہوئی تخریب کار لڑکی تھی۔ شتر سوار آ رہے تھے۔ عمرو درویش نے منہ آشی کی طرف رکھا اور آشی سے کہا۔ "کمان میں تیر ڈال لو۔ اگر یہ ڈاکو نکلے تو پردے کے پیچھے سے تیر چلا دینا۔"

شتر سوار خیمے کے قریب آ کر رُک گئے۔ ایک نے اونٹ کی پیٹھ سے ہی پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟"

عمرو درویش نے ہاتھ آسمان کی طرف کر کے جھومتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جس کے سینے میں آسمان کا پیغام ہو اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ میں کون ہوں؟ ..... مجھے بھی معلوم نہیں۔ کبھی کچھ ہوا کرتا تھا۔ آسمان سے ایک پیغام آیا۔ میرے سینے میں اُتر گیا۔ ذہن سے یہ نکل گیا کہ میں کون ہوں۔ میں کہاں جا رہا ہوں؟..... میرے سینے میں جو روشنی اُتر آئی ہے، وہ بتا سکتی ہے۔ اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں۔ میں آگے جا رہا تھا۔ صبح کو شاید پیچھے کو چل پڑوں۔"

دونوں اونٹوں سے اُتر آئے۔ ایک نے کہا۔ "آپ تو کوئی پیر پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ کیا آپ غیب کی خبر دے سکتے ہیں؟ ہم گناہ گاروں کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں؟"

"میں بھی مسلمان ہوں۔" عمرو درویش نے وجد کی سی کیفیت میں کہا۔ "تم بھی مسلمان ہو۔ مجھے تمہاری تباہی نظر آ رہی ہے۔ میں بھی تمہاری طرح پوچھتا پھرتا تھا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ خون میں ڈوبی ہوئی لاشوں میں مجھے سبز رنگ کا ایک جھنڈا اور اس میں سفید داڑھی والا ایک انسان کھڑا نظر آیا۔ اُس نے مجھے لاشوں سے اٹھایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ پھر وہ لاشوں کے خون میں غائب ہو گیا...... تم چٹانوں میں رہتے ہو تو صحراؤں میں چلے جاؤ۔ مصر کا نام دل سے اتار دو۔ وہ فرعونوں کا ملک ہے۔ وہاں جو بادشاہ آتا ہے اُسے مصر کی مٹی اور وہاں کی ہوا فرعون بنا دیتی ہے۔"

"اب تو وہاں کا بادشاہ صلاح الدین ایوبی ہے۔" ایک شتر سوار نے کہا۔ "وہ پکا مسلمان ہے۔"

"اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے۔" عمرو درویش نے ایسے لہجے میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔ "وہی تمہاری تباہی لا رہا ہے۔ تم جس مٹی سے پیدا ہوئے ہو اُس کی عزت پر خون بہاؤ۔ تم سوڈان کے بیٹے ہو۔"

"مگر سوڈان کا بادشاہ کافر ہے۔" شتر سوار نے کہا۔

"وہ مسلمان ہو جائے گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اُس کی فوج کافروں کی فوج ہے اس لیے وہ اسلام کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ۔ تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اُسے بتاؤ کہ تم اُس کے محافظ ہو۔ تم سوڈان کے محافظ ہو۔"

اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "جاؤ۔ اُٹھو یہاں سے چلے جاؤ۔"

دونوں اونٹوں پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔ کچھ دور جا کر ایک سوار نے دوسرے سے کہا: "دھوکہ نہیں دے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "پکا معلوم ہوتا ہے۔ سبق بھولا نہیں۔"

"آشی جیسا خوبصورت انعام ہمیں مل جائے تو ہم اپنے ماں باپ کے بھی خلاف ہو جائیں۔" شتر سوار نے کہا۔

"واپس چلتے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔ "بتائیں گے کہ سب ٹھیک ہے...... لڑکی شاید خیمے میں ہو گی۔"

"آدمی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے لڑکی کو چھپا رکھا تھا۔" اُس نے کہا۔ "میرا خیال ہے انہیں ... حفاظت کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں ہونی چاہیے۔" دوسرے نے کہا۔ "چابی ہے اس کے پاس ہتھیار بھی ہیں، تیر کمان ... بھی ہوشیار ہے۔"

یہ دونوں سوڈانی جاسوس تھے جنہیں یہ معلوم کرنے کے لیے عمرو درویش کے پیچھے بھیجا گیا تھا کہ وہ سکیم کے مطابق کر رہا ہے یا نہیں۔ عمرو درویش نے بڑی اچھی اداکاری کی تھی جس سے یہ دونوں مطمئن ہو کر چلے گئے۔

"یہ ڈاکو نہیں تھے۔" عمرو درویش نے خیمے میں جا کر آشی سے کہا۔ "چلے گئے ہیں۔"



"یہ ڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک تھے۔" آشی نے کہا۔ "تم نے انہیں بڑے اچھے طریقے سے ٹالا ہے۔" پھر بولی۔ "جنہوں نے تمہیں ادھر بھیجا ہے یہ ان کے جاسوس تھے۔" آشی نے کہا۔ "یہ تمہیں دیکھنے آئے تھے کہ تم انہیں دھوکہ تو نہیں دے رہے۔"

"تم انہیں جانتی ہو؟"

"میں انہی کے درخت کی ایک ٹہنی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "ان سے کٹ کر گر پڑی تو سوکھ جاؤں گی۔"

"مجھے تم سے بھی محتاط رہنا پڑے گا۔"

لڑکی ہنس پڑی اور بولی۔ "تم نے خود ہی مجھے انعام کے طور پر مانگا تھا۔"

☆

رات وہ خیمے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ آشی کی آنکھ کھل گئی۔ باہر بھیڑیے غرا رہے تھے۔ اونٹ ڈر کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور عجیب طریقے سے بولنے لگے۔ آشی نے عمرو درویش کو جگایا اور اُسے بتایا کہ وہ خوف کے مارے مر رہی ہے۔ عمرو درویش نے باہر کی آوازیں سنیں تو آشی سے کہا۔ "یہ بھیڑیے ہیں۔ قریب نہیں آئیں گے۔ اونٹ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ڈر نہیں۔ بھیڑیے ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔"

اچانک بھیڑیے آپس میں لڑ پڑے۔ ایسی خوفناک آوازیں تھیں کہ آشی چیخ مار کر عمرو درویش پر جا پڑی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے آشی کو اس طرح اپنی آغوش اور بازوؤں کی پناہ میں لے لیا جس طرح ماں ڈرے ہوئے بچے کو چھپا لیا کرتی ہے۔ لڑکی کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اُس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ بھیڑیے لڑتے لڑتے دُور چلے گئے تھے۔

عمرو درویش لڑکی کو پرے کرنے لگا اور کہا۔ "وہ چلے گئے ہیں۔ سو جاؤ۔"

"نہیں ...۔" آشی نے اس کی آغوش سے سر نہ اٹھایا۔ دبی سی آواز میں بولی۔ "ذرا دیر اور یہیں پڑے رہنے دو۔"

عمرو درویش کو یہ صورت پسند نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ اُسے اپنے حسین جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اور زیادہ پتھر بن گیا۔ لڑکی کا جسم بڑا ہی گداز اور بال بہت ہی ملائم تھے۔ اُس نے اتنی حسین لڑکی کو کبھی چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اب محسوس کرنے لگا کہ لڑکی اسی طرح اُس کی آغوش میں پڑی رہی تو وہ اس انگیخت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ وہ آخر انسان تھا اور تنومند مرد تھا۔ اس نے اپنے نفس کا مقابلہ شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے سر اٹھایا۔ تاریکی میں اُس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آ رہے تھے۔ اُس نے ہاتھوں سے عمرو درویش کا چہرہ ٹٹول کر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور کہا۔ "تم نے ایک رات مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ کون ہیں اور کہاں ہیں۔ یہی سوال تمہارے دوسرے ساتھی نے جو تم سے پہلے اُس کمرے میں آیا تھا مجھ سے پوچھا تھا۔ مجھے اُن کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا مگر یہ سوال مجھے پریشان کرتا رہا اور بہت ہی پرانی یادیں بیدار کرتا رہا۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا لیکن ذہن کے اندھیرے میں گم ہو جاتا تھا۔ آج یاد آ گیا ہے۔ تم نے مجھے اپنے بازوؤں میں

لے کر مجھے اپنی آغوش میں چھپا لیا تو میرے ذہن میں روشنی سی چمکی۔ اس نے مجھے بہت ہی پرانا وقت دکھا دیا۔ میں اُس وقت بہت چھوٹی تھی۔ مجھے باپ نے اسی طرح سینے سے لگا کر مجھے اپنے بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔"

وہ چپ ہو گئی۔ وہ یادوں کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اچانک بچوں کی سی شوخی سے بولی ۔" ہاں وہ میرا باپ تھا۔ ایسا ہی ریگستان تھا۔ معلوم نہیں رات تھی یا دن تھا۔ ہم ایک قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ بہت سے گھوڑ سوار آئے اور قافلے پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے پاس تلواریں اور برچھیاں تھیں۔ یہ ڈراؤنا سا خواب ہے جو آج تمہاری آغوش اور بازوؤں کی گرمی سے ذہن میں زندہ ہو گیا ہے۔ مجھے باپ نے تمہاری طرح پناہ میں لے لیا تھا..... یہ بھی یاد آ گیا ہے۔ میرے باپ کے بازو ڈھیلے پڑ گئے تھے اور وہ پیچھے کو گر پڑا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ماں بھی یاد آ گئی ہے۔ وہ میرے اُوپر گری تھی شاید مجھے بچانے کے لیے گری تھی..... پھر یاد آتا ہے کہ وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ مجھے خون بھی یاد آتا ہے۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اُٹھا لیا تھا اور کسی نے کہا تھا ۔' خالص ہیرا ہے۔ جوان ہوئی تو دیکھنا' ۔ مجھے اپنی چیخیں بھی یاد آ گئی ہیں۔ میں آج رات کی طرح چیخی تھی۔"

" دماغ پر زیادہ زور نہ دو" ۔ عمرو درویش نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ۔" میں ساری کہانی بوجھ گیا ہوں۔ تم مسلمان کی اولاد ہو۔ تم عرب یا فلسطین کی رہنے والی ہو۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اب بھی جو علاقے اُن کے قبضے میں ہیں وہاں وہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ وہ زر و جواہرات اور تم جیسی خوبصورت بچیوں کو لے جاتے ہیں۔ میں جان گیا ہوں تم یہاں تک کیسے پہنچی ہو۔"

" میں جب کچھ سوچنے سمجھنے لگی تو میں نے اپنے جیسی بہت سی بچیوں کو دیکھا" ۔ اُشی نے کہا ۔" ہمیں بہت اچھا کھانا اور بہت خوبصورت کپڑے پہنائے جاتے تھے۔ گورے گورے آدمی اور عورتیں ہم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ انہوں نے میرے ذہن سے ساری یادیں مٹا دی تھیں۔ میں وہیں بڑی ہوئی تھی۔ وہ یروشلم تھا۔ لڑکپن سے ہمیں بے حیائی کے سبق ملنے لگے۔ شراب بھی پلائی جاتی تھی۔ عربی زبان سکھائی گئی، پھر سوڈانی زبان سکھائی گئی۔ میں جب جوان ہوئی تو مجھے اس استعمال میں لایا جانے لگا جس میں تم نے مجھے دیکھا ہے۔ تیغ زنی اور تیر اندازی کی بھی بہت مشق کرائی گئی تھی..... آج تم نے مجھے خوفزدگی کی حالت میں پناہ میں لیا تو مجھے اچانک اپنا باپ یاد آ گیا۔ میرے متعلق اس کے جذبات پاک تھے اور تمہارے جذبات بھی پاک ہیں۔ اسی لیے میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے کچھ دیر اور اپنی آغوش میں پڑا رہنے دو۔ مجھے اپنے باپ کی آغوش کا لُطف آ رہا تھا۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری غلام رہوں گی۔ میں اب سوڈانیوں اور صلیبیوں کے کام نہیں آ سکوں گی۔ یہ تمہاری پاکیزہ خیالی اور نیک نیتی کا کرشمہ ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ تم نے میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون گرما دیا ہے۔ اب میں تمہیں یہ کام نہیں کرنے دوں گی جس کے لیے تم جا رہے ہو۔ تم نے میرے اندر ایمان کی قندیل روشن کر دی ہے۔"

" چند دن مجھے یہ کام کرنا پڑے گا" ۔ عمرو درویش نے کہا ۔" میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔"

" اور میں تمہاری مدد کروں گی۔"

☆ ☆

# طُور کا جلوہ

عمر درویش جب خیمہ اکھاڑ کر سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کو روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا تو وہ اس حسین و جمیل لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جو اُس کی ہمسفر تھی۔ لڑکی مسلمان تھی۔ اس حیثیت کی وجہ سے عمر درویش اُسے صلیبیوں کا آلۂ کار بنے رہنے سے باز رکھنا چاہتا تھا مگر وہ چار پانچ سال کی عمر میں صلیبیوں کے ہاتھ لگی تھی۔ انہوں نے بیس سال کا عرصہ صرف کر کے اُس پر جو رنگ چڑھا دیا تھا وہ اُتارنا آسان نہیں تھا۔ بیشک لڑکی نے اپنے ذہن میں اس حقیقت کو خود ہی دریافت کر لیا تھا کہ وہ مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہے اور اُس نے اپنے دل میں صلیبی آقاؤں کے خلاف نفرت پیدا کر کے عمر درویش سے کہا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گی مگر عمر درویش سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔

رات ایک ہی خیمے میں گزار کر صبح لڑکی نے عمر درویش سے پوچھا۔ "مجھے شک ہے کہ تم مجھے ابھی تک اپنا دشمن سمجھ رہے ہو؟"

"عورت کے جال میں اُلجھ کر مسلمان قوم نے بہت نقصان اٹھایا ہے آشی!" — عمر درویش نے جواب دیا۔ "تم بہت ہی خوبصورت ہو۔ تمہاری تربیت ایسی کی گئی ہے کہ تمہاری چال ڈھال بول چال اور انداز انسان کے اندر حیوان کو بیدار کر دیتا ہے۔ میں جوان ہوں۔ کئی سال میدانِ جنگ میں اور کچھ عرصہ سوڈان کے قید خانے میں جنگی قیدی کی حیثیت سے گزارا ہے۔ اتنی لمبی مدت گھر کی چار دیواری نہیں دیکھی۔ رات خیمے میں تم میرے ساتھ تنہا تھیں۔ میں رات بھر خدائے ذوالجلال سے مدد مانگتا رہا ہوں کہ میں حیوانیت کا مقابلہ کر سکوں۔ میں کامیاب رہا۔ خداوندِ دو عالم نے میری بہت مدد کی۔ پھر میں یہ سوچتا رہا کہ تمہیں اپنا دشمن سمجھوں یا دوست۔ میں اب بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میں ابھی تمہارا یہ شک رفع نہیں کر سکتا کہ میں تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ تمہیں ثابت کرنا ہے کہ تم قابلِ اعتماد ہو۔"

"میں تمہیں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم نے میرے سینے میں ایمان کی شمع روشن کر دی ہے" — آشی نے کہا۔ "اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم اگر اس مہم میں جس پر تمہیں سوڈانیوں نے بھیجا ہے، سوڈانیوں کو دھوکہ

دینا چاہو گے تو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ میری جان بھی چلی جائے تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ یہ میں نے ہی تمہیں
بتایا تھا کہ یہ جو دو آدمی تمہارے رہبر بن کر آئے ہیں وہ اصل سوڈانیوں کے جاسوس ہیں۔"

"مجھے سوچنے دو آشی!" — عمرو درویش نے کہا۔ "میں جان گیا ہوں، میرے ارد گرد جاسوسوں کا جال
بچھا ہوا ہے۔ میں تمہیں بھی اس جال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔ تم ابھی اس طرح کرنا جس طرح تمہیں بتایا گیا ہے۔
میں بھی اسی سبق اور ہدایت پر عمل کروں گا جو مجھے دی گئی ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے
جا رہا ہوں مگر میں اس مہم سے انحراف بھی نہیں کر سکتا۔ میں انحراف کا نتیجہ جانتا ہوں کیا ہوگا۔ وہ تین تیروں کے
رُخ ہر لمحہ میری طرف رہتے ہیں۔ میں انہیں اُس وقت دیکھ سکوں گا جب یہ میرے سینے میں اُتر جائیں گے۔"

"میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی" — آشی نے کہا — "میں ثابت کروں گی کہ میری رگوں میں مسلمان
باپ کا خون ہے۔"

وہ اونٹوں پر سوار مسلمانوں کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ تیسرے اونٹ پر اُن کا خیمہ اور دیگر سامان
تھا۔ آشی جو نیم عریاں رہتی تھی، سیاہ کپڑوں میں ملبوس اور اُس کا چہرہ مستور تھا۔ دیکھنے والا کہہ نہیں سکتا تھا کہ
یہ بدبخت لڑکی صلیبیوں کا ایک خوبصورت تیر ہے جو پتھر جیسے انسان کے دل میں اُتر جائے تو وہ موم ہو کر صلیبیوں
کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ دور ایک گھوڑ سوار اُسی سمت جا رہا تھا جدھر یہ دونوں جا رہے تھے۔ عمرو درویش
نے اس سوار کو کئی بار دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سوڈانیوں کے اُن جاسوسوں میں سے ہی ہوگا جو اس کے ساتھ
سائے کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ یہ شک اُسے پریشان کر رہا تھا کہ یہ صحرائی رہزنوں کا کوئی آدمی ہُوا تو وہ کیا کریگا۔

"آشی!" — اُس نے اپنی ہمسفر سے کہا — "اس سوار کو دیکھ رہی ہو جو اُفق پر جا رہا ہے؟"

"بہت دیر سے دیکھ رہی ہوں۔"

"اگر یہ رہزنوں کے گروہ کا ہُوا تو کیا ہم مقابلہ کر سکیں گے؟"

"ہمارے پاس ہتھیار ہیں۔" — آشی نے دلیرانہ جواب دیا — "رات کو سوتے میں ہم پر آ پڑے تو میں کچھ
نہیں کہہ سکتی۔ دن کے وقت ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ تمہارے ساتھ میں ہی ایک دولت ہوں۔ وہ مجھے زندہ
نہیں لے جا سکیں گے۔"

صحرائے ان خطروں میں وہ چلتے گئے۔ سورج اُوپر آ کر مغرب کی طرف نیچے جاتا رہا اور انہیں پہاڑیاں نظر آنے
لگیں۔ بلند پہاڑیاں تو دُور تھیں، یہ علاقہ جہاں سے شروع ہوتا تھا وہ جگہ دُور نہیں تھی۔ اونٹ چلتے گئے اور وہ
علاقہ آ گیا جہاں عمرو درویش کو اپنی مہم کا آغاز کرنا تھا۔ مسلمانوں کا پہلا گاؤں تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ عمرو درویش خود
بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ گھوڑ سوار جو دُور دُور جا رہا تھا، رُخ بدل کر ادھر آ گیا اور ان سے آن ملا۔

"تمہارا قیام اس جگہ ہوگا" — گھوڑ سوار نے عمرو درویش سے کہا — "تم مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں جانتا
ہوں۔" اُسے دیکھ کر آشی نے چہرے سے نقاب اُٹھا دیا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔ سوار نے اس سے پوچھا
— "سفر اچھا گزرا؟"



"بہت اچھا" — آشی نے بیباک مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"تم دونوں گھبرانا نہیں" — سوار نے انہیں کہا — "تمہارے سفر کے دوران تمہاری حفاظت کا ایسا انتظام
ساتھ ساتھ رہا ہے جسے تم دونوں دیکھ نہیں سکے ورنہ اتنی خوبصورت لڑکی یہاں تک نہ پہنچ سکتی۔"

"تم کون ہو؟" — عمرو درویش نے اس سے پوچھا۔

"سوڈانی مسلمان" — سوار نے جواب دیا۔ اُس نے کہا — "اب یہ نہ سوچو کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں۔ تم بھی
میری طرح اسی علاقے کے مسلمان ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہاں ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو یہاں کے مسلمان ہماری
بوٹیاں اڑا دیں گے" — سوار نے آگے ہو کر رازداری سے کہا — "اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کام میں کوئی گڑ
بڑ کی تو بغیر اطلاع قتل ہو جاؤ گے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے یہاں تمہیں کیا کرنا ہے۔ آج رات تم آرام کرو گے۔ کل
تمہارے پاس یہاں کے لوگ آنے لگیں گے۔ آشی کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

عمرو درویش کو سب کچھ معلوم تھا۔ اُسے اس علاقے کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے
خلاف نفرت پھیلانی تھی اور مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا کر انہیں اُس سوڈانی فوج میں بھرتی ہونے کے لیے
تیار کرنا تھا جسے مصر پر حملہ اور قبضہ کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ وہاں وقت
ان دنوں مصر پر یلغار تھا۔ صلیبیوں کا یہ منصوبہ تھا کہ سوڈانی فوج کو تیار کر کے مصر پر حملہ کیا جائے مگر سوڈانی مسلمان
کے جنگجو قبیلے سوڈان کے باشندے ہونے کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی کے معتقد اور مرید تھے۔
عمرو درویش ان کے عقیدوں کو نہس نہس کرنے آیا تھا۔

سورج غروب ہو گیا تھا جب عمرو درویش نے اس سوار کی مدد سے خیمہ گاڑ لیا۔ سوار نے جانے سے پہلے کہا۔
"کل شاید مجھے تمہارے ساتھ الگ بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ لوگ صبح سویرے یہاں آ جائیں گے" — اُس
نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا — "شام کو دھندلاہٹ میں بھی وہ اوپر تمہیں چھاتے کی طرح درخت نظر
آ رہا ہوگا۔ اُسے یاد رکھنا۔ کل رات تمہیں اُدھر مشعل کا اشارہ کرنا ہے۔ کل جو کپڑا تمہیں استعمال کرنا ہے اُسے صبح تیار
کر لینا۔۔۔ میں جا رہا ہوں۔ اب ذرا ذرا سی حرکت میں بھی احتیاط کرنا۔"

وہ لڑکی کو اشارے سے باہر لے گیا اور اُسے کہا — "تمہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں کے مسلمان
وحشی ہیں۔ ہم تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں لیکن تمہیں اپنی حفاظت خود زیادہ کرنی ہوگی۔ اس آدمی کو اپنے
قبضے میں رکھنا۔" اُس نے لڑکی کے شانوں پر بکھرے ہوئے بالوں کو چھیڑ کر اور ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لا کر کہا۔
"ان حسین زنجیروں میں تو تم شیر کو بھی جکڑ سکتی ہو۔"

"تم بھی تو یہیں کے مسلمان ہو" — آشی نے طنزیہ کہا — "تم وحشی نہیں ہو؟"

"تمہیں دیکھ کر کون وحشی نہیں ہو جاتا" — اُس نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شام کے گہرے ہوتے
اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

☆

یہ سوار ان مسلمانوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان بیچ ڈالا تھا۔ اور دشمن کے اس زمین دوز حملے کی قیادت کر رہا تھا جو سیدھے سادے مسلمانوں کے عقیدے پر کیا جا رہا تھا۔ وہ اسی علاقے کے کسی گوشے کا رہنے والا تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ قوم کی آستین کا سانپ ہے۔ اس حملے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ یہ آٹھ دس مسلمانوں کا گروہ تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ایک گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک اور آدمی مل گیا۔ وہ اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" اُس نے سوار سے پوچھا۔

"ہے تو سب ٹھیک" سوار نے جواب دیا۔ "کسی بھی وقت معاملہ چوپٹ ہو سکتا ہے۔ اگر صلیبیوں نے یہ پکے سبق پڑھائے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ لڑکی کے تیور بدلے ہوئے لگتے ہیں۔ وہ کچھ کبھی کبھی اور خاموش خاموش نظر آتی ہے۔"

"آشی تو کہتے ہیں بہت ہوشیار اور تیز لڑکی ہے۔"

"شاید سفر کی تھکن سے تیزی ماند پڑ گئی ہو" سوار نے کہا۔ "عمرو درویش بھی تو وحشی ہے۔"

وہ باتیں کرتے گاؤں میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سوار اور ساتھی اُن کے پاس رک گئے۔ بتایا کہ وہ مسافر ہیں اور اپنے گاؤں کو جا رہے ہیں۔ اپنے گاؤں کا نام بھی بتایا اور حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ "یہاں سے تھوڑی دور ایک بزرگ آترا ہوا ہے۔ صرف خدا کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ دن کے وقت بھی دائیں اور بائیں دو مشعلیں جلا کر رکھتا ہے۔ ہم اسے دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ زبانی پڑھتا ہے۔ اس نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ ہم نے اسے بلایا۔ وہ نہیں بولا۔ اس کے خیمے کے قریب سے زمین سے دھوئیں کا بادل اٹھا بادل اوپر جا کر غائب ہو گیا اور اس میں سے ایک لڑکی نکلی جس کے حسن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم ڈر گئے کیونکہ لڑکی انسان نہیں جن معلوم ہوتی تھی ان نے بزرگ کے آگے سجدہ کیا۔ سجدہ سے اٹھ کر کان بزرگ کے منہ سے ساتھ لگایا۔ بزرگ کے ہونٹ ہلے۔ لڑکی ہمارے سامنے آن کھڑی ہوئی....

"ہم ڈر کر بھاگنے لگے لیکن زمین نے ہمیں پکڑ لیا۔ شاید لڑکی کی آنکھوں نے ہمیں جکڑ لیا۔ اس نے ہمیں کہا۔۔۔ یہ خدا کا ایلچی ہے۔ تم سب کے لیے پیغام لایا ہے۔ اسے پریشان نہ کرو۔ یہ اس وقت خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ کل آؤ۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو تم سب کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں ابھی ابھی کوہ طور سے آئی ہوں۔ اس نے بلایا تھا۔ اس نے میرے کان میں کہا ہے کہ ان سے کہو کہ تمہاری تقدیر بدل دوں گا۔ بے صبر ہو جاؤ گے تو کہیں اور چلا جاؤں گا۔۔۔ ہم لڑکی کے ساتھ بات نہیں کر سکے۔ ہمارے جسم پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ہم کچھ بھی نہیں بول سکے بزرگ کی طرف دیکھا تو اس کے سر پر نور کا ہالہ تھا۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔"

اُن کا لہجہ سنسنی خیز تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اُن پر حیرت اور خوف طاری ہے۔ انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ حیرت انگیز بات جذبات کو ہلا دیتی ہے۔ سنسنی سرور دیتی ہے۔ یہی حال ان دو سننے والوں کا ہُوا۔ انہوں نے دو گھروں کے دروازوں پر دستک دے کر دو تین آدمیوں کو بلا لیا اور جو انہوں نے سنا تھا وہ انہیں سنا



دیا۔ سوار اور اس کے ساتھی نے دل پسند اور لذیذ سے اضافے بھی کر دیئے۔ لڑکی کا حسن اپنے الفاظ میں بیان کیا کہ سننے والے خدا اور قرآن کی بجائے اور اس بزرگ کی بجائے اپنے دماغوں پر لڑکی کو سوار کرنے لگے۔ ان آدمیوں نے سوار اور اس کے ساتھی کو یہاں ٹھہرا لیا۔ دوسرے گھروں کے آدمی بھی آ گئے۔

✡

ابھی سورج نہیں نکلا تھا جب اس گاؤں کے تمام آدمی سوار اور اس کے ساتھی کی راہنمائی میں اس جگہ کو روانہ ہو گئے جہاں عمرو درویش اور آشی نے خیمہ لگا رکھا تھا۔ خیمے کے سامنے چمڑے سے قالین پر عمرو درویش آلتی پالتی مارے بیٹھا، آنکھیں بند کیے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ ایک ڈنڈا اس کے دائیں طرف اور ایک بائیں طرف زمین میں گڑا ہُوا تھا۔ ان کے اوپر والے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپٹے ہوئے تھے جو جل رہے تھے۔ یہ مشعلیں تھیں۔ جب گاؤں والے وہاں پہنچے تو عمرو درویش سے آٹھ دس قدم دُور تین آدمی کھڑے تھے۔ گاؤں کے لوگ آئے تو ان تینوں کے پاس رک گئے۔

ان تینوں میں سے ایک نے کہا۔ "میں آگے جا کر بزرگ سے بات کرتا ہوں" ۔۔۔ وہ تین چار قدم آگے گیا تو یوں پیچھے کو پیٹھ کے بل گرا جیسے آگے سے آ کے کسی نے دھکا دیا ہو۔ وہ اُٹھ کر لوگوں میں جا کھڑا ہُوا۔ خوف سے وہ کانپ رہا تھا۔ اس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "آگے نہ جانا۔ مجھے کسی نے آگے سے دھکا دیا ہے۔ یہ کوئی جن تھا جو مجھے نظر نہیں آیا۔"

دوسرے دو نے کہا۔ "ہم آگے جاتے ہیں۔ تم ڈر کر گر پڑے تھے" ۔ وہ دونوں اکٹھے آگے گئے۔ تین چار قدم گئے تو دونوں پہلے آدمی کی طرح پیٹھ کے بل گرے۔ جلدی سے اُٹھے۔ لوگ ڈر گئے۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اس بزرگ نے پہرے پر جنات کھڑے کر رکھے ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔

خیمے سے ایک لڑکی نکلی۔ یہ آشی تھی۔ اُس نے سیاہ ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ ٹھوڑی اور منہ باریک پردے میں تھے۔ آنکھیں ننگی تھیں۔ سر سیاہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بال شانوں سے ہوتے ہوئے سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ تھی مستور لیکن لباس ایسا تھا کہ نیم عریاں لگتی تھی۔ اس پہاڑی علاقے کے لوگوں نے اس قسم کی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اُسے جنات میں سے سمجھ رہے تھے۔ اس کی چال بھی نرالی اور دلکش تھی۔ آشی نے عمرو درویش کے آگے سجدہ کیا۔ سجدے سے اُٹھ کر کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ اس کے ہونٹ ہلے۔ آشی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم لوگ وہیں کھڑے رہو" ۔۔۔ آشی نے لوگوں سے کہا۔ "کوئی آدمی آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔ خدا کے ایلچی نے پوچھا ہے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ تم وہیں کھڑے کھڑے بات کر سکتے ہو۔"

ان تین آدمیوں میں سے جو آگے گئے اور گر پڑے تھے وہ ایک آدمی بلند آواز سے بولا۔ "اے خدا کی طرف سے آنے والے! کیا تو آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے؟"

"پوچھ کیا پوچھتا ہے؟" ۔۔۔ عمرو درویش نے گھوری سی آواز میں کہا۔

"کیا ہم اس خطے کو اسلام کی ریاست بنا سکیں گے جو سوڈان کی غلام نہ ہو؟" — اس آدمی نے پوچھا۔

عمرو درویش نے غصے سے زمین پر ہاتھ مارا۔ آشی دوڑ کر اُس کے پاس جا بیٹھی اور کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ عمرو درویش کے ہونٹ ہلے۔ آشی اُٹھ کر لوگوں سے مخاطب ہوئی۔

"خدا کے ایلچی نے کہا ہے کہ پانی کو آگ لگ جائے تو اس خطے کو تم اسلامی ریاست بنا لو گے جو سوڈان کی غلام نہیں ہوگی" — آشی نے کہا — "کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر انڈیل دو۔"

عمرو درویش سے ذرا پرے ایک کپڑا اس طرح پڑا تھا جس طرح کسی نے لباس اُتار کر گٹھڑی کی صورت رکھ دیا ہو۔ انہی تین آدمیوں میں سے جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے، ایک آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا چھوٹا سا مشکیزہ تھا۔ اس نے کہا — "میرے پاس پانی ہے۔ میں سفر میں ہوں اس لیے پانی ساتھ رکھا ہے۔"

اُس نے آگے جا کر مشکیزے کا منہ کھولا اور کپڑے پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا۔

آشی نے زمین سے مشعل اُٹھا کر عمرو درویش کے ہاتھ میں دے دی۔ عمرو درویش نے آسمان کی طرف منہ کر کے ہونٹ ہلائے جیسے سرگوشی کی ہو، پھر اُس نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے ساتھ لگا دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ پانی سے بھیگا ہوا کپڑا جل اُٹھے گا مگر ہوا یوں کہ جونہی مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب گیا تو کپڑا بھڑک اُٹھا اور تمام تر کپڑا ایک شعلہ بن گیا۔ کئی ایک آدمیوں کے منہ سے حیرت زدہ آوازیں نکلیں — "اللہ" — اُن کی نظروں کے سامنے پانی جل رہا تھا۔

"خدا کے اشارے کو سمجھو لو" — عمرو درویش نے کہا — "اور مجھے غور سے دیکھو میں کون ہوں۔ میں تم میں سے ہوں" — اُس نے اپنے گاؤں کا نام لے کر کہا — "میں اسی علاقے کا رہنے والے ہاشم درویش کا بیٹا ہوں۔ میں نبی نہیں۔ میں پیغمبر نہیں۔ خدا اپنا آخری نبی بھیج چکا ہے" — اُس نے اپنی انگلیاں چوم کر اور آنکھوں سے لگا کر کہا — "میں بھی تمہاری طرح خدا کے آخری رسولؐ کا پروانہ ہوں۔ مجھے خدا نے روشنی دکھائی اور حکم دیا ہے کہ یہ روشنی اُن کے پاس لے جاؤ جو اندھیرے میں ہیں۔"

وہ ایسے لہجے میں بول رہا تھا جیسے اُس پر وجد کی کیفیت طاری ہو۔ اُس نے کہا — "میرے گاؤں میں جا کر پوچھو۔ میں صلاح الدین ایوبی کا کماندار ہوں۔ میں اُس فوج کے ساتھ تھا جس نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ اس فوج کا حملہ ناکام رہا۔ ہم سب کو افسوس ہوا۔ تم سب کو افسوس ہوا ہوگا لیکن خدائے ذوالجلال نے مجھے مصری فوج کی لاشوں سے اٹھایا اور مجھے اشارہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کیوں شکست ہوئی۔ میرا افسوس خوشی میں بدل گیا۔ میں نے ایک درخت کی شاخوں میں خدا کا نور دیکھا۔ یہ ایک روشنی تھی جیسے ایک ستارہ آسمان سے اُتر کر درخت کی شاخوں میں اٹک گیا ہو۔ اس ستارے میں سے آواز آئی — 'آگے دیکھ، پیچھے دیکھ، دائیں دیکھ، بائیں دیکھ'...

"میں نے ہر طرف دیکھا۔ آواز آئی — 'کوئی انسان تجھے زندہ نظر آتا ہے؟' — مجھے ہر طرف لاشیں نظر آئیں۔ یہ سب میرے ساتھیوں کی لاشیں تھیں۔ حالت سب کی بہت بُری تھی۔ زخمی بہت کم تھے۔ زیادہ سپاہی پیاس سے مرے تھے۔ یہ سب لڑے تھے۔ ستارے کی روشنی سے آواز آئی — 'کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہاری تلواریں کند



ہو گئی تھیں؟... کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے تیروں کی کوئی رفتار ہی نہیں تھی؟ کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے؟'...

"تب مجھے یاد آیا کہ میں نے سب کچھ دیکھا تھا جو روشنی کی صدا نے مجھے بتایا تھا۔ میری تلوار کی کاٹ اتنی بھی نہیں رہی تھی کہ خراش بھی ڈال سکتی۔ میں نے اپنے تیر دیکھے تھے جو ہوا میں یوں جاتے تھے جیسے ہوا کے جھونکوں سے گھاس کے خشک تنکے اُڑ رہے ہوں۔ ہمارے گھوڑے چلتے نہیں تھے۔ ریگزار نے سورج کی ساری آگ لے لی اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھسم کر دیا۔ میں بھی جلی ہوئی لاش تھا۔ ستارے سے ایک شرارہ آیا۔ میری آنکھوں میں اُترا اور میرے وجود میں اُتر گیا۔ آواز آئی — 'ہم نے تجھے دوسری زندگی عطا کی۔ ہم سے پوچھ ہم نے یہ کرم کیوں کیا؟' — میں نے پوچھا۔ آواز نے جواب دیا — 'ہمیں مسلمانوں سے محبت ہے۔ مسلمان میرے رسولؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے حضور رکوع و سجود کرتے ہیں۔ جن کی یہ لاشیں ہیں، انہیں ہم نے عبرت کا سامان بنایا ہے کہ یہ بھٹک گئے تھے، اور جو بھٹک رہے ہیں انہیں ہم سیدھا راستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہم نے تجھے منتخب کیا ہے کہ تو ہر صبح قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ جا ہم نے تجھے روشنی دی ہے۔ یہ میرے مسلمان بندوں کو دکھا'...

"میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ میں نے کہا — 'اے میرے رب کے نور! مجھے پوری بات بتا اور بتا کہ میری بات کون مانے گا، کس طرح مانے گا۔ مجھے بتا کہ ہماری تلواریں کند کیوں ہو گئی تھیں؟ تیروں کی رفتار کہاں گئی تھی؟' روشنی کی آواز نے کہا — 'وہ تلوار کند ہو جاتی ہے جس کا وار اپنی ماں پر کیا جاتا ہے۔ وہ تیر کھجور کا سوکھا تنکا بن جاتا ہے جو اپنی ماں کے سینے پر چلایا جاتا ہے۔ تُو نہیں جانتا کہ ماں کون ہے۔ وہ سرزمین جس نے تجھے جنم دیا ہے اور جس کی مٹی میں تُو کھیل کر جوان ہوا ہے، تیری ماں ہے۔ جا، سوڈان کے مسلمانوں سے کہہ کہ سوڈان کی زمین تمہاری ماں ہے۔ اس سے محبت کرو۔ اس کی مٹی میں جنت ہے۔ اس جنت کو فتح کرنے کے لیے باہر کا کوئی مسلمان بھی آئے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ تُو نے دوزخ دیکھ لیا ہے۔ جا، اپنے کلمہ گو سوڈانی بھائیوں کو بتا کہ تمہاری ماں، تمہاری جنت اور تمہارا کعبہ سوڈان ہے'..."

"اے برگزیدہ ہستی کہ جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے!"... ایک آدمی نے کہا — "کیا تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم سوڈان کے اس بادشاہ کے وفادار ہو جائیں جو ہمارے رسولؐ کو نہیں مانتا؟" — یہ آدمی اُن تینوں میں سے ایک تھا جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے۔

"خدا کی آواز نے کہا ہے کہ یہ بادشاہ جو کافر ہے مسلمان ہو جائے گا" — عمرو درویش نے جھومتی ہوئی اثر انگیز آواز میں کہا — "وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اس کی فوج کافروں کی ہے اس لیے وہ خدا اور رسولؐ کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ، تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اُسے بتاؤ کہ تم اُس کے محافظ ہو، تم سوڈان کے بیٹے ہو... میں نے خدا سے کہا کہ میری زبان سے یہ بات کوئی نہیں مانے گا۔ میرے مسلمان بھائی مجھے قتل کر دیں گے۔ خدا کی آواز جو درخت کے پتوں میں اٹکی ہوئی روشنی سے آ رہی تھی

نے کہا۔ "ہمارے سوا پانی کو کون آگ لگا سکتا ہے. جا، ہم نے یہ طاقت تجھے اس شہادت کے لیے دے دی کہ لوگ تیری آواز کو ہماری آواز سمجھیں. کوئی انسان پانی کو آگ نہیں لگا سکتا۔۔۔۔۔ پھر روشنی سے آواز آئی ۔۔۔ اگر تیری آواز کو لوگ پھر بھی باطل جانیں تو انہیں رات کو اپنے پاس بلا. میں انہیں وہی جلوہ دکھاؤں گا جو موسیٰ کو طور پر دکھایا تھا۔۔۔۔

"کیا تم طور کا جلوہ دیکھ کر حق کی آواز کو مانو گے؟" ۔۔۔ عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہاں، اے خدا کے ایلچی!" ۔۔۔ ان تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا ۔۔۔ "اگر تو ہمیں طور کا جلوہ دکھا دے تو ہم تیری آواز کو خدا کی آواز مان لیں گے۔"

"جاؤ" ۔۔۔ عمرو درویش نے زمین پر غصے سے ہاتھ مار کر کہا ۔۔۔ "چلے جاؤ. اُس وقت آنا جب سورج اپنے شعلے پہاڑوں کے پیچھے لے جائے گا اور آسمان پر ستاروں کی قندیلیں روشن ہو جائیں گی. جاؤ۔"

☆

لوگ جب واپس گئے تو ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں تھا. جاتے جاتے وہ چار چار، پانچ پانچ کی ٹولیوں میں ہو گئے۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں اُبھر آئیں. عقیدے دب گئے۔ جذبے سرد ہو گئے۔ جذبات بھڑک اُٹھے۔ یہ سیدھے سادے پسماندہ لوگ تھے. سنسنی خیزی نے اُن کی عقل کا رُخ پھیر دیا. عمرو درویش کے الفاظ میں کچھ اثر تھا یا نہیں، لوگوں نے اُس اثر کو قبول کیا جو اُس کی آواز میں اور اُس کے بولنے کے انداز میں تھا. ان لوگوں میں سے اگر کسی نے شک کا اظہار کیا تو کسی نہ کسی نے کہہ دیا ۔۔۔ "کیا تم پانی کو آگ لگا سکتے ہو؟" ۔۔۔ ابھی رات کو طور کا جلوہ دیکھنا باقی تھا. یہ لوگ آتشی کو جن سمجھ رہے تھے جس کا انہوں نے صاف الفاظ میں اظہار کیا.

یہ وہ مسلمان تھے جنہوں نے سوڈان کی غیر مسلم شہنشاہی کو خوفزدہ کر رکھا تھا. سوڈان کی فوجوں کو انہوں نے اس پہاڑی خطے میں بے بس کر کے پسپا کر دیا تھا. وہ خدا اور رسولؐ کے پرستار اور صلاح الدین ایوبی کے شیدائی تھے. سوڈان کے باشندے ہوتے ہوئے وہ اپنے کوہستانی خطے کو آزاد اسلامی ریاست کہتے تھے، مگر الفاظ کی سنسنی، اور چاشنی اور وجد آفرینی نے انہیں راہ سے بے راہ کر دیا اور اُن کی سوچیں بھٹکنے لگیں. جنہوں نے فوجوں کو پسپا کیا تھا اُن کے عقیدے پر صرف ایک انسان نے دلکش وار کیا تو اُن کے ہتھیار گر پڑے. یہ لوگ جدھر گئے افواہیں پھیلاتے گئے۔ انہوں نے جو دیکھا اور جو سنا تھا اسے اور زیادہ دلنشیں بنانے کے لیے اضافے کرتے گئے۔

"مجھے یہ خدشہ پریشان کر رہا ہے کہ سوڈانی مسلمان سنسنی خیز توہمات کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے" ۔۔۔

یہ آواز سلطان صلاح الدین ایوبی کی تھی جو سوڈان سے دُور، بہت ہی دُور فلسطین کی دہلیز پر ایک چٹان کے دامن میں اپنے مشیروں اور سالاروں کے درمیان بیٹھا تھا. العادل کا بھیجا ہُوا قاصد اُس کے پاس پہنچ گیا تھا. اُس نے العادل کا پیغام پڑھ لیا تھا. مصر کی انٹیلی جنس (شعبہ جاسوسی اور سراغرسانی) نے سوڈانی مسلمانوں کے متعلق پوری اطلاع مصر کے قائم مقام امیر العادل کو دی تھی جو العادل نے سلطان ایوبی کے نام ایک پیغام میں لکھ بھیجی تھی. اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ علی بن سفیان تاجروں کے بھیس میں سوڈان جا رہا ہے. پیغام میں العادل



نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی خطے میں اپنے چھاپہ مار بھیجے جائیں یا نہیں۔ اُس نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہم چھاپہ مار چوری چھپے بھیجیں گے۔ اگر سوڈانی حکومت کو پتہ چل گیا تو کھلی جنگ ہو سکتی ہے جب کہ ہماری زیادہ تر فوج عرب میں لڑ رہی ہے. پیغام میں تفصیل سے لکھا گیا تھا کہ سوڈانی حکومت مسلمانوں کو اپنا وفادار بنانے کے لیے ہمارے جنگی قیدیوں کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھ کر اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں اور مشیروں کو سنایا اور کہا ۔۔۔ "سوڈان کے یہ مسلمان سوڈان کی فوج کے لیے قہر الٰہی ہیں. تم سب دیکھ رہے ہو کہ ان میں سے جتنے ہماری فوج میں ہیں، وہ کس بے جگری اور جذبے سے لڑتے ہیں مگر دشمن جب انہیں طلسماتی الفاظ میں اُلجھاتا اور ذہن کو خیالی عیاشی کی طرف مائل کرتا ہے تو وہ ریت کے بُت بن جاتے ہیں. العادل نے لکھا تو نہیں کہ صلیبی سوڈان کے مسلمان علاقے میں کردارکشی اور ذہنی تخریب کاری کر رہے ہیں لیکن تم سب صلیبیوں کو جانتے ہو. وہ اس فن کے ماہر ہیں. مجھے معلوم ہے کہ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر موجود ہیں. وہ ذہنی تخریب کاری ضرور کریں گے۔"

سلطان ایوبی نے العادل کے قاصد کو کھانے اور آرام کے لیے بھیج دیا اور کاتب کو بلا کر پیغام کا جواب لکھوانے لگا. اُس نے لکھوایا:

"میرے عزیز بھائی۔ العادل!

خدائے عزوجل تمہارا حامی و ناصر ہو. تمہارے پیغام نے سوڈان کے مسلمانوں کے متعلق صورتِ حال واضح کر دی ہے. تمہیں حیران نہیں ہونا چاہیے. تم جانتے ہو کہ کفار اسلام کا خاتمہ چاہتے ہیں. وہ ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈہ استعمال کر رہے ہیں. میں اس اقدام کی تعریف کرتا ہوں کہ علی بن سفیان سوڈان چلا گیا ہے اور تم نے اُسے جانے کی اجازت دی ہے. اللہ علی بن سفیان کی مدد کرے. وہ نہایت ہوشیار اور مستعد سراغرساں ہے. پتھروں کے اندر سے بھید بھی نکال لاتا ہے. وہ واپس آ کر تمہیں بتائے گا کہ وہاں کی صورتِ حال کیا ہے اور اس کے مطابق کیا کارروائی کرنی چاہیے......

تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سوڈان کے مسلمانوں کو چھاپہ ماروں کی مدد دی جائے یا نہیں. تم نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا ہے کہ چھاپہ مار بھیجے تو سوڈانی جوابی کارروائی کریں گے جو کھلی جنگ کی بھی صورت اختیار کر سکتی ہے. تم نے اچھا کیا ہے کہ میری اجازت ضروری سمجھی ہے، لیکن میں تمہیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کبھی حالات ہنگامی ہو جائیں تو میری اجازت لینے میں وقت ضائع نہ کرنا. تمہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر کے مسلمانوں کے ہاں پناہ لی اور اسلام قبول کر لیا ہے، اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈانی ہمارے قیدیوں کو ہمارے خلاف تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہمارے اسحاق نامی ایک کماندار کی بیوی اور بیٹی تک کو انہوں نے دھوکے سے اغوا کرنے کی کوشش کی ہے تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا کہ سوڈانی مسلمانوں میں کچھ غدار بھی ہیں. ان حالات میں تمہیں فوری طور پر چھاپہ مار دوں

کی کچھ نفری تاجروں اور مسافروں کے بھیس میں سوڈانی سرحد میں داخل کر دینی چاہیے تھی۔ تاہم علی بن سفیان کا چلے جانا قابلِ تعریف ہے۔۔۔۔

"میرے عزیز بھائی! یہ الگ مسئلہ ہے کہ ہمارے پاس فوج تھوڑی ہے اور ہم دوسرا محاذ کھولنے کے قابل نہیں لیکن قرآن کے اس فرمان سے گریز نہ کرو کہ کسی بھی خطے میں مسلمانوں پر کفار ظلم و تشدد کر رہے ہوں یا انہیں لالچ سے یا دھوکے سے عقیدوں سے گمراہ کر رہے ہوں اور ان کا قومی وقار اور دین و ایمان خطرے میں ڈال دیا گیا ہو تو تمام دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ اسلام کے تحفظ کے لیے ہم کسی بھی ملک کی سرحد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے سوڈانی مسلمانوں کو اپنے چھاپہ مار دے رکھے ہیں جو اُن کے ساتھ کاشت کاروں کے رُوپ میں رہتے ہیں۔ ہم سوڈانی مسلمانوں کو جنگی سامان بھی دے چکے ہیں۔ اگر تم ضرورت محسوس کرو تو انہیں اور زیادہ مدد دو۔۔۔۔

"اگر سوڈانی اپنی سرحد بند کرنے کے لیے مصر پر فوج کشی کریں تو گھبرا نہ جانا۔ تم تھوڑی سی فوج سے کئی گنا فوج کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ تم اُن کا ایک حملہ تباہ کر چکے ہو۔ دوسرا بھی تباہ کر لو گے۔ سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ دشمن کو وہاں گھسیٹ لینا جہاں تم کم تعداد سے زیادہ نقصان کر سکو۔ چھاپہ ماروں کا استعمال زیادہ کرنا اور دشمن کی رسد کاٹنے کا انتظام کرنا۔ تمہاری آدھی جنگ علی بن سفیان کے جاسوس جیت لیں گے۔ لیکن مجھے توقع نہیں کہ سوڈانی حملے کی حماقت کریں گے۔ اگر ان کے صلیبی مشیروں نے عقل سے کام لیا تو وہ حملے کی بجائے اپنے پہاڑی علاقے کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔ اگر مسلمان اُن کے وفادار ہو گئے اور اُنکی فوج میں شامل ہو گئے تو وہ ہر خطرہ مول لے سکتے ہیں۔ اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ مسلمان اُنکی ذہنی تخریب کاری کا شکار نہ ہوں۔۔۔۔

میں وہی بات دہراؤں گا جو سو بار کہہ چکا ہوں۔ مسلمان میدانِ جنگ میں شکست دیا کرتا ہے، شکست کھایا نہیں کرتا، مگر اس کے جذبات میں جب حیوانی جذبہ بیدار کر دیا جاتا ہے تو وہ تلوار اتار پھینکتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کو جب بھی زوال آیا اسی جذبے کی بدولت آئے گا۔ ہمارا دشمن ہماری قوم میں یہی آگ بھڑکا رہا ہے۔ اس طرح ہم بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ ایک زمین کے اُوپر ہے دوسرا زمین کے نیچے۔ ہمارا دشمن ہمیں زہر میں بجھے ہوئے تیروں سے نہیں مار سکا، وہ اب ہمیں زبان کی مٹھاس اور الفاظ کے جادو سے بیکار اور مفلوج کر رہا ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک محاذ ہے۔ ہوشیار رہنا میرے عزیز بھائی!۔۔۔۔

"یہاں کے حالات سازگار ہیں۔ دشمن بُری طرح بکھرا ہوا ہے۔ میں اُسے مرکزیت اور اجتماع کی مہلت نہیں دوں گا۔ اللہ کی مدد شاملِ حال رہی تو میں حلب لے لوں گا۔ مقابلہ شاید اب بھی سخت ہو لیکن میں نے کچھ اور انتظامات کر لیے ہیں۔ صلیبی ابھی سامنے نہیں آئے شاید ابھی سامنے آئیں گے بھی نہیں۔ وہ بھائیوں کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھ رہے ہیں، مگر اُن کا دشمن آپس میں ہی لڑ لڑ کر مر جائے تو انہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔

"اللہ تمہاری مدد کرے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم گھبراؤ گے نہیں۔ خدا حافظ!"

☆



جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ پیغام قاصد کو دے کر روانہ کیا اُس وقت عمرو درویش کے خیمے میں وہ تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو لوگوں کے ہجوم میں آگے ہو کر عمرو درویش کی طرف بڑھے تھے مگر اس طرح پیچھے کو گر پڑے تھے جیسے کسی نے انہیں آگے سے دھکا دیا ہو۔ لوگ چلے گئے۔ عمرو درویش باہر سے اُٹھ کر خیمے کے اندر چلا گیا تھا اور یہ تین آدمی کچھ دُور تک لوگوں کے ساتھ گئے اور اُن کی نظر بچا کر ایک ایک کر کے واپس آئے اور عمرو درویش کے خیمے میں چلے گئے تھے۔ یہ اُسی کے گروہ کے آدمی تھے اور وہ اسی علاقے کے مسلمان تھے۔ سوڈانی حکومت سے انہیں بہت انعام ملتا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ کپڑا نہیں جلے گا" عمرو درویش نے کہا۔ "اس کے نیچے آتش گیر سیال کم رکھا گیا تھا اور پانی زیادہ انڈیل دیا گیا تھا"

"تمہیں ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہُوا کہ یہ تیل پانی پر ڈال دیا جائے تو بھی جل اُٹھتا ہے" اُس آدمی نے کہا جس نے کپڑے پر مشکیزے سے پانی چھڑکا تھا۔ "ہم پہلے آزما چکے تھے"

"لوگوں پر اس کا اثر کیا ہُوا ہے؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہم کچھ دُور تک اُن کے ساتھ گئے تھے" ایک نے جواب دیا۔ "وہ پانی کو آگ لگنے کو تمہارا معجزہ سمجھتے ہیں۔ کوئی یقین نہیں کرتا کہ دنیا کا کوئی انسان پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔ تم نے جس انداز سے باتیں کی ہیں وہ اُن کے دلوں میں اُتر گیا ہے۔ خدا کی قسم!۔۔۔۔"

"نہ دوست!" عمرو درویش نے اُسے ٹوک دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "خدا کی قسم نہ کھاؤ۔ ہم اس حق سے محروم ہو گئے ہیں کہ اُس سچے خدا کی قسم کھائیں جس کے احکام کی ہم خلاف ورزی کر رہے ہیں"

"معلوم ہوتا ہے ابھی تمہارے دل میں سچا خدا موجود ہے" ایک آدمی نے کہا۔ "عمرو درویش! تم اپنا خدا اور اپنا ایمان فروخت کر آئے ہو"

دوسرے آدمی نے پاس بیٹھی ہوئی آشی کی ران پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "اور قیمت دیکھو کیسی ملی ہے۔ یہ صلیب کے بادشاہوں کا ہیرا ہے جو سوڈان کے حاکموں نے تمہیں دے دیا ہے"

عمرو درویش نے آشی کی طرف دیکھا تو آشی نے اُسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں۔ اُس کے ماتھے پر شکن بھی پیدا ہوئے۔ عمرو درویش اس اشارے کو سمجھ گیا اور ہنس کر بولا۔ "مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ میں اتنی زیادہ قیمت کے قابل نہیں تھا۔۔۔۔ جانے دو ان باتوں کو۔ آنے والی رات کی باتیں کرو"

"سب انتظام تیار ہے" ایک آدمی نے کہا۔ "تم نے ہمارا کمال دیکھ لیا ہے۔ دیکھا ہم کس طرح پیچھے کو گرے تھے؟ اور تم اس کی بھی تعریف کرو کہ ہم نے کسی اور کو بولنے نہیں دیا"

"رات کو تم ظہور کا جلوہ دکھاؤ گے" ایک اور آدمی نے کہا۔ "یاد کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ ہمارے آدمی تیار ہیں"

"ہمیں چلے جانا چاہیے" تیسرے آدمی نے کہا۔ "اب خیمے سے باہر نہ نکلنا"

وہ تینوں چلے گئے۔

☆

سورج غروب ہوتے ہی لوگ آنا شروع ہو گئے۔ دن کے وقت جو لوگ عمرو درویش کی باتیں سن گئے اور پانی کو آگ لگنے کا معجزہ دیکھ گئے تھے انہوں نے جہاں تک وہ پہنچ سکے "خدا کے ایلچی" کی تشہیر کر دی تھی کہ آج رات کو عمرو درویش کوہِ طور کا وہی جلوہ دکھائے گا جو خدا نے حضرت موسیٰ کو دکھایا تھا۔ سوڈان کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے افواہیں پھیلانے کا کام جانفشانی سے کیا۔ اس کے نتیجے میں شام کے بعد عمرو درویش کے خیمے کے سامنے لوگوں کا ہجوم دن کی نسبت زیادہ تھا۔ خیمے کے عقب میں اور دائیں بائیں کسی کو کھڑا ہونے کی اجازت نہ تھی۔

عمرو درویش ابھی خیمے میں تھا۔ باہر دو مشعلیں جل رہی تھیں جن کے ڈنڈے زمین میں گڑے ہوئے تھے۔ لوگ "خدا کے ایلچی" کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ خیمے کے پردے کو جنبش ہوئی۔ آشی سامنے آئی۔ اس کا لباس سیاہ تھا۔ یہ ایک فراک سا تھا جو کندھوں سے پاؤں تک تھا۔ اس پر ابرق کے ذرے چپکے ہوئے تھے جو شعلوں کی روشنی میں ستاروں کی طرح ٹمٹماتے اور چمکتے تھے۔ آشی کے سر پر ریشم کا باریک رومال تھا۔ اس کے بال بھی ریشم جیسے تھے جو شانوں پر اس انداز سے پڑے ہوئے تھے کہ عریاں شانوں کی سپیدی ان میں ستاروں کی طرح نظر آتی تھی۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی، اس کا بناؤ سنگھار اور سج دھج ایسی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا اور جو حیوانی جذبے کو اکساتی تھی۔

پہاڑیوں اور جنگلوں میں رہنے والے ان لوگوں کے لیے یہ لڑکی، اُس کی چال اور اس کا لباس عجوبے سے کم نہ تھا۔ اُن کی نظریں گرفتار ہو گئیں اور ان پر سحر طاری ہو گیا۔ آشی کے ایک ہاتھ میں گز ڈیڑھ گز لمبے اور اس سے آدھے چوڑے قالین کا ایک ٹکڑا تھا جو اُس نے دونوں مشعلوں کے درمیان بچھا دیا۔ اُس نے دونوں بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ خیمے کا پردہ ہٹا اور عمرو درویش مستانہ چال چلتا قالین پر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے بھی آشی کی طرح بازو دائیں بائیں پھیلائے، آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ بڑبڑانے لگا۔

"اے خدا کی برگزیدہ ہستی جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے، ہم تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں۔" یہ اُن تین آدمیوں سے ایک تھا جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ اُس نے کہا — "تیری دن کی باتیں ہمارے دلوں میں اُتر گئی ہیں مگر ایک شک ہے۔ ہمیں طور کا جلوہ دکھا جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔"

"مصر فرعونوں کا ملک ہے۔" عمرو درویش نے بلند آواز سے کہا — "فرعون مر گئے مگر خدا نے مصر کی بادشاہی جس کو بھی دی وہ فرعون بنا۔ یہ مصر کی زمین کی، مصر کے پانی کی اور مصر کی ہوا کی تاثیر ہے۔ جو کلمہ رسولؐ پڑھتے تھے وہ بھی فرعون بنے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعونوں کی 'خدائی' کو للکارا اور نیل کے پانی کو کاٹ کر دکھا دیا۔ اب مصر ایک بار پھر فرعونوں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ وہاں شراب کی نہریں بہتی ہیں اور پردہ نشین کنواریوں کی عصمتوں سے کھیلا جاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمارے اس خطے کو یہ سعادت بخشی ہے کہ مصر کو فرعون سے آزاد کراؤ۔ خداوندِ دو عالم نے



تمہیں کوہِ طور کا جلوہ بخشا ہے۔"

عمرو درویش نے بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر جوشیلی آواز میں کہا — "اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو اپنا وہی نور دکھا جو تو نے موسیٰ کو دکھایا تھا۔"

اُس نے جھک کر ایک مشعل زمین سے اٹھا لی۔ رات تاریک ہو چکی تھی۔ پہاڑ، چٹانیں اور درخت اندھیرے کی سیاہی میں روپوش ہو گئے تھے۔ روشنی صرف ان دو مشعلوں کے شعلوں کی تھی جس میں عمرو درویش اور آشی نظر آ رہے تھے۔ عمرو درویش نے مشعل اُوپر کی اور ایک سمت اشارہ کر کے کہا — "اُدھر دیکھو۔ اُدھر ایک پہاڑی ہے۔ تم اُس پہاڑی کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا جلوہ دیکھو۔"

اُس نے مشعل اور زیادہ اُوپر کر کے دائیں بائیں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی سامنے پہاڑی سے ایک شعلہ اُٹھا اور ذرا سی دیر میں کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ حیرت زدگی نے اُن کی زبانیں گنگ کر دیں۔

"اگر تم نے خدا کے اس جلوے کو بھی اپنے دلوں میں نہ اُتارا تو یہ شعلہ جو تم نے دیکھا ہے تمہارے اس سرسبز علاقے کو ریگزار بنا دے گا۔" عمرو درویش نے کہا — "میں اُسے روک نہیں سکوں گا۔ اُسے تم نے دعوت دی ہے۔"

عمرو درویش اپنے خیمے میں چلا گیا۔ آشی نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ چلے جائیں۔ لوگ وہاں سے جانے لگے تو ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے۔ ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ وہ جب خیمے سے دُور نکل گئے تو ایک آدمی جو اُن کے ساتھ تھا، دوڑ کر آگے ہُوا اور سب کی طرف منہ کر کے رُک گیا۔ سب نے دیکھا۔ وہ ایک گاؤں کی مسجد کا پیش امام تھا۔

"ذرا رُک جاؤ۔" امام نے بازو پھیلا کر کہا۔ سب رُک گئے تو اُس نے کہا — "اپنے ایمان کو قابو میں رکھو، مسلمانو! یہ جادوگری ہے۔ جو تم دیکھ آئے ہو یہ شعبدہ بازی ہے۔ رسولِ خدا کے بعد نہ کوئی پیغمبر آیا ہے، نہ آئے گا۔ خدا ایسے گناہگاروں کو جلوے اور نور نہیں دکھایا کرتا جو اپنے ساتھ بے حیا لڑکیاں لیے پھرتے ہیں۔"

"یہ لڑکی نہیں جن ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"جنات انسانوں کے روپ میں نہیں آ سکتے۔" امام نے کہا — "جنات کسی انسان کے غلام نہیں ہو سکتے۔ مسلمانو! اپنے عقیدے کی حفاظت کرو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فرعون نہیں، وہ خدا کا سچا بندہ ہے۔ اُس نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تمہارے مذہب کا پاسبان اور صلیب کا دشمن ہے۔"

"محترم امام!" ایک آدمی نے کہا — "کیا آپ پانی کو آگ لگا سکتے ہیں؟"

"اس کی نہ سنو۔" ایک اور نے کہا — "یہ اپنی امامت قائم رکھنا چاہتا ہے۔"

"ہم نے جو دیکھا ہے وہ آپ دکھا دیں۔" ایک اور نے کہا — "پھر ہم آپ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔"

"میرے ساتھ اُس پہاڑی پر چلو جہاں سے شعلہ اُٹھا تھا۔" امام نے کہا — "میں تمہیں دکھا دوں گا کہ یہ کیا شعبدہ ہے۔ اگر میں غلط ہُوا تو مجھے اسی جگہ قتل کر دینا جہاں شعلہ بھڑکا تھا۔"

"ہم خدا کے کاموں میں دخل دینے کی جرأت نہیں کریں گے۔" ایک آدمی نے کہا۔

وہ تین آدمی بیک وقت بول پڑے۔ وہ بھی امام کے خلاف بول رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ایسا اشتعال دلایا کہ سب چل پڑے اور امام کو دھکے دیتے آگے چلے گئے۔ امام اکیلا کھڑا رہا۔

☆

کچھ دیر وہاں کھڑے رہ کر امام اُس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس پر شعلہ اُٹھا تھا۔ وہ بہت ہی تیز چلا جا رہا تھا۔ ایک پتھریلے ویرانے سے گزر کر چٹان کے دامن میں پہنچا تو دو آدمی اُس سے کچھ دُور پیچھے چلے جا رہے تھے۔ امام چٹان کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ پیچھے جانے والے دونوں آدمی اور تیز ہو گئے۔ اُن کی قدموں کی آہٹیں سُن کر امام رُک گیا۔ وہ دونوں اُس کے قریب جا رُکے۔ اُن کے چہرے کپڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ امام نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُن میں سے ایک امام کے پیچھے چلا گیا۔ امام اُس کی طرف مُڑا تو دوسرے نے امام کی گردن کے گرد اپنا بازو لپیٹ لیا۔ امام نے کمربند سے خنجر نکالا مگر اُس کا خنجر والا ہاتھ ایک آدمی کے ہاتھ کے شکنجے میں آگیا۔ اُس کی گردن دوسرے آدمی کے بازو کے شکنجے میں تھی جو اتنا تنگ اور سخت ہو گیا تھا کہ اُس کا سانس رُک رہا تھا۔

اُس نے آزاد ہونے کی آخری کوشش کی۔ وہ پوری طاقت سے اُچھلا۔ دونوں پاؤں جوڑ کر سامنے والے کے پیٹ میں مارے۔ اسے پیچھے سے ایک آدمی نے جکڑ رکھا تھا۔ سامنے والا امام کی لاتوں سے پیچھے کو گرا اور اُس کے پیچھے والا دھکا برداشت نہ کر سکا۔ وہ بھی پیچھے کو گرا اور امام کی گردن پر اُس کے بازو کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ امام نے ایک اور جھٹکا دیا اور آزاد ہو گیا۔ وہ اب ایک خونریز لڑائی کے لیے تیار ہو کر اُٹھا لیکن وہ دونوں آدمی بھاگ گئے۔ اُن کے بھاگنے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی تھی کہ وہ دونوں اُسی علاقے کے مسلمان تھے۔ انہیں پہچانے جانے کا خطرہ تھا۔ امام نے انہیں پکارا، للکارا لیکن وہ غائب ہو گئے تھے۔ امام نے آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے واپس چلا گیا۔

عمرو درویش کے خیمے میں وہی تین آدمی بیٹھے تھے جو دن کے وقت بھی اُس کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو بتایا کہ لوگ وہی تاثر لے گئے ہیں جو اُن پر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ کل رات اُسے آگے ایک اور گاؤں کے قریب جانا ہے اور "نُور کا جلوہ" ایک اور پہاڑی پر دکھانا ہے۔ تینوں چلے گئے۔ آشی عمرو درویش کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔

"کیا تم اپنی کامیابی پر خوش ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"آشی!" عمرو درویش نے آہ لے کر کہا۔ "میں تمہیں اس قسم کے سوالوں کا جواب دینے سے ڈرتا ہوں۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہوں؟" آشی نے کہا۔ "تم نے میرے اندر ایمان پیدا کیا ہے اور اب تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔"

"میں اعتبار تمہارے عمل پر کروں گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تمہارے الفاظ پر نہیں۔"

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟" آشی نے کہا۔ "جو کہو گے کروں گی۔"



"ابھی یہی کرتی رہو جو کر رہی ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔ "وقت آنے پر تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہیں یہ بتانے کا وقت ہی نہ ملے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" آشی نے کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے جہاں تم نے ذرا سی مشکوک حرکت کی یہ جاسوس تمہیں غائب یا قتل کر دیں گے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دو کہ تمہارا ارادہ کیا ہے تو میں تمہیں بروقت خبردار کر سکوں گی۔ مجھے تو وہ بہرحال اپنے گروہ کا فرد سمجھتے ہیں۔"

آشی کے انداز میں کچھ ایسی سادگی اور خلوص تھا جس سے عمرو درویش قائل ہو گیا کہ یہ لڑکی اسے دھوکہ نہیں دے گی۔ اُس نے کہا۔ "تمہارے کمالات دیکھتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ تم مجھے دھوکہ دو گی۔"

"کمالات میں تو تم بھی کم نہیں ہو۔" آشی نے کہا۔ "اسی لیے تو میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم نے اپنی قوم کو دھوکہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔"

"میں تمہیں اپنا ارادہ بتا دیتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور مجھے فریب دیا تو تم زندہ نہیں رہو گی۔ میں قتل ہو جانے سے نہیں ڈرتا اور قتل کرنے سے بھی نہیں ڈروں گا۔ میں نے راستے میں تمہیں بتایا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے اُمید تھی کہ میں یہاں اپنے علاقے میں آ کر اپنے خفیہ مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو جاؤں گا مگر یہاں آ کر دیکھا ہے کہ سوڈانیوں نے مجھے جاسوسوں کے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مجھے دوسرا غم یہ ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی قوم کی پیٹھ میں خنجر اُتار دیا ہے۔ میں اپنے اصل مقصد کی خاطر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ رہا ہوں مگر میری کارستانی جسے تم میرا کمال کہتی ہو میری قوم کے مذہبی عقیدے کو زہر کی طرح مار رہی ہے۔ میں نے اگر یہ سوانگ جاری رکھا تو یہ مسلمان سوڈانیوں کی غلامی کی زنجیروں میں بندھ جائیں گے اور اُن کا قومی وقار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"میں اسحاق کے گاؤں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تم اسحاق کو جانتی ہو۔ نا۔ یہی کالفلاد جو جنگی قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں پڑا ہے۔ اسے اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے تمہیں بھی ایک رات اُس کے پاس بھیجا گیا تھا۔"

"اس شخص کو تو میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی۔" آشی نے کہا۔ "اس کی بیوی آتی ہی مرید ہوں جتنی تمہاری ہوں۔"

"میں اُس کے گھر تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "پھر میں اپنے گاؤں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ یہاں آ کر غائب ہو جاؤں گا اور یہاں کے لوگوں کو بتاؤں گا کہ وہ سوڈانیوں کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔"

"معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں بنایا تھا۔" آشی نے کہا۔ "ہمیں جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے اس کا ہمیں بڑا واضح منصوبہ دیا جاتا ہے۔"

"میں قید خانے میں خالی ہاتھ اذیتیں سہہ سہہ کر نکلا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "آتی ہی عقل رہ گئی تھی

کر قید خانے سے نکلنے کا یہ طریقہ سوچ لیا تھا۔ یہاں آکر حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ اپنے مقصد کی کامیابی ناممکن نظر آتی ہے۔"

"اب مجھے بھی سوچنے دو۔" آشی نے کہا۔ "اگر ہم خدا کی راہ میں ثابت قدم رہے تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ کل ہم آگے جا رہے ہیں۔ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ضرورت یہ ہے کہ ہمیں یہاں کے کسی عقل مند آدمی کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے۔"

اسی علاقے میں عمرو درویش کے خیمے سے دو اڑھائی میل دُور مصری تاجروں کا ایک قافلہ آیا۔ چار آدمی اور چھ اونٹ تھے۔ قافلے کا سردار لمبی داڑھی والا ایک بزرگ سیرت انسان تھا جس نے ایک آنکھ پر سبز رنگ کے کپڑے کا ٹکڑا اس طرح باندھ رکھا تھا جیسے اس کی یہ آنکھ خراب ہو۔ یہ قافلہ دو راتیں پہلے سوڈان کی سرحد میں داخل ہوا تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے مصر سے سوڈان میں اناج سمگل کرنے کی درپردہ اجازت دے رکھی تھی۔ دوسری اجناس بھی سمگل کی جاتی تھیں۔ سوڈان میں ان اشیاء کی قلت تھی۔ مصر کے یہ سمگلر دراصل سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے آدمی تھے۔ انہیں مصر کے سرحدی دستے نہیں روکتے تھے اور سوڈان کی سرحد کے پہرہ دار بھی انہیں نظر انداز کر دیتے تھے۔

یہ قافلہ بھی بارونق ڈگر سرحد پار کر کے سوڈان میں داخل ہو گیا لیکن رات کی تاریکی کی وجہ سے سوڈان کے سرحدی پہرہ دار یہ نہ دیکھ سکے کہ چار تاجروں اور چھ اونٹوں کا یہ قافلہ سوڈان کے کسی شہر کی طرف جانے کی بجائے اس پہاڑی علاقے کی سمت چلا گیا ہے جہاں مسلمان آباد تھے۔ اُدھر تاجروں کے کسی قافلے کو جانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ سوڈان کی حکومت مسلمانوں کو اناج اور دیگر اجناس سے اور تجارت سے محروم رکھنا چاہتی تھی۔ یہ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اونٹوں کو ٹیلوں کے علاقے میں چھپا دیا گیا۔ سرحد دُور پیچھے رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے سارا دن وہیں چھپ کر گزارا۔

رات تاریک ہوئی تو قافلہ پھر چل پڑا اور آدھی رات کے وقت پہاڑی علاقے میں داخل ہو گیا۔ یہی قافلے کی منزل تھی۔ سحر کے وقت قافلہ ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ میرِ کارواں ایک مکان کے سامنے رکا اور دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک آدمی ہاتھ میں دیا لیے باہر آیا۔ میرِ کارواں نے اس کے کان میں کچھ کہا۔ دروازہ کھولنے والے نے کہا۔ "خوش آمدید...... تم سب فوراً اندر چلو۔ اونٹوں کو ہم سنبھال لیں گے۔"

چاروں تاجر اندر چلے گئے۔ میزبان نے اپنے گھر والوں کو اور پڑوس کے دو تین آدمیوں کو جگایا۔ سب نے اونٹوں کو مختلف گھروں کے اونٹوں میں بانٹ کر باندھ دیا۔ سامان اتار کر میزبان کے گھر میں رکھ دیا گیا۔ میرِ کارواں نے کہا کہ سامان فوراً کھولو اور غائب کر دو۔ سب نے سامان کھولا تو اس میں اناج کی بجائے تیروں کا ذخیرہ تھا۔ کمانیں، تلواریں اور خنجر تھے اور تین چار بوریوں میں آتش گیر مادے سے بھری ہوئی ہانڈیاں تھیں۔ یہ سامان غائب کر دیا گیا۔

"کیا میں اپنے آپ میں آجاؤں؟" میرِ کارواں نے پوچھا۔ "تنگ آگیا ہوں۔"

"کوئی خطرہ نہیں۔" میزبان نے کہا۔ "سب اپنے لوگ ہیں۔"

میرِ کارواں نے لمبی داڑھی اتار دی اور آنکھ سے سبز کپڑا بھی اتار دیا۔ یہ داڑھی نقلی تھی۔ اُس کی اصلی داڑھی چھوٹی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی۔ سامان اِدھر اُدھر چھپا کر جب آدمی مہمانوں کے پاس آئے تو ایک آدمی میرِ کارواں کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ میرِ کارواں مسکرایا اور پوچھا۔ "پہچانا نہیں تھا مجھے؟"

"او میرے دوست علی بن سفیان!" اس آدمی نے کہا۔ "خدا کی قسم میں نے نہیں پہچانا تھا۔" اس نے آہ بھر کر کہا۔ "ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ خود آگئے ہیں۔ یہاں کے حالات ٹھیک نہیں۔"

"مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر دیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اور مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ سوڈانی ہمارے جنگی قیدیوں کو جلائے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

لمبی داڑھی اور آنکھ پر سبز پٹی اور تاجروں کے بھیس کے بہروپ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ماہر جاسوس اور سراغرساں علی بن سفیان تھا جو یہاں کے حالات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اُسے جاسوسوں نے قاہرہ جا کر جو خبریں دی تھیں وہ اُن کی روشنی میں باتیں کر رہا تھا، اور وہ جس گھر میں بیٹھا تھا، وہ اُس کے بھیجے ہوئے جاسوسوں کا مرکز تھا۔ اُس کا میزبان سوڈانی باشندہ تھا۔ یہ سب لوگ سلطان ایوبی کے پرستار تھے۔ ان لوگوں نے علی بن سفیان کو ایک نئی بات سنائی۔

"افواہ پھیل رہی ہے کہ خدا کا کوئی ایلچی آیا ہے جو یہاں کو اگ لگا گیا ہے۔" میزبان نے علی بن سفیان کو بتایا۔ "اور وہ لوگوں کو اس قسم کی باتیں کہتا ہے کہ خدا نے مجھے یہ پیغام دے کر مُردوں میں سے اٹھایا ہے کہ مسلمانوں سے کہو کہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں کیونکہ یہ زمین تمہاری ماں ہے۔" اس نے عمرو درویش کے متعلق ساری باتیں سنا دیں لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش رات کو نور کا جلوہ دکھا کر لوگوں کے دلوں میں بے حد خطرناک شکوک پیدا کر چکا ہے۔

"مجھے یہی ڈر تھا کہ دشمن عقیدوں پر حملہ کرے گا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اسی لیے میں خود آیا ہوں۔ صلیبی تخریب کاری کے ماہر ہیں اور ہماری قوم جذباتی ہے۔ صلیبی الفاظ کا بڑا ہی دلفریب جال تن دیتے ہیں۔ بھولے بھالے کچھے ہوئے اس کے حسین تاروں میں اُلجھ جاتے ہیں...... مجھے فوری طور پر اس فتنے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ملنی چاہئیں۔ میرا خیال ہے کہ عمرو درویش کو میں جانتا ہوں۔ ہماری فوج کے ایک دستے کا کماندار تھا۔"

اس علاقے میں مصری جاسوس چھاپہ مار بھی تھے۔ علی بن سفیان نے میزبان سے کہا کہ وہ چند ایک آدمیوں کو بلانے کا انتظام کرے تاکہ اس تخریب کاری پر جوابی حملہ کیا جا سکے۔

☆

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جاسوسوں کو بلانے کے لیے آدمی دوڑا دیئے گئے۔ وہ گئے ہی تھے کہ ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آ رہا تھا اس مکان کے سامنے آرکا۔ سوار اُتر کر اندر آیا تو سب احترام کے لیے اٹھے۔ یہ امام تھا اور وہی امام تھا جس نے عمرو درویش کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لوگ اُسے دھکے دیتے چلے گئے تھے، پھر رات کو اس پر دو نامعلوم

آدمیوں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ امام وہیں سے واپس آگیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں نے اس گاؤں اور اس گھر کو جاسوسی اور دیگر سرگرمیوں کا خفیہ مرکز بنا رکھا ہے۔ امام اپنے گھر گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ یہ امام اس پر یقین رکھتا تھا کہ عمرو درویش شعبدہ باز ہے۔ وہ اس گاؤں میں رپورٹ دینے اور شعبدہ بازی کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے مدد لینے آیا تھا۔ آگے علی بن سفیان بیٹھا تھا۔

امام علی بن سفیان سے واقف نہیں تھا۔ تعارف کرایا گیا تو امام نے تفصیل سے سنایا کہ عمرو درویش نے کیا شعبدہ دکھایا ہے اور مسلمان تماشائیوں نے اس کا کس طرح اثر قبول کیا ہے۔

"اگر ہم نے یہ سلسلہ نہ روکا تو مسلمان اپنے عقیدوں سے منحرف ہو جائیں گے"۔ امام نے کہا۔ "یہ شخص جو اپنا نام عمرو درویش بتاتا ہے آج رات اگلے گاؤں کو جا رہا ہے اور یہی شعبدہ دکھائے گا"۔

انہوں نے تھوڑی دیر اس مسئلے پر غور کیا۔ ایک طریقہ یہ سوچا گیا کہ عمرو درویش کو قتل کر دیا جائے۔ علی بن سفیان نے اتفاق نہ کیا۔ اُس نے اس قسم کا اظہار کیا کہ اُسے یقین ہے کہ عمرو درویش کو قتل کیے بغیر راہِ راست پر لایا جا سکے گا اور اسی کی زبان سے کہلوایا جائے گا کہ اس نے جو معجزے دکھائے ہیں وہ شعبدہ بازی تھی۔ قتل کے خلاف دلائل دیتے ہوئے اس نے کہا کہ اس طرح لوگ اُسے اور زیادہ برحق ماننے لگیں گے۔

علی بن سفیان کے ساتھ تاجروں کے بھیس میں جو تین آدمی آئے تھے وہ مصری فوج کے غیر معمولی طور پر ذہین، اپنے فن کے ماہر اور تجربہ کار رنگا جاسوس تھے۔ علی بن سفیان نے انہیں تاجروں کے بھیس میں ساتھ لیا۔ خود لمبی داڑھی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی کا بہروپ چڑھایا۔ گھوڑے منگوائے۔ چند اور آدمیوں سے کہا کہ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ اس نے سب کو ہدایات دیں اور امام کے ساتھ اُس سمت روانہ ہو گیا جہاں عمرو درویش کو خیمہ زن ہونا تھا۔

عمرو درویش صبح طلوع ہوتے ہی اگلے مقام کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی اس علاقے کے لوگوں کے لباس میں اس کی حفاظت کے لیے جا رہے تھے۔ اس کی تشہیر دُور دُور تک ہو گئی تھی.... وہ ایک اور گاؤں سے کچھ دُور رک گیا اور خیمہ گاڑ دیا۔ تھوڑی سی دیر میں وہ اور آتشی تیار ہو گئے۔ خیمے کے سامنے دو مشعلیں جلا کر گاڑ دی گئیں۔ اس کے ساتھیوں نے گاؤں والوں کو جا بتایا کہ انہوں نے خدا کے جس ایلچی کے معجزے سُنے ہیں وہ ان کے گاؤں کے باہر خیمہ زن ہے۔ لوگ دوڑے گئے۔ جن لوگوں نے ایک روز پہلے عمرو درویش کو دیکھا تھا۔ وہ بھی دُور کا فاصلہ طے کر کے آگئے۔

عمرو درویش دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹے سے قالین پر بیٹھ گیا۔ آتشی اپنے اُسی بھڑکیلے لباس اور طلسماتی بناؤ سنگھار سے آراستہ تھی۔ عمرو درویش کے سامنے کپڑا لپٹا پڑا تھا۔ اُس نے وہی اداکاری شروع کر دی جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک آدمی نے وہی سوال پوچھا جو پہلے پوچھا گیا تھا۔ عمرو درویش نے وہی باتیں اسی انداز سے دُہرا کر کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالا جائے۔ علی بن سفیان اپنی پارٹی کے ساتھ پہنچ چکا تھا اور اُس نے عمرو درویش کو پہچان لیا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ شخص مصری فوج کے ایک دستے کا کمانڈر ہے۔



علی بن سفیان کو بتا دیا گیا تھا کہ عمرو درویش پانی کو آگ لگاتا ہے۔ علی بن سفیان کو ایک شک تھا۔ یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پانی کو آگ لگ سکتی ہے۔ اس کے دماغ میں جو شک پیدا ہوا تھا، اس کے مطابق وہ چھوٹے سے مشکیزے میں پانی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جوں ہی عمرو درویش نے کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالے تو ایک آدمی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے پاس مشکیزہ تھا۔ اس نے کچھ پانی کپڑے پر انڈیل دیا۔

علی بن سفیان آگے بڑھا اور مشعل زمین سے اکھاڑ کر لوگوں سے کہا۔ "تم میں سے کوئی آدمی آگے آئے"۔ ایک آدمی جو علی بن سفیان کے ساتھ آیا تھا آگے گیا۔ علی بن سفیان نے مشعل اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "اس کپڑے پر شعلہ رکھو"۔ وہ آدمی ہچکچایا۔ علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا۔ "تم میں سے کوئی بھی آدمی اس پانی کو آگ لگا سکتا ہے"۔

اُس آدمی نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑے سے شعلہ بھڑک اٹھا۔ ایک آدمی جو عمرو درویش کا ساتھی تھا۔ بولا۔ "تم کوئی شعبدہ باز ہو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ تم پر خدا کی اس برگزیدہ شخصیت کا قہر نازل ہوگا"۔

عمرو درویش خاموشی سے اور حیرت سے علی بن سفیان کو دیکھ رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا مشکیزہ کھول کر عمرو درویش کے آگے رکھ دیا اور اس پر پانی انڈیل کر کہا۔ "اگر تم خدا کے ایلچی ہو تو اس کپڑے کو آگ لگاؤ"۔ اس نے مشعل عمرو درویش کے آگے کر دی مگر عمرو درویش اس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

لوگوں نے آپس میں کھسر پھسر شروع کر دی۔ علی بن سفیان کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے عمرو درویش کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ امام کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔ عمرو درویش کے آدمیوں نے اس کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف سے بولنے والے جاسوس تھے۔ یہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔ حق اور باطل معرکہ آرا تھے۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو اُدھر اُلجھا ہوا دیکھا تو عمرو درویش کے سامنے بیٹھ گیا۔

"عمرو درویش!" ۔۔۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ایمان کی کتنی قیمت ملی ہے؟"

"تم کون ہو؟" ۔۔۔ عمرو درویش نے پوچھا۔

"بہت دُور سے آیا ہوں"۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "تمہاری شہرت سرحد پار پہنچی تھی اور تمہیں دیکھنے آیا ہوں"۔ عمرو درویش نے بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھا۔ "میں تم پر کس طرح اعتبار کر لوں؟"

"میری داڑھی پر ہاتھ پھیرو"۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "مصنوعی ہے۔ ایمان کی جو قیمت وصول کی ہے اس سے دُگنی دوں گا۔ یہ شعبدہ بازی ختم کرو۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا"۔

"میں قاتلوں کے گھیرے میں ہوں"۔ عمرو درویش نے کہا۔

"میری نہیں مانو گے تو بھی قتل ہو جاؤ گے"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ یہاں بہت سے آدمی موجود ہیں.... تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں"۔ عمرو درویش نے کہا اور پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"بتا نہیں سکتا"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "میں جو پوچھتا ہوں وہ بتاؤ.... قلعہ کا جلوہ کیا ہے؟.... صاف

بتاؤ، تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

"جب اُٹھو گے، تو بہت دائیں طرف دیکھنا"۔۔۔ عمرو درویش نے کہا۔۔۔ "اونچی پہاڑی کے آگے ایک اونچی چٹان ہے۔ ایک بہت بڑا درخت ہے۔ شام سے ذرا بعد وہاں اپنے آدمی چھپا دینا۔ جس طرح پانی کو آگ لگنے کا بھید جان گئے ہو، طور کا جلوہ بھی جان جاؤ گے۔۔۔ مجھے موقعہ دو کہ یہ تماشا دکھاؤں۔ تم وہاں سے شعلہ نہ اُٹھنے دینا۔ میرے تماشا اور میری حفاظت کا فرض تم پورا کرو گے۔ میری شعبدہ بازی یہی ہوگی کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ مجھے اسحاق کو قید خانے سے آزاد کرانا ہے۔۔۔ اُٹھو اور اعلان کرو کہ رات کو طور کا جلوہ دکھاؤں گا۔"

علی بن سفیان کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو وہ عمرو درویش کی یہ ادھوری سی بات نہ سمجھ سکتا۔ علی بن سفیان اسی میدان کا کھلاڑی تھا۔ وہ اشارے سے سمجھ لیتا تھا۔ اس نے اُٹھ کر اعلان کیا "خدا کا یہ برگزیدہ انسان رات کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں نے اس کی بات سمجھ لی ہے۔ تم سب چلے جاؤ۔ شام کے بعد آنا۔"

علی بن سفیان اُٹھ کر چلا گیا۔ لوگوں نے اُسے گھیر لیا اور پوچھا کہ عمرو درویش کے ساتھ اُس کی کیا باتیں ہوئی ہیں۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔۔۔ "اس برگزیدہ ہستی کے سینے میں ایک پیغام اور ایک راز ہے۔ میں نے اپنا شک رفع کر لیا ہے۔ رات کو اس کا معجزہ ضرور دیکھنا۔"

عمرو درویش کے آدمی اس کے پاس جا بیٹھے اور پوچھا کہ اس آدمی کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں۔ عمرو درویش نے جواب دیا۔۔۔ "میں نے اُسے قائل کر لیا ہے۔"

"لیکن یہ ہے کون؟"۔۔۔ ایک آدمی نے کہا۔۔۔ "اسے ضرور پتہ چل گیا ہے کہ کپڑے میں آتش گیر سیال ہے جو جل اُٹھتا ہے۔"

"تم کیوں فکر کرتے ہو؟"۔۔۔ عمرو درویش نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "میں آج رات اُس کے شکوک رفع کر دوں گا۔"

"اگر یہ رات کو آیا تو اسے ہم قتل کر دیں گے"۔۔۔ دوسرے آدمی نے کہا۔

"ابھی نہیں"۔۔۔ عمرو درویش نے کہا۔۔۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ اگر یہ رات کو میرے پاس آیا تو میں اس خیمے میں بٹھاؤں گا۔ تم اسے باندھ کر اُٹھا لے جانا۔"

"ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں"۔۔۔ تیسرے آدمی نے کہا۔۔۔ "اسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔"

وہ آدمی اُٹھے اور اُن لوگوں سے جا ملے جو واپس جا رہے تھے۔ ان دونوں نے علی بن سفیان کو ڈھونڈا مگر وہ ان میں نہیں تھا۔ لوگوں سے پوچھا تو کوئی بھی نہ بتا سکا کہ وہ آدمی کہاں ہے جس کی داڑھی ہے اور ایک آنکھ پر سبز پٹی بندھی تھی۔

علی بن سفیان گھوڑے پر سوار ہو کر دور نکل گیا تھا۔

٭

عمرو درویش خیمے میں آشی کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو آشی نے اس سے پوچھا۔۔۔ "یہ آدمی کون تھا؟ اس نے تمہارے ساتھ اس طرح باتیں کی تھیں جیسے وہ تمہارے اور تمہارے بہروپ سے واقف ہے۔"



"سنو آشی!"۔۔۔ عمرو درویش نے کہا۔۔۔ "آج رات کچھ ہونے والا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ کیا ہوگا۔ اس آدمی کو میں پہچان نہیں سکا۔ اس نے بتایا بھی نہیں کہ وہ کون ہے لیکن یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ مجھے اُمید نہیں کہ آج رات ہم فرار ہو سکیں، اور یہ توقع بھی ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا۔ آج رات تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے۔ اگر تم نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تم میرے ہاتھوں قتل ہو گی۔"

"اگر تم مجھے کچھ اور بھی بتا دو کہ کیا ہوگا اور مجھے کیا کرنا ہے تو شاید میں زیادہ اچھے طریقے سے تمہاری مدد کر سکوں گی"۔۔۔ آشی نے کہا۔۔۔ "میں تمہاری خاطر قتل ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن اس سے تمہارا مقصد پورا نہ ہوا تو میری جان رائیگاں جائے گی۔"

"تمہیں یہ کرنا ہے"۔۔۔ عمرو درویش نے کہا۔۔۔ "کہ اپنے آدمیوں کی باتوں میں دم آنا۔ کوشش کرنا کہ ان کا ارادہ قبل از وقت معلوم کر لو اور مجھے خبردار کر دو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ آج رات کیا ہوگا۔ تم تیار رہنا۔"

"تم کئی بار کہہ چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں"۔۔۔ آشی نے کہا۔۔۔ "لیکن میں نے تمہیں ایک بار بھی نہیں کہا کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ اگر تم یہاں سے آزاد ہو گئے تو کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟"

"تم واپس جانا پسند نہیں کرو گی؟"

"نہیں"۔۔۔ آشی نے رنجیدہ مگر پُرعزم لہجے میں کہا۔۔۔ "مر جانا پسند کروں گی۔"

"تم شہزادی ہو آشی!"۔۔۔ عمرو درویش نے کہا۔ "میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ چلو گی تو تمہارا مستقبل کیا ہوگا۔ تم ان جنگلوں میں رہنا پسند نہیں کرو گی۔ میں تمہیں قاہرہ لے جاؤں گا۔ وہاں تمہارے متعلق سوچنے کے لیے بڑے اچھے دماغ موجود ہیں۔"

"تم مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھو گے؟"۔۔۔ آشی نے پوچھا۔۔۔ "مجھے اپنی بیوی نہیں بناؤ گے؟"

"اگر یہ شرط ہے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا"۔۔۔ عمرو درویش نے کہا۔۔۔ "لوگ کہیں گے کہ میں نے اپنا فرض تمہیں حاصل کرنے کے لیے ادا کیا ہے۔ میرا گھر جہاں میری ایک بیوی موجود ہے تمہارے قابل نہیں۔ آشی! میں سپاہی ہوں۔ میرا گھر میدانِ جنگ ہے۔ مجھے اپنی بیوی کی صورت دیکھے تین سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ تم اگر اس لیے میری بیوی بننا چاہتی ہو کہ میں تمہاری پسند کا مرد ہوں تو تم مایوس ہو گی۔ تمہاری محبت اور تمہاری دعائیں اُس تیر کو نہیں روک سکیں گی جسے میرے سینے سے پار ہونا ہے۔۔۔ تم مجھے اپنی خواہش بتا دو۔"

"میں ذلت اور خواری کی اس زندگی سے آزاد ہونا چاہتی ہوں"۔۔۔ آشی نے کہا۔۔۔ "مجھے تمہاری مدد اور سہارے کی ضرورت ہے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔"

"اگر زندہ رہا تو تمہیں پوری مدد اور سہارا دوں گا۔"

"آخر وہ گیا کہاں؟"۔۔۔ یہ آواز اُن جاسوسوں میں سے ایک کی تھی جو عمرو درویش کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عمرو درویش کے خیمے سے کہیں دور کھڑے علی بن سفیان کے متعلق سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اُس نے کہا۔۔۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمرو درویش اس کے مال کو اپنے قبضے میں لینے کی بجائے اپنا مال اس کے قبضے میں

دے چکا ہو۔ ہمیں اب بہت ہی محتاط ہونا پڑے گا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ عمرو درویش پر بھروسہ نہ کرنا۔"

"وہ لمبی داڑھی والا آدمی آگ کا بھید جان گیا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ عمرو درویش نے اس بھید پر پردہ ڈالا ہے یا اس آدمی پر۔"

"آشی کس مرض کی دوا ہے؟" تیسرے نے کہا۔ "کیا وہ عمرو درویش کے دل کا حال معلوم نہیں کر سکتی؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ لڑکی بھی عمرو درویش کی سازش میں شریک ہو گئی ہو۔"

"اگر کوئی سازش ہے اور آشی اس میں شریک ہے تو اس کے متعلق حکم صاف ہے کہ قتل کر دو۔" ایک نے کہا۔

"کیا تم اتنی قیمتی چیز کو یوں ضائع کر دو گے؟" دوسرے نے کہا۔ "اسے اُڑا لے جائیں گے اور کسی دولت والے کو منہ مانگے داموں یہ ہیرا دے دیں گے۔ وہاں یہ بتائیں گے کہ آشی کو قتل کر کے دفن کر دیا ہے۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ان میں اتفاق رائے ہو گیا ہو۔ ایک نے کہا۔ "آج رات ہمیں 'طور کا جلوہ' دکھانا ہے۔ دیکھ لیں گے کہ عمرو درویش یا اس آدمی کی نیت کیا ہے۔ رات کو ہم میں سے ایک کو آشی کے ساتھ رہنا ہو گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکی ہاتھ سے نکل جائے۔"

انہوں نے طے کر لیا کہ رات عمرو درویش اور آشی کے ساتھ کون ہو گا۔

☆

"چار آدمی کافی ہوں گے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں عمرو درویش کے ساتھ ہوں گا۔ تم سب نے ان تین چار آدمیوں کو پہچان لیا ہے جو عمرو درویش کی حمایت میں بول رہے تھے۔ یہ تمہارے علاقے کے وہ مسلمان ہیں جو سوڈانیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ عمرو درویش نے مجھے انہی کے متعلق بتایا ہے کہ وہ قاتلوں کے گھیرے میں ہے۔ انہیں نظر میں رکھنا۔ ضرورت پڑے تو ختم کر دینا لیکن زندہ پکڑنا بہتر ہو گا۔"

اُس وقت علی بن سفیان ایک مسجد میں بیٹھا تھا۔ امام اسی مسجد کا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا۔ اُس نے مسجد میں ہی رات کے لیے اپنے آدمیوں کو مختلف کام بانٹ دیئے اور کہا۔ "مجھے جو شک تھا وہ صحیح ثابت ہُوا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ رات کو بھی مجھے کامیابی ہو گی۔"

سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے اُس پہاڑی پر جو عمرو درویش نے علی بن سفیان کو دکھائی تھی ایک آدمی چڑھ رہا تھا۔ وہ اس احتیاط کے ساتھ چڑھ رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ دوسری طرف سے دو آدمی اسی کی طرح جُھکے جُھکے اوپر جا رہے تھے اور ایک اور آدمی کسی اور طرف سے اوپر جا رہا تھا۔ یہ آدمی جب اوپر چلا گیا تو رینگ کر ایک بہت بڑے درخت تک پہنچا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ دو آدمی ایک بہت بڑے پتھر کے عقب میں بیٹھ گئے۔ یہ جگہ درخت سے دُور نہیں تھی۔ چوتھا آدمی بھی اوپر چلا گیا اور ایک موزوں جگہ چھپ گیا۔ جو آدمی درخت پر چڑھا تھا وہ اوپر ایک موٹے ٹہن پر اس طرح بیٹھ گیا کہ ٹانگیں اُوپر کر کے سکیڑ لیں۔ شاخیں اور پتے اتنے گھنے تھے کہ یہ آدمی نیچے سے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ آہستہ سے ایک پرندے کی طرح بولا۔ اُسے پرندے کی آواز میں تین ساتھیوں کا جواب ملا۔



سورج پہاڑی کے عقب میں اُتر گیا تھا اور تین آدمی اکٹھے پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے پاس آگ جلانے کا سامان اور مٹی کے برتن میں آتش گیر مادہ تھا۔ ان کے پاس لمبے خنجر بھی تھے۔ شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ان تین آدمیوں کا انداز ایسا تھا جیسے انہیں کسی بھی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ ان کی باتیں ان چار آدمیوں کو سنائی دینے لگیں جو پہلے سے وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ پوری طرح چھپ گئے۔ وہاں سے دُور نیچے عمرو درویش کا خیمہ تھا جو شام کے اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ خیمے کے باہر گاڑھی ہوئی دو مشعلوں کے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔

"خدا کا ایلچی تیار ہو گیا ہے۔" ان تین آدمیوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا جو بعد میں اوپر آئے تھے۔ "سامان کھول کر تیار کرو۔" "آج میرا دل کسی اور طریقے سے دھڑک رہا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اس کے اندر کوئی وہم بیٹھ گیا ہے۔ کیا تم محسوس نہیں کر رہے کہ آج کچھ گڑبڑ ہے؟"

"میں بھی کچھ گڑبڑ اس آدمی کی وجہ سے محسوس کر رہا ہوں جس نے ایک آنکھ پر سبز پٹی باندھ رکھی تھی۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ ہم طور کا جلوہ دکھا کر سب کے وہم دُور کر دیں گے۔ اگر لوگ مان گئے تو اس ایک آدمی کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ تم اپنا کام کرو۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اندھیرا گہرا ہو رہا ہے۔"

ایک آدمی نے مٹی کے برتن کا منہ کھول کر تیل کی طرح کا سیال زمین پر انڈیل دیا۔ جگہ چونکہ پتھریلی تھی اس لیے یہ مادہ جذب نہ ہو سکا۔ اس سے ذرا دُور ہٹ کر ایک آدمی نے چھوٹا سا دیا جلا کر بڑے پتھروں کے درمیان رکھ دیا تا کہ دُور سے اس کی لَو نظر نہ آ سکے۔ اس کی روشنی میں یہ تینوں آدمی نظر آ رہے تھے۔

"اب اُدھر مشعل پر نظر رکھو۔" ایک نے کہا۔ "جوں ہی مشعل اوپر نیچے حرکت کرے دیا تیل پر پھینک دو۔ لوگوں کو طور کا جلوہ نظر آ جائے گا۔"

یہ اہتمام اُس بڑے درخت کے نیچے کیا گیا تھا جس پر ایک آدمی بیٹھا ہُوا تھا۔ نیچے تینوں آدمی اکٹھے کھڑے ہو گئے۔ اُس نے جھینگر کی آواز پیدا کی۔ ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے سے بھی جھینگر کی آواز سنائی دی۔ تینوں آدمی بے پرواہ ہو کے کھڑے رہے۔ اچانک اوپر سے ایک آدمی ان تینوں میں سے ایک آدمی کے کندھوں پر گرا۔ نیچے والا آدمی اوپر والے کے نیچے آ گیا۔ دوسرے دو بُری طرح گھبرا گئے اور اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں تین آدمی مختلف اوٹوں سے اُٹھے اور ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔ انہیں خنجر نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے جو آدمی اوپر والے کے نیچے پڑا تھا وہ قوی ہیکل تھا۔ اُس نے اُوپر والے کو لڑھکا دیا۔ علی بن سفیان نے کہا تھا کہ انہیں زندہ پکڑنا ہے مگر اس آدمی کو ہلاک کرنا ضروری ہو گیا۔ جو آدمی اُس کے اُوپر گرا تھا اُس نے خنجر نکالا اور اس قوی ہیکل آدمی کے دل میں اتار دیا۔ دوسرے دو آدمیوں کو اُن رسیوں سے باندھ دیا گیا جو اسی مقصد کے لیے ساتھ لے جائی گئی تھیں۔

☆

عمرو درویش کے خیمے کے باہر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں علی بن سفیان بھی تھا اور اس کے ساتھ معی

فوج کے چھاپہ مار بھی خاصی تعداد میں تھے جو اس علاقے میں مختلف بہروپوں میں رہتے تھے۔ انہیں دن کے دوران اکٹھا کر دیا گیا اور بتا دیا گیا تھا کہ اُن کا مشن کیا ہے۔ ان میں چند ایک گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کے پاس ہتھیار بھی تھے۔ ....لوگوں میں عمرو درویش پر نظر رکھنے والے اور اس کی مدد کرنے والے سوڈانی جاسوس بھی تھے۔ اُن کی تعداد پانچ چھ سے زیادہ نہیں تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں پہچان رکھا تھا۔ وہ بھی مرنے مارنے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُن کے مدِمقابل کتنے آدمی ہیں۔

آشی اپنے مخصوص طلسماتی لباس اور حلیے میں باہر نکلی۔ اُس نے اداکاری کی۔ دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹا سا قالین بچھایا۔ عمرو درویش خیمے سے نکلا اور مستانہ چال چلتا قالین پر آن کھڑا ہُوا۔ دونوں بازو پھیلا کر آسمان کی طرف کیے اور منہ اُوپر کر کے کچھ بڑبڑانے لگا۔ آشی نے اُس کے آگے سجدہ کیا پھر اُس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔

"اے خدا کے مقدس ایلچی! جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے۔" آشی نے کہا۔ "انسانوں کا یہ گروہ طُور کا وہ جلوہ دیکھنے آیا ہے جو خدائے ذوالجلال نے موسیٰ کو دکھایا تھا، اور جنات بھی جن سے میں ہُوں طُور کا جلوہ دیکھنے آئے ہُوئے ہیں۔"

"کیا ان سب کو شک ہے کہ میں خدا کا جو پیغام لایا ہوں وہ برحق نہیں؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"اگر گستاخی ہو تو مجھے بخش دینا اے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر!" ایک آدمی نے کہا۔ "طُور کا جلوہ دکھا کر ہم گناہگاروں کے دلوں سے سارے شک نکال دے۔"

علی بن سفیان نے اس آدمی کو دیکھا۔ اُسے وہ پہچانتا تھا۔ وہ عمرو درویش کے ساتھ کا آدمی تھا۔

"ہاں مقدس ہستی!" علی بن سفیان نے آگے آ کر کہا۔ "ہم شک میں ہیں۔ ہمیں طُور کا جلوہ دکھا اور اگر یہ لڑکی جنات میں سے ہے تو اسے کہو کہ تھوڑی سی دیر کے لیے غائب ہو جائے، پھر ہمارے شک ختم ہو جائیں گے۔"

عمرو درویش نے درخت والی پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اُدھر دیکھو۔ اندھیرے میں تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔" اُس نے زمین سے ایک مشعل اکھاڑی اور بلند کی۔ اُس نے اونچی آواز میں کہا۔ "خدائے ذوالجلال! تیرے سادہ اور جاہل بندے شکوک کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں وہی جلوہ دکھا جو تُو نے موسیٰ کو دکھایا تھا اور جس سے فرعونوں کے نشیمن کو جلایا تھا۔"

اُس نے مشعل دائیں بائیں لہرائی پھر اُوپر کر کے نیچے کی مگر پہاڑی پر کوئی شعلہ نمودار نہ ہُوا۔ عمرو درویش نے ایک بار پھر مشعل کو اوپر سے نیچے کو لہرایا مگر پہاڑی پر چھوٹا سا شرارہ بھی نہ چمکا۔ پہاڑی پر عمرو درویش کا ایک آدمی مارا پڑا تھا اور دو رسیوں سے بندھے ہُوئے تھے۔ وہ علی بن سفیان کے چار آدمیوں کے قبضے میں تھے۔ انہیں وہاں سے عمرو درویش کی مشعل کی حرکت نظر آ رہی تھی۔ کسی نے کہا۔ "آج کسی کو طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا۔" سب نے قہقہہ لگایا۔

"آج طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا۔" علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا۔ وہ عمرو درویش سے مخاطب ہُوا۔ "عمرو درویش! اگر تُو آج پہاڑی سے شعلہ اٹھا دے تو میں خدا کی بجائے تمہاری عبادت کروں گا۔"



ایک آدمی نے خنجر نکالا اور علی بن سفیان کی پیٹھ کی طرف سے آگے گیا۔ وہ دو چار قدم آگے گیا ہوگا کہ پیچھے سے ایک بازو اُس کی گردن کے گرد لپٹ گیا۔ کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ ایک آدمی خیمے کے عقب سے خیمے کے اندر چلا گیا ہے۔ اُس نے خیمے میں سے آشی کو پکارا۔ آشی اندر گئی۔

"فوراً نکلو۔" اس آدمی نے آشی سے کہا۔ "ہمارا راز فاش ہو چکا ہے۔ یہ آدمی جس نے کہا ہے کہ آج طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا یہاں کا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ مصر سے آیا ہے۔ ہمارا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے۔ یہاں کے مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ عمرو درویش کو قتل کر دیں۔ ہم تو نکل جائیں گے، تم ان کے ہاتھ آ گئیں تو تمہارے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کریں گے۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" آشی نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اِن وحشیوں اور جنگلیوں سے کوئی خطرہ نہیں۔"

"کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟"

"میں پاگل تھی۔" آشی نے کہا۔ "اب دماغ درست ہو گیا ہے۔ اب وہاں جاؤں گی جہاں عمرو درویش جائے گا۔"

باہر علی بن سفیان اور عام لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ انہیں وہاں لے جائیں گے جہاں سے طُور کا جلوہ نظر آتا تھا۔ وہاں انہیں دکھایا جائے گا کہ انہوں نے ایک رات پہلے جو جلوہ دیکھا تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ علی بن سفیان کے چھاپہ ماروں نے لوگوں میں سے تین آدمیوں کو اس طرح پکڑ لیا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ ان کے پہلوؤں کے ساتھ خنجروں کی نوکیں لگا کر انہیں الگ اندھیرے میں لے گئے اور اُن پر قابو پا لیا گیا تھا۔ عمرو درویش ابھی وہیں کھڑا تھا۔

☆

خیمے کے اندر ایک سوڈانی جاسوس آشی کو بچانے کے لیے اُسے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، مگر آشی جانے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ آدمی حیران تھا کہ لڑکی انکار کیوں کر رہی ہے۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ آشی نے کہا۔ "تم بھی مسلمان ہو، میں بھی مسلمان ہوں۔ میں اب اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

باہر غل غپاڑہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس آدمی نے لمبا خنجر نکال لیا اور آشی کو قتل کی دھمکی دے کر ساتھ چلنے کو کہا۔ آشی نے تلوار ایسی جگہ رکھی ہوئی تھی جہاں سے فوراً نکالی جا سکتی تھی۔ عمرو درویش نے اُسے کہہ رکھا تھا کہ ہتھیار ہر لمحہ تیار رہنے چاہئیں۔ آشی نے لپک کر تلوار کھینچ لی اور کہا۔ "ہم دونوں میں سے کوئی بھی باہر نہیں جائے گا۔"

ایک مرد کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا کہ اسے ایک عورت للکار رہی ہے۔ وہ جان گیا کہ یہ معاملہ گڑبڑ ہے اور اتنی قیمتی لڑکی ہاتھ سے جا رہی ہے۔ اُسے قتل کر دینا یا اٹھا لے جانا ضروری ہو گیا تھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ آشی تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتی ہے یا نہیں۔ وہ خنجر سے اس پر حملہ آور ہُوا۔ آشی نے اُس کے خنجر پر تلوار ماری۔ خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن خیمے سے ٹکرا کر اُس کے قریب گرا۔ اُس نے خنجر اٹھا لیا۔ آشی نے اس پر تلوار کا وار کیا۔ وہ تجربہ کار تیغ زن تھا۔ وار بچا گیا۔ آشی نے کہا۔ "میرا استاد بھی وہی ہے جس نے تمہیں تیغ زنی سکھائی ہے۔"

اُس نے آشی کا ایک اور وار اس طرح روکا کہ ایک طرف ہُوا اور آشی کے سنبھلنے تک اُس کے اوپر آ گیا۔ اس

نے آشی کی کلائی پکڑلی اور بولا — "میں تمہیں قتل نہیں کروں گا آشی! ہوش میں آؤ" — آشی نے اس کی ناک پر ٹکر ماری۔ وہ پیچھے ہٹا تو اس کے خنجر پر کرکے خنجر پھر گرا دیا۔ وہ وار بچانے کے لیے پیچھے ہٹا تو خیمے نے اُسے روک لیا۔ اب تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر تھی۔ آشی نے کہا — "میں مسلمان باپ کی بیٹی ہوں" — اُس نے نوک اُس آدمی کی شہ رگ میں دبائی اور بولی — "بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ پیچھے کرلو۔ میری طاقت میرا ایمان ہے۔ میں اب کھلونا نہیں"

باہر اب یہ عالم تھا کہ ایک مشعل علی بن سفیان نے اُٹھائی تھی اور دوسری امام نے۔ چار پانچ چھاپہ ماروں نے عمرو درویش کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اُسے انہوں نے مجرم کی حیثیت سے حراست میں نہیں لیا تھا بلکہ حفاظت کے لیے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ جو سوڈانی جاسوس اُس کے ساتھ لگے ہوئے تھے، وہ اُسے قتل کرسکتے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے اب کوئی بھی آزاد نہیں تھا۔ یہ ہدایت علی بن سفیان نے دی تھی کہ جونہی ہنگامہ شروع ہو عمرو درویش کو پناہ میں لے لیا جائے۔

عمرو درویش نے ایک چھاپہ مار سے کہا — "خیمے میں لڑکی ہے۔ اسے بھی ساتھ لے چلنا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔" خیمے میں گئے تو وہاں کچھ اور ہی منظر تھا۔ آشی نے تلوار کی نوک پر ایک آدمی کو بٹھا رکھا تھا۔ اس آدمی کو پکڑ لیا گیا۔ عمرو درویش سے علی بن سفیان نے کہا — "مجھے یقین ہے کہ میرے آدمی اس پہاڑی پر پہنچ گئے ہیں، اسی لیے وہاں سے شعلہ نہیں اُٹھا۔ بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو ابھی وہاں لے جاکر دکھایا جائے کہ شعلہ کیسے پیدا کیا جاتا ہے تاکہ جو اس شعبدہ بازی کے جھانسے میں آگئے ہیں، اُن کے ذہن صاف ہو جائیں۔"

"ایک مسئلہ اور ہے جس کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے" — عمرو درویش نے کہا — "اسحاق کو قید خانے سے رہا کرانا ہے۔ اس علاقے میں سوڈانیوں کے بہت سے جاسوس ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں کے حالات کی اچانک اور غیر متوقع تبدیلی دیکھ کر حکومت اور فوج کو اطلاع دے دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں ڈال کر اُسے اذیت رسانی سے مار دیا جائے گا۔ میں سوڈانی سالار کو یہ دھوکہ دے کر آیا تھا کہ میں یہاں کے مسلمانوں کے ذہن بدل دوں گا۔ میں نے قید خانے میں اسحاق کے ساتھ بات کرلی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ میں سوڈانیوں کی بات مان لیتا ہوں، اور اپنے علاقے میں جاکر چند دن اُن کی مرضی کے مطابق کام کروں گا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہاں آکر لوگوں کو در پردہ بتادوں گا کہ میرا اصل مقصد کیا ہے۔ میرا ارادہ یہ بھی تھا کہ قاہرہ بھی اطلاع بھجوادوں گا اور اسحاق کو فرار کرانے کی بھی کوئی صورت پیدا کروں گا....

"یہاں آیا تو مجھے پتہ چلا کہ بہت سے سوڈانی جاسوس جو اسی علاقے کے مسلمان ہیں میرے ارد گرد پھرتے ہیں اور میں آزاد نہیں ہوں۔ اتفاق سے یہ لڑکی مسلمان نکلی" — اُس نے آشی کے ماضی کے متعلق سب کو تفصیل سنائی اور کہا — "مجھے اُمید نہیں تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ ہمارے مسلمان بھائی اس قدر سادہ اور جذباتی ہیں کہ میری باتوں اور شعبدہ بازیوں کے قائل ہوتے گئے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں کیا کروں۔ میں ہر لمحہ سوڈانی جاسوسوں کی نظر میں رہتا تھا۔ خدا نے میری نیت کی قدر کی اور آپ کو بھیج دیا.... باقی باتیں بعد میں سناؤں گا۔ میں اسحاق کو آزاد کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے دو بہت ہی دلیر اور عقل مند چھاپہ مار



دے دیں۔"

اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ اُس نے کیا سوچا ہے۔ علی بن سفیان نے اس کی سکیم پر غور کیا۔ کچھ ردوبدل کی اور اُسے کہا کہ وہ دو چھاپہ ماروں اور آشی کے ساتھ اسی وقت روانہ ہو جائے اور اسحاق کو رہا کرائے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ لوگوں کو اس پہاڑی پر لے جائے گا اور انہیں بتائے گا کہ نُور کے جلوے کی حقیقت کیا تھی۔

عمرو درویش، دو چھاپہ مار اور آشی اُسی وقت گھوڑوں پر روانہ ہو گئے۔

☆

وہ خیمے کی پچھلی جانب سے چپکے سے نکل گئے تھے۔ علی بن سفیان خیمے سے باہر نکلا۔ لوگ پریشانی اور حیرت کے عالم میں باہر ٹولیوں میں کھڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا — "اگر تم نور کے جلوے کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ آؤ۔ تم سب جانتے ہو کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیغمبری اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد خدا نے نہ کسی کو کبھی جلوہ یا معجزہ دکھایا ہے نہ دکھائے گا۔ اس آدمی کو تمہارے عقیدے خراب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تم نے غور نہیں کیا کہ یہ شخص تمہیں صرف یہ بات کہتا رہا ہے کہ سوڈان کی فوج کو تم نے اس علاقے سے ہمیشہ دور رکھا ہے۔ اب سوڈانیوں نے تمہارے دلوں پر قبضہ کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا ہے....

"غیور مسلمانو! دشمن جب اس قسم کے اوچھے حربوں پر اُتر آتا ہے تو یہ اس حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ میدان میں تمہارے مقابلے میں آنے سے ڈرتا ہے۔ تم حق پر ہو۔ یہ خطہ تمہارا ہے۔ یہاں اسلام کی حکومت ہوگی۔ کفار تمہارے دلوں سے قوم اور مذہب کا احساس ختم کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔ آج تمہیں نُور کے جلوے دکھائے جا رہے ہیں۔ کل تمہیں صلیبی لڑکیوں کے جلوے دکھا کر تم میں بے حیائی پھیلائی جائے گی۔ تمہیں انسان سے حیوان بنایا جائے گا پھر تم محسوس بھی نہیں کرو گے کہ تم عزت، غیرت اور وقار سے محروم ہو گئے ہو۔ تم کفار کے غلام ہو گے۔ سوڈان کا بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔ وہ کافر ہے۔ اسلام کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیٹیاں کفار کی بیٹیوں کی طرح مردوں کے ساتھ شراب پییں اور بدکاری کریں؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسجدیں ویران ہو جائیں اور قرآن کے ورق زمین پر روندے جائیں؟"

"ربِ کعبہ کی قسم! ہم ایسا نہیں چاہتے" — ایک آواز آئی — "اُسے ہمارے سامنے لاؤ جو اپنے آپ کو خدا کا ایلچی کہتا ہے۔"

"وہ بے قصور ہے" — علی بن سفیان نے کہا — "وہ تم میں سے ہی ہے۔ وہ اب اصلی روپ میں تمہارے سامنے آئے گا اور تمہیں بتائے گا کہ کفار کس طرح تمہاری جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ ابھی تم میری باتیں سنو۔ تم مسلمان ہو۔ خدا نے تمہیں برتری اور فوقیت عطا فرمائی ہے۔ کفار تمہیں خدا کی عطا کی ہوئی عظمت سے بیگانہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم کون ہو؟" کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "تمہاری باتوں میں دانائی ہے۔ کیا تم ہمیں دکھا سکتے ہو کہ یہ سب کیا تھا جو ہمیں دکھایا گیا ہے؟"

"یہ تمہیں دکھاتا ہوں"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ خیمے میں سے وہ ایک برتن اٹھا لایا جس میں تیل کی قسم کا آتش گیر سیال تھا۔ اُس نے یہ تیل ایک کپڑے پر ڈال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس پر پانی ڈالا۔ مشعل اُٹھا کر اس کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑا بھڑک کر شعلہ بن گیا۔ اس نے سب کو بتایا کہ جس کپڑے پر پانی ڈال کر عمرو درویش آگ لگاتا تھا وہ بھی اسی تیل سے بھیگا ہوا ہوتا تھا۔

"اب میں تمہیں وہ آدمی دکھاتا ہوں جو اس کے ساتھی تھے"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ اس نے کسی کو آواز دے کر کہا۔ "انہیں سامنے لے آؤ"۔

لوگوں کے ہجوم سے کچھ دُور اندھیرے میں وہ آدمی پکڑے کھڑے تھے جو عمرو درویش کے سوانگ میں شامل تھے۔ انہیں چھاپہ ماروں نے نرغے میں لے رکھا تھا۔ اچانک شور اٹھا۔ گھوڑا دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "ایک بھاگ گیا"۔ ایک جاسوس نکل گیا۔ دوسروں کو سامنے لایا گیا۔ مشعل اُوپر کر کے اُن کے چہرے سب کو دکھائے گئے۔

"یہ مسلمان ہیں"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "اسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔ یہ ایمان فروش ہیں"۔

علی بن سفیان نے تفصیل سے بتایا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔

"انہیں قتل کر دو"۔ کئی آوازیں اُٹھیں۔ "سنگسار کر دو"۔ لوگ اُن کی طرف بڑھے۔ مشعلوں کی روشنی میں تلواریں چمکیں۔ "رک جاؤ"۔ علی بن سفیان نے درمیان میں آکر کہا۔ "خدا کا قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو۔ ان کی سزا تمہارے بزرگ مقرر کریں گے۔ انہیں حراست میں لے لو.... اور میرے ساتھ آؤ"۔

سارے لوگ علی بن سفیان کے پیچھے چل پڑے۔ وہ انہیں اُس پہاڑی کی طرف لے جا رہا تھا جہاں اس کے چھاپہ ماروں نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا اور دو کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا۔

☆

اُس وقت عمرو درویش، آشی اور دو چھاپہ مار دُور نکل گئے تھے۔ وہ سوڈان کے دارالحکومت کی طرف جا رہے تھے۔

"دوستو!"۔ عمرو درویش نے دوڑتے گھوڑے سے کہا۔ "ہمیں بہت جلدی پہنچنا ہے..... آشی! اگر تم سواری سے تھک جاؤ تو میرے پیچھے بیٹھ جانا۔ سفر بڑا ہی لمبا اور وقت بہت ہی تھوڑا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی جاسوس ہم سے پہلے نہ پہنچ جائے"۔

جاسوس بھی دارالحکومت کو روانہ ہو گیا تھا۔ یہ وہی تھا جو علی بن سفیان کے آدمیوں کی حراست سے بھاگا تھا۔ وہ ایک وادی میں چلا گیا تھا کیونکہ اُسے تعاقب کا ڈر تھا۔ وہ وادی سے نکلا اور اُس نے دارالحکومت کا رُخ کرنے سے بہت دُور کا چکر کاٹا۔ اتنے وقت میں عمرو درویش بہت دُور نکل گیا تھا۔ جاسوس کو یہ خبر دینی تھی کہ عمرو درویش کا راز بے نقاب ہو گیا ہے۔ اسے عمرو درویش پر شک کا اظہار بھی کرنا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرو درویش کو ایک بار پھر قید خانے



میں بند ہونا تھا۔ عمرو درویش اس سے پہلے پہنچ کر سوڈانی سالار کو دھوکہ دینا اور اسحاق کو رہا کرانا چاہتا تھا۔ آشی کو اس سکیم کا علم تھا اور وہ گواہ کی حیثیت سے ساتھ جا رہی تھی۔

لوگ مشعلوں کی روشنی میں پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ علی بن سفیان آگے آگے تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر اُس کے آدمیوں نے دو جاسوسوں کو باندھ رکھا تھا۔ انہیں مشعلیں اُوپر آتی نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی نے دیا اوپر کر دیا تاکہ آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں کہاں آنا ہے۔

"ہمارے ساتھ چلو"۔ رسیوں سے بندھے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔ "جو مانگو گے ملے گا۔ ہمیں چھوڑ دو"۔

"کیا تم ہر مسلمان کو ایمان فروش سمجھتے ہو؟"۔ اُسے جواب ملا۔ "دنیا کی دولت اور دوزخ کی آگ میں کوئی فرق نہیں۔ تم اپنی قوم کو دھوکہ دے رہے تھے"۔

"وہ آ رہے ہیں"۔ دوسرے قیدی نے کہا۔ "وہ ہمیں سنگسار کر دیں گے۔ یہ بڑی اذیت ناک موت ہوگی.... کچھ کیا لیتے ہو۔ ہم دوسری طرف سے بھاگ چلتے ہیں۔ سونا دیں گے"۔

جوں جوں مشعلیں اوپر آ رہی تھیں، دونوں قیدیوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک نے کہا۔ "تمہارے پاس تلواریں ہیں۔ ان سے ہماری گردنیں کاٹ دو۔ ہمیں ان لوگوں سے بچاؤ"۔

"اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگو"۔

مشعلیں اُن کے سر پہ آن رکیں۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو دُور دُور کھڑا کر دیا۔ لوگ دو آدمیوں کو رسیوں میں بندھا دیکھ کر حیران ہونے لگے۔

"یہ ہیں طُور کا جلوہ دکھانے والے"۔ علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا اور زمین پر دیکھا۔ وہاں آتش گیر سیال گرا ہوا تھا۔ ذرا پرے برتن پڑا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اس برتن میں وہی تیل تھا جو میں نے کپڑے پر ڈال کر دکھایا تھا۔ یہ تیل یہاں گرایا گیا ہے۔ میں نے چار آدمی شام کے وقت یہاں چھپا دیئے تھے۔ عمرو درویش کی مشعل کے اشارے پر ان دونوں نے اس دیئے سے اس تیل کو آگ لگانی تھی اور یہ طور کا جلوہ تھا جو تم لوگ نہ دیکھ سکے کیونکہ میرے آدمیوں نے انہیں آگ لگانے سے پہلے ہی پکڑ لیا تھا"۔

"یہ تین تھے"۔ ایک آدمی نے کہا۔ "تیسرے نے پہلا مقابلہ کیا۔ اس کی لاش درخت کے ساتھ پڑی ہے"۔

علی بن سفیان نے مشعل کا شعلہ تیل پر رکھا تو تیل جل اُٹھا۔ شعلہ اُوپر تک آیا اور آہستہ آہستہ بجھنے لگا۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "کیا اس کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ خدا سے تمہارا رشتہ توڑ کر تمہیں آتش پرست بنایا جا رہا تھا"۔ اُس نے ان دو آدمیوں سے جو رسیوں سے بندھے ہوئے تھے پوچھا۔ "کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

"ہمیں بخش دو"۔ ایک نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "تم نے جو کہا سچ کہا ہے"۔

"کیا تم اسی علاقے کے مسلمان نہیں ہو؟"

"ہاں!"۔ دونوں نے سر ہلائے۔

"کیا تمہیں صلیبیوں اور سوڈانی کفار نے اس کام کی تربیت نہیں دی؟"

"انہوں نے ہی دی ہے۔"

"اور تم اپنی قوم کو دھوکہ دینے اور اپنے مذہب کو تباہ کرنے کا انعام نہیں لیتے؟"

"ہاں!" ــــ ایک نے جواب دیا۔ "ہم اس کا انعام لیتے ہیں۔"

"ہمیں بخش دو" ــــ دوسرے نے کہا ــــ "ہم اپنی قوم کے لیے جانیں قربان کریں گے۔"

پیچھے سے ایک جوشیلے مسلمان نے اتنی تیزی سے تلوار کے دو وار کیے کہ دونوں کے سر جسموں سے جُدا ہو کر گر پڑے۔

"اگر میں قاتل ہوں تو مجھے قتل کر دیا جائے" ــــ تلوار چلانے والے نے تلوار لوگوں کے آگے پھینک کر کہا۔

"خدا کی قسم یہ شخص قاتل نہیں ہے" ــــ امام نے کہا۔

"یہ قتل جائز تھا" ــــ ایک شور اٹھا۔

☆

عمرو درویش نے سحر کے آغاز میں گھوڑے روک لیے۔ چھاپہ ماروں اور آشی سے کہا کہ ذرا آرام کر لیں.... گھوڑوں کو بھی آرام دینا ضروری تھا۔ دارالحکومت کی طرف جانے والا جاسوس آدھی رات تک چلا اور ایک جگہ آرام کرنے کے لیے رک گیا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش آگے آگے جا رہا ہے۔ وہ لیٹا اور سو گیا۔ صبح طلوع ہوتے ہی عمرو درویش نے اپنے قافلے کو گھوڑوں پر سوار کیا اور روانہ ہو گیا۔ وہ فوجی تھا۔ چھاپہ مار بھی سختیاں برداشت کرنے کے عادی تھے۔ آشی لڑکی تھی جو محلات میں رہنے کی عادی تھی۔ اُسے ٹریننگ تو ملی تھی لیکن اُس کی زندگی عیش و عشرت میں گزر رہی تھی۔

"آشی!" ــــ عمرو درویش نے اُسے دوڑتے گھوڑے سے کہا۔ "تمہارا چہرہ اُتر گیا ہے۔ تم شب بیداری کی بھی عادی نہیں۔ میرے گھوڑے پر آجاؤ۔"

آشی مسکرائی مگر اُس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ عمرو درویش نے اُسے ایک بار پھر کہا کہ وہ اپنا گھوڑا چھوڑ دے۔ آشی نے انکار میں سر ہلایا۔ گھوڑے دوڑے جا رہے تھے۔ کچھ دُور آگے جا کر ایک چھاپہ مار نے عمرو درویش سے کہا ــــ "لڑکی اونگھ رہی ہے، گر پڑے گی۔"

عمرو درویش نے اپنا گھوڑا آشی کے قریب کیا اور باگیں کھینچ لیں۔ آشی بیدار ہو گئی۔ عمرو درویش نے اُسے کہا کہ وہ اُس کے آگے سوار ہو جائے۔

"میں سہارا لینا نہیں چاہتی" ــــ آشی نے کہا ــــ "سہارا دوں گی۔ مجھے اپنا عہد پورا کرنا ہے۔ مجھے اپنے ماں باپ کے قتل کا اور اپنی عصمت کا انتقام لینا ہے۔ میں جاگنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

گھوڑے چلے۔ بہت آگے جا کر آشی نیند پر قابو نہ پا سکی۔ عمرو درویش اُس کے قریب تھا۔ اگر وہ دیکھ نہ لیتا تو آشی گر پڑتی۔ اُس نے گھوڑے روک کر آشی سے کوئی بات کئے بغیر اُسے کمر سے پکڑا اور اپنے گھوڑے پر اپنے آگے



بٹھا لیا۔ ایک چھاپہ مار نے آشی کے گھوڑے کی باگیں اپنی زین کے ساتھ باندھ لیں اور گھوڑے دوڑ پڑے۔ آشی نے سر عمرو درویش کے سینے پر پھینک دیا اور گہری نیند سو گئی۔ اس کے کھلے بال عمرو درویش کے چہرے پر پڑنے لگے۔ ایسے ملائم اور ریشمی بالوں کے لمس سے وہ آشنا نہیں تھا مگر ان بالوں نے اس پر وہ اثر نہ کیا جو ایک جوان مرد پر ہونا چاہیے تھا۔ اُسے آشی کی باتیں یاد آنے لگیں:

"تمہاری آغوش میں مجھے اپنے باپ کی آغوش کا سرور آیا تھا" ــــ آشی نے اُسے اسی صحرا میں چند راتیں پہلے کہا تھا ــــ "مجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ میرے بھی ماں باپ تھے۔ تم نے میرا ماضی میرے آگے رکھ دیا ہے۔"

پھر عمرو درویش کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہوا کے زناٹوں سے اُسے آشی کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہوں ــــ "مجھے اپنے سینے اور اپنے بازوؤں کی پناہ میں لیے رکھو۔ میں مسلمان کی بچی ہوں۔ مجھے صلیبیوں کے حوالے نہ کر دینا.... خون.... خون.... مجھے خون نظر آ رہا ہے۔ یہ میرے باپ کا خون ہے۔ یہ میری ماں کا خون ہے۔ دونوں خون بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گئے ہیں.... عمرو درویش.... تمہاری رگوں میں ہاشم درویش کا خون دوڑ رہا ہے۔ تمہیں اِس لہو کا خراج وصول کرنا ہے جو بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گیا تھا۔ تمہیں فلسطین کی آبرو پکار رہی ہے۔ قبلۂ اوّل کو دل سے اُتار نہ دینا ہاشم کے بیٹے!"

چھاپہ ماروں نے دیکھا کہ عمرو درویش نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ چھاپہ ماروں کو بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کرنی پڑی۔ آشی کے بال اور زیادہ بکھر کر ہوا کے زناٹوں سے اُس کے چہرے پر اُڑنے لگے۔

"عمرو درویش!" ــــ ایک چھاپہ مار نے گھوڑا اُس کے قریب کر کے کہا ــــ "گھوڑے کسی چوکی سے بدلنے کی تو اُمید نہیں، گھوڑے کو اس طرح نہ مارو۔ ذرا آہستہ.... ذرا آہستہ۔"

عمرو درویش نے چھاپہ مار کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار ذرا کم کر دی اور بولا ــــ "خدائے ذوالجلال ہمارے ساتھ ہے۔ گھوڑے تھکیں گے نہیں۔"

اُس کی آواز سے آشی کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے گھبرا کر پوچھا ــــ "میں کتنی دیر سوئی رہی؟ میرا گھوڑا کہاں ہے؟"

"تم تو سو گئی تھی" ــــ عمرو درویش نے کہا ــــ "لیکن میرے ایمان کی جو رگ سوئی ہوئی تھی وہ جاگ اُٹھی ہے.... اُٹھو، اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم شام تک منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

☆

علی بن سفیان اُسی گاؤں میں چلا گیا تھا جسے مسلمانوں نے اپنی زیر زمین سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کے سپرد یہ کام کیا کہ تمام علاقے میں پھیل کر عمرو درویش کی شعبدہ بازیوں کی حقیقت بتا دیں۔ اُس نے وہاں کے لیڈروں کو بتایا کہ وہ لوگوں کو تیار کریں۔ یہ علاقہ بہر حال سوڈان کا تھا جہاں مسلمانوں کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوڈانی فوج حملہ کرنے کا حق رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے علاقے میں اپنا قانون رائج کر رکھا تھا۔ انہوں نے جن جاسوسوں کو گرفتار کیا تھا انہیں اپنے بنائے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ انہیں سزا دینی تھی جو سوڈانی قانون کے مطابق جرم تھا۔ ان مجرموں نے جو کچھ کیا سوڈانی حکومت کی

بحری کے لیے کیا تھا۔ علی بن سفیان نے خط وصول لے لیا تھا۔ اس نے چھاپہ ماروں کی دو پارٹیاں تیار کر لیں۔

قید خانے میں اسحاق کو ایک اچھے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ اسے نہایت اچھا کھانا باعزت طریقے سے دیا جاتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیوں ہو رہا ہے۔ عمرو درویش اسے اپنی پوری سکیم بتا گیا تھا۔ اسحاق تنہائی میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ اسے دو خطرے نظر آ رہے تھے۔ ایک یہ کہ عمرو درویش نے قید خانے کی اذیتوں سے تنگ آ کر سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا ہوگا۔ دوسرا خطرہ یہ کہ عمرو درویش کہیں اپنے ہی منصوبے کی نذر نہ ہو گیا ہو۔ اسحاق اپنے فرار کے متعلق بھی سوچتا رہتا تھا لیکن اسے کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ سوڈانیوں کے لیے وہ قیمتی قیدی تھا جس پر انہوں نے اضافی پہرے لگا رکھے تھے۔ جب سے عمرو درویش اس سے الگ ہوا تھا اسے کسی نے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی قوم کو سوڈان کا وفادار بنائے۔۔۔۔۔ سوڈانی سالار جو اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا اس کے سامنے بھی نہیں آیا تھا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ چار گھوڑے سوڈان کے دارالحکومت میں داخل ہوئے اور سیدھے فوج کے مرکز کے سامنے جا رکے۔ عمرو درویش کو معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا اور کیسے ملنا ہے۔ اسے ذہنی تخریب کاری کی تربیت یہیں سے ملی تھی۔ اس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو اس سوڈانی سالار کا نام بتایا جس نے اسے اس کام کے لیے تیار کیا تھا۔ اسے فوراً سالار کے گھر پہنچا دیا گیا۔

"ناکام لوٹے ہو یا کوئی اچھی خبر لائے ہو؟" سوڈانی سالار نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"اچھی خبر اس سے سنیں" — عمرو درویش نے آشی کی طرف اشارہ کر کے کہا — "آپ مجھ پر شاید اعتبار نہ کریں۔"

آشی تھکن سے چور پلنگ پر گر پڑی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے عمرو درویش سے کہا — "انہیں ساری بات خود ہی بتاؤ اور ذرا جلدی کرو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

"ہماری مہم اتنی جلدی کامیاب ہوئی ہے جس کی مجھے بالکل امید نہیں تھی۔" عمرو درویش نے کہا اور پوری تفصیل سے سنایا کہ اس نے کس طرح پانی کو آگ لگائی اور کلور کے جلوے دکھائے ہیں۔

"اور اس کے بولنے کا جو انداز تھا اس نے مجھے تو حیران ہی کر دیا تھا" آشی نے عمرو درویش کے متعلق کہا۔ "لوگ اس کے شعبدوں سے اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنے اس کی زبان سے۔"

"کیا آپ کو ابھی تک کوئی بتانے نہیں آیا کہ وہاں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے؟" — عمرو درویش نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں آیا" سوڈانی سالار نے کہا — "میں تم دونوں کے متعلق پریشان تھا۔"

عمرو درویش کو یہ سن کر اطمینان ہوا کہ یہاں ابھی تک کوئی جاسوس نہیں پہنچا۔ جاسوس جو مسلمانوں کی حراست سے فرار ہو کر آ رہا تھا ابھی دور تھا۔ اس کی رفتار وہ نہیں تھی جو عمرو درویش کی تھی۔ اس رفتار سے اسے صبح کے وقت پہنچنا تھا۔ عمرو درویش کا دھوکہ اسی جاسوس کی غیر حاضری میں ہی چل سکتا تھا۔ اس کے پہنچتے ہی اصل صورت حال کو بے نقاب ہونا اور عمرو درویش کو قید خانے میں بند ہونا تھا۔



"اب مجھے اسحاق کی ضرورت ہے" عمرو درویش نے کہا — "میں آدھے سے زیادہ مسلمانوں کے ذہن صاف کر چکا ہوں۔ میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت اور دشمنی پیدا کر دی ہے۔ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی فرعونوں کا جانشین ہے۔ اب مسلمانوں کو اپنا کوئی قائد کہہ دے کہ ہمیں سوڈان کا وفادار ہونا چاہیے۔ اس علاقے کی تمام تر آبادی آپ کی ہو گی۔ میں نے وہاں معلوم کیا ہے، اور میں خود بھی جانتا ہوں کہ یہ قائد اسحاق کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسے وہاں کے مسلمان پیر اور پیغمبر مانتے ہیں۔"

"مگر اسحاق سے منوائے کون؟" سوڈانی سالار نے کہا — "میں اسے اس خطے کی امارت کے لالچ دے چکا ہوں۔ اسے ایسی ایسی اذیتیں دی ہیں جو گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آشی بھی ناکام ہو چکی ہے۔"

"اب مجھے کوشش کرنے دیں" عمرو درویش نے کہا — "اسے قید خانے سے نکال کر اسی کمرے میں بھیج دیں جہاں آپ نے اسے ایک بار رکھا تھا اور مجھے بھی رکھا تھا۔ آپ اس کے دشمن ہیں۔ میں اس کا ساتھی ہوں۔"

"کیا وہاں آشی کو ایک بار پھر آزماؤ گے؟" سوڈانی سالار نے پوچھا۔

"نہیں" عمرو درویش نے جواب دیا — "میں اب اپنی زبان کا جادو آزماؤں گا۔ اسے اگر ابھی اس کمرے میں لے جائیں تو مجھے امید ہے کہ صبح تک میں اسے اپنے جال میں پھانس لوں گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ اس علاقے سے میری غیر حاضری لمبی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں مصری جاسوس بھی ہیں۔ میں نے وہاں جو جادو چلایا ہے اسے مصری جاسوس میری غیر حاضری میں بیکار کر سکتے ہیں۔"

سوڈانی سالار نے ان دو چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا جو عمرو درویش کے ساتھ تھے۔ اس نے بتایا کہ یہ اس کے محافظ اور مرید ہیں، اور یہ اس کے ساتھ رضاکارانہ طور پر آئے ہیں۔

☆

وہ ایک عمارت کا خوشنما کمرہ تھا جس میں اسحاق کو لایا گیا۔ سالار خود اسحاق کو قید خانے میں سے لانے کے لیے گیا تھا۔ اس نے اسحاق سے کہا تھا — "میں تمہارے قومی جذبے اور ایمان کا قائل ہو گیا ہوں۔ تمہارا ایک دوست عمرو درویش تم سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ملاقات اچھے ماحول میں ہو۔"

"مجھے قید خانے سے زیادہ غلیظ اور جہنمی ماحول اور تمہارے محلات سے زیادہ دلفریب ماحول اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکتے" اسحاق نے کہا — "مجھے تہہ خانے میں لے چلو یا بالاخانے میں، میں اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔"

سوڈانی سالار ہنس پڑا اور اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں عمرو درویش اس کے انتظار میں موجود تھا۔ سوڈانی سالار بھی کمرے میں رہا۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے ان کافروں کے ہاتھ اپنا ایمان بیچ ڈالا ہے" اسحاق نے عمرو درویش سے کہا — "تمہارے چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے کہ تم بہت دنوں سے قید خانے سے باہر گھوم پھر

رہے ہو۔ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"میں تمہارے چہرے پر بھی یہی رونق اور آنکھوں میں یہی چمک دیکھنا چاہتا ہوں جو تم میرے چہرے پر اور آنکھوں میں دیکھ رہے ہو۔" عمرو درویش نے کہا ۔۔۔ "ذرا مجھے مہلت دو۔ ذرا سی دیر کے لیے اپنا دل اور اپنا ذہن مجھے دے دو۔ تحمل اور اطمینان سے میری بات سنو۔"

سوڈانی سالار پاس کھڑا تھا۔ وہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسحاق اُس کا نہایت اہم قیدی تھا اور عمرو درویش بھی قیدی ہی تھا۔ یہ عمرو درویش کا دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ ان دونوں کو ایک ایسے کمرے میں آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا جو قید خانے کا کمرہ نہیں تھا۔ اُس نے چار سنتریوں کا انتظام کر دیا تھا۔ دو کمرے کے سامنے کھڑے تھے اور دو پچھلے دروازے کے سامنے۔ برچھیوں اور تلواروں کے علاوہ انہیں تیر و کمان بھی دیئے گئے تھے تاکہ فرار کی کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔ عمرو درویش چاہتا تھا کہ سالار وہاں سے چلا جائے مگر سالار وہاں سے ٹلتا نظر نہیں آرہا تھا۔ اُس کی موجودگی میں عمرو درویش اسحاق کو بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا منصوبہ کیا ہے۔

آشی کو سوڈانی سالار نے نہانے دھونے اور آرام کے لیے اسی عمارت کے ایک کمرے میں بھیج دیا تھا۔ وہ سوڈانی سالار کو اس کمرے سے لے جا سکتی تھی مگر اُس کے اِدھر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سوڈانی سالار الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ جاسوس جو صحیح صورتِ حال بتانے آرہا تھا شہر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ عمرو درویش کے دونوں چھاپہ مار اسی عمارت کے ایک برآمدے میں عمرو درویش کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آشی باہر آئی۔ وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر آئی تھی۔ اُس کا حُسن نکھر آیا تھا۔ چہرے سے سفر کی تھکن بھی دُھل گئی تھی۔ وہ چھاپہ ماروں کے پاس جا رُکی۔

"سالار چلا گیا ہے؟" آشی نے اُن سے پوچھا۔

"نہیں!" ایک چھاپہ مار نے جواب دیا۔ "وہ اندر ہے۔"

"اُسے چلے جانا چاہئے۔" آشی نے کہا اور وہ اُس کمرے کی طرف چل پڑی۔

عمرو درویش نے اُسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اُسے اُمید کی کرن نظر آئی۔ سوڈانی سالار نے اُسے دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ آگئی جو اُس جیسے مردوں کے ہونٹوں پر آشی جیسی دلکش لڑکی کو دیکھ کر آیا کرتی ہے۔ آشی ٹہلتے ٹہلتے سالار کے پیچھے چلی گئی۔ اُس نے عمرو درویش کو گہری نظروں سے دیکھا۔ عمرو درویش کو موقع مل گیا۔ اُس نے آشی کو اشارہ کیا کہ سالار کو یہاں سے غائب کرو۔

"اسحاق بھائی!" عمرو درویش نے پوچھا ۔۔۔ "کیا ہم سوڈان کے بیٹے نہیں ہیں؟"

"میں سب سے پہلے اسلام کا بیٹا ہوں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "اور میں اب بھی مصری فوج کا کماندار اور سلطان صلاح الدین کا وفادار ہوں۔ اگر سوڈان کی زمین میری ماں ہے تو میں اپنی ماں کو اسلام کے دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ عمرو درویش! میں تمہاری طرح اسلام کی عظمت اور اپنی غیرت کو فروخت نہیں کر سکتا۔"

آشی نے پیچھے سے سوڈانی سالار کے کندھوں پر دونوں بازو رکھے اور منہ اُس کے کان سے لگا کر کہا ۔۔۔



"چند دنوں میں آپ کا دل مر گیا ہے؟"

سوڈانی سالار نے گھوم کر دیکھا تو آشی کے گال اور بکھرے ہوئے بال سالار کے گالوں سے ٹکرا گئے۔ آشی مسکرا رہی تھی۔ اُس نے مخمور اور تشنہ لہجے میں کہا ۔۔۔ "میں اتنی خطرناک اور تھکا دینے والی مہم سے واپس آئی ہوں۔ کل پھر انہی جنگلیوں کے پاس چلی جاؤں گی جن کے پاس پینے کو پانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں تو شراب کی بُو کو بھی ترس گئی ہوں۔"

"اوہ!" سوڈانی سالار نے چونک کر کہا ۔۔۔ "میں تو اس قصے میں تمہیں بھول ہی گیا تھا۔ میں کسی سے کہہ دیتا ہوں۔ تم اُسی کمرے میں چلو۔"

"اونہہ!" آشی نے کہا۔ "اکیلے کیا خاک مزہ آئے گا؟ آپ بھی چلیئے۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ دونوں طرف سنتری کھڑے ہیں۔ کچھ دیر بعد یہیں آجانا۔"

آشی اس فن کی اُستاد تھی۔ بچپن سے اب تک اُسے مردوں کو اپنے جال میں پھانسنے اور انگلیوں پر نچانے کی تربیت دی گئی تھی۔ اُس نے یہی فن اپنے آقاؤں اور استادوں کے خلاف آزمانا شروع کر دیا۔ سوڈانی سالار اس کی مسکراہٹ کے فریب میں آگیا اور اُس کے ساتھ چل پڑا۔ باہر جا کر اُس نے ایک ملازم کو شراب لانے کو کہا اور آشی کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ آشی نے اُسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور ذرا سی دیر میں بوڑھے سالار پر جوان لڑکی کا طلسم طاری ہو گیا۔ اتنے میں شراب آگئی۔ آشی نے سالار کو جام پہ جام پلانے شروع کر دیئے۔

☆

"نیت صاف ہو تو خدا بھی مدد کرتا ہے۔" عمرو درویش نے اسحاق سے کہا۔ "میں نے جو سوچا تھا وہ ہر لحاظ اور ہر پہلو سے عملی شکل میں آگیا ہے۔ ساری بات شہر سے نکل کر سناؤں گا۔ دو چھاپہ مار ساتھ لایا ہوں۔ دو سنتری اِدھر کھڑے ہیں دو اُدھر۔ ہمیں صرف اُس طرف کے سنتریوں کو ختم کرنا ہے جس طرف سے نکلنا ہے۔ چار گھوڑے تیار ہیں۔ چار گھوڑے سنتریوں کے تیار کھڑے ہیں تاکہ فرار کی صورت میں وہ ہمارا تعاقب کر سکیں۔ اپنے نال معرکے کچھ لوگ آئے ہیں۔ ایک آدمی بہت ہی دانشمند معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ تاہم وہ اطلاع پہنچ گئی ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ سالار کو لڑکی لے گئی ہے۔ میں ذرا باہر کا جائزہ لے لوں۔ لڑکی کو بھی ساتھ لے جانا ہے۔"

"کیوں؟" اسحاق نے پوچھا ۔۔۔ "اس بدکار کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"باہر چل کر بتاؤں گا۔" عمرو درویش نے کہا ۔۔۔ "یہ کوئی ایسا ویسا تعلق نہیں۔ لڑکی مسلمان ہے۔"

عمرو درویش باہر نکلا۔ سنتریوں نے اُسے سوڈانی سالار کے ساتھ اس کمرے میں آتے دیکھا تھا، اس لیے انہوں نے اُسے احترام کی نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے چھاپہ ماروں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ سنتریوں کو سنبھالنے کا وقت آگیا ہے۔ پھر اُس نے اُس کمرے کا دروازہ آہستہ سے ذرا سا کھولا۔ سالار کے ہوش شراب میں ڈوب چکے تھے۔ اُس نے جھوم کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

"میں دیکھتی ہوں۔" آشی نے کہا ۔۔۔ "ہوا سے دروازہ کھل گیا ہے۔" اُس نے سالار کو سہارا دے کر پلنگ

پر لٹادیا۔ سالار نے بازو پھیلا کر لڑکھڑاتی آواز میں کہا — "تم بھی آؤ۔ نشے کو دُگنا کردو۔"

آشی باہر نکل آئی اور آواز پیدا کیے بغیر دروازہ باہر سے بند کردیا۔ عمرو درویش اور آشی نے دونوں چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور اسحاق والے کمرے کی طرف گئے۔ سوڈانی جاسوس شہر میں داخل ہو چکا تھا اور وہ جاسوسی کے مرکز کی طرف جا رہا تھا۔ عمرو درویش نے دونوں سنتریوں سے کہا — "دونوں اندر چلو اور قیدی کو قید خانے میں لے جاؤ۔ سالار نے حکم دیا ہے کہ ہاتھ باندھ کرلے جانا۔"

دونوں سنتری اکٹھے اندر گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ دونوں چھاپہ مار بیک وقت اُن پر جھپٹے۔ دونوں کی گردنیں ایک ایک چھاپہ مار کے بازو کے شکنجے میں آگئیں۔ چھاپہ ماروں نے خنجر پہلے ہی نکال لیے تھے۔ انہوں نے سنتریوں کے دلوں پر وار کیے اور انہیں ختم کردیا۔ سوڈانی جاسوس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا اور ایک نائب سالار کو صحیح رپورٹ دے رہا تھا۔ عمرو درویش نے اسحاق سے کہا — "فوراً نکلو" — باہر چار گھوڑے عمرو درویش کے کھڑے تھے اور چار سنتریوں کے۔ دوسری طرف کے سنتریوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

سب گھوڑوں پر بیٹھے۔ رات نے فرار پر پردہ ڈالے رکھا۔ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ فرار ہونے والوں نے گھوڑوں کو فوراً ایڑ نہ لگائی۔ آشی بھی اُن کے ساتھ تھی۔ سوڈانی جاسوس نے اپنی رپورٹ دی تو نائب سالار اسے سوڈانی سالار کے پاس لے گیا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ دونوں اِدھر آئے تو راستے میں انہوں نے پانچ گھوڑ سوار جاتے دیکھے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب سے گزر گئے۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی کسی کو پہچان نہ سکا۔

نائب سالار نے اُس برآمدے میں جاکر اِدھر اُدھر دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے دو سنتری کھڑے تھے۔ اُس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو اُسے دونوں سنتریوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں۔ خون بہہ بہہ کر ہر طرف پھیل گیا تھا۔ نائب سالار نے اندر جاکر دوسرا دروازہ کھولا۔ اُدھر دو سنتری آرام سے کھڑے تھے۔ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایک کمرے میں سالار پلنگ پر پڑا نشے میں بدمست آشی کو پکار رہا تھا۔ نائب سالار نے اُسے ہلایا اور اُٹھایا۔ آشی نے اُسے بہت ہی زیادہ پلادی تھی۔ اُسے جب بتایا گیا کہ دو سنتری کمرے میں مرے پڑے ہیں تو ذرا ہوش میں آیا۔ جب وہ بات سننے اور سمجھنے کی حالت میں آیا اُس وقت عمرو درویش، اسحاق، دو چھاپہ مار اور آشی شہر سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ تعاقب بیکار تھا۔ صبح کے وقت اُسے صحیح صورتِ حال کا علم ہوا۔

اگلی رات آدھی گزر گئی تھی جب عمرو درویش اپنے قافلے کے ساتھ اپنے پہاڑی علاقے میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان اُن کے انتظار میں بے تاب ہو رہا تھا۔ ضرورت یہ تھی کہ اسحاق اور عمرو درویش کو فوراً مصر بھیج دیا جائے لیکن ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ انہیں اس علاقے میں گھمایا پھرایا جائے تاکہ جن لوگوں نے سوڈانیوں کی شعبدہ بازیاں دیکھی ہیں انہیں اصل حقیقت معلوم ہو جائے۔ البتہ فوری طور پر یہ انتظام کردیا گیا کہ کچھ آدمیوں کو دیکھ بھال کے لیے مقرر کردیا گیا تاکہ سوڈانی فوج حملہ کرے تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ دوسری ضرورت یہ تھی کہ مصری فوج کے کچھ دستے اور چھاپہ مار اس علاقے میں بلا لیے جائیں جو سوڈانی فوج کے حملے کی صورت میں عقب سے شبخون



ماریں اور فوج کو اس علاقے سے دُور رکھیں۔

اس طرح عمرو درویش، علی بن سفیان اور اُس کے چھاپہ ماروں نے وہ معرکہ جیت لیا جو کمانڈروں، بادشاہوں اور قوم کی نظروں سے اوجھل ہو کر لڑا گیا تھا۔ یہ ایک انفرادی جنگ تھی جو ایمان اور قومی جذبے کی قوت سے لڑی گئی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس درپردہ جنگ پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھی تھی۔ اس کا انٹیلی جنس کا نظام بہت ہوشیار تھا۔

☆

اُس وقت جب سوڈانی مسلمانوں نے یہ معرکہ جیت لیا تھا، سلطان ایوبی مسلمان امراء — گمشتگین، سیف الدین اور الملک الصالح — کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے کر اُن کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے چند ایک اہم مقامات اور چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حلب کی طرف بڑھ رہا تھا جو ایک اہم شہر اور الملک الصالح کی فوج کا مرکز تھا۔ سلطان ایوبی اس شہر کو محاصرے میں لے کر محاصرہ اُٹھا چکا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اُس کا مقابلہ ایسی بے جگری سے کیا تھا کہ سلطان ایوبی عش عش کر اُٹھا تھا۔ محاصرہ اُٹھانے کی وجہ اس سے پہلے سنائی جا چکی ہے۔

اس کے بعد مسلمان افواج کی آپس میں جو جنگ ہوئی اس کی تفصیلات بھی سنائی جا چکی ہیں۔ سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان فوجوں کو بے تحاشہ نقصان پہنچا کر اس طرح پسپا کیا کہ فوجیں بکھر گئیں۔ سلطان ایوبی نے تعاقب جاری رکھا۔ اُس کی زیادہ تر توجہ حلب کی فوج پر تھی کیونکہ یہ بہادری سے لڑنے والی فوج تھی۔ یہ حلب کی سمت پسپا ہو رہی تھی۔ سلطان ایوبی اُسے راستے میں ہی تباہ کر دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ حلب پر قبضہ کرنے کو پیش قدمی کر رہا تھا۔ اُس نے تعاقب کا انداز یہ نہ رکھا کہ اپنی فوج کو اُس کے پیچھے ڈال دیا بلکہ اُس نے اپنے برق رفتار دستے کسی دوسرے راستے سے آگے بھیج دیئے اور کچھ چھاپہ مار دونوں پہلوؤں پر بھیج دیئے۔

حلب کی فوج افراتفری کے عالم میں حلب کو جا رہی تھی۔ آگے جاکر اُس کے کمانڈروں نے دیکھا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ حلب کی فوج رُک گئی۔ اس کے سپاہیوں میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اُن کا ساز و سامان بھی کم رہ گیا تھا۔ رسد اور خوراک کی بھی کمی تھی۔ یہ فوج رُکی تو پہلوؤں پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شب خون اور چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اعلان کرنے شروع کر دیئے — "حلب والو ہتھیار ڈال دو۔"

سلطان ایوبی محاذ سے پیچھے تھا۔ اُسے اطلاعیں مل رہی تھیں کہ حلب کی فوج ہتھیار ڈالنے کی حالت میں آ رہی ہے۔ اُس نے کہا — "اگر یہ فوج صلیبیوں کی ہوتی تو میں اس کے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ چھوڑتا مگر یہ میرے اپنے بھائیوں کی فوج ہے۔ یہ لوگ ہتھیار ڈال دیں گے تو میں انہیں بخش دوں گا۔ مجھے خوشی پھر بھی نہیں ہوگی۔ مرنے کے بعد میری روح بھی بے چین رہے گی کہ میرے دور میں مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائی تھیں۔ اگر ہمارے یہ بھائی اب بھی دوست اور دشمن کی پہچان کر لیں تو اس شرمناک غلطی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔"

دوسرے ہی دن خدا نے سلطان ایوبی کی دُعا سن لی۔ اُس نے دو گھوڑ سوار اپنی طرف آتے دیکھے۔ اُن میں سے ایک نے سفید جھنڈا اُٹھا رکھا تھا۔ اُن کے دائیں بائیں سلطان ایوبی کی اپنی فوج کے دو کماندار تھے۔ قریب

اگر گھوڑے رُک گئے۔ ایک کمانڈر نے گھوڑے سے اُتر کر سلام کیا اور کہا۔" حلب کے حاکم الملک الصالح نے صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ دو ایلچی جنگ بندی اور صلح کا پیغام لائے ہیں۔"

ایک ایلچی نے پیغام سلطان ایوبی کے ہاتھ میں دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام پڑھ کر کہا۔" الملک الصالح سے کہنا صلاح الدین ایوبی نے جب جنگ سے پہلے صلح کا پیغام بھیجا تھا تو تم نے فرعونوں کی طرح میرے ایلچی کی بے عزتی کر کے میرا پیغام ٹھکرا دیا تھا۔ آج خدائے عزوجل نے مجھے یہ طاقت بخشی اور تجھے یہ ذلت دی کہ میں تمہاری فوج کو اس طرح پیس سکتا ہوں جس طرح دو پتھروں کے درمیان دانے پیسے جاتے ہیں لیکن میرے دشمن تم نہیں۔ تم اس باپ کے بیٹے ہو جس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا رکھا تھا، اور تم صلیبیوں سے دوستی گانٹھ کر اپنے باپ کی قوم کے خلاف لڑنے آئے تھے.... اُسے کہنا کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دُعا کر کہ اللہ بھی تمہیں معاف کر دے۔"

سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح کی پیش کش منظور کر لی۔ الملک الصالح کو اس شرط پر اپنی فوج حلب لے جانے کی اجازت دے دی کہ جب اس کی فوج حلب آئے تو حلب کی فوج کوئی مزاحمت نہ کرے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ ہوا۔ الملک الصالح اپنی فوج نکال کر لے گیا۔ سیف الدین بھی پسپا ہو کر موصل چلا گیا تھا اور گمشتگین نے اپنے قلعے حرن میں جانے کی بجائے حلب کا رُخ کیا۔ سلطان ایوبی اپنی فوج کو اور آگے لے گیا اور ایک مقام ترکمان کو عارضی کیمپ بنا لیا۔ ایک روز حلب کا ایک قاصد اس کے پاس آیا اور الملک الصالح کا ایک پیغام سلطان ایوبی کو دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام کھول کر پڑھا تو چونک اُٹھا کیونکہ یہ پیغام اُس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین کے نام تھا۔ الملک الصالح نے سیف الدین کو لکھا تھا:

"آپ کا خط مل گیا ہے جس میں آپ نے اِس پر خفگی کا اظہار کیا ہے کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لی ہے۔ بے شک میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن میرے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ میری فوج اُس کی فوج کے گھیرے میں آ گئی تھی۔ میرے سپاہی تھکے ہوئے، اَدھ مرے ہوئے اور زخمی تھے۔ میرے سالاروں نے مجھے مشورہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا جائے اور اپنی فوج کو اُس کے چنگل سے نکالا جائے۔ میں نے بھی بہتر جانا اور صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام دے دیا....

"محترم غازی سیف الدین! آپ مطمئن رہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے صلح کی ہے ورنہ میرے پاس آج ایک بھی سپاہی نہ ہوتا۔ میں اب حلب میں اپنی فوج کی تنظیم نو کر رہا ہوں۔ نئی بھرتی شروع کرا دی ہے۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کی یہ شرط تسلیم کر لی ہے کہ اُس کی فوج حلب میں آئے گی تو ہماری فوج مزاحمت نہیں کرے گی، لیکن وہ جب یہاں آئے گا تو اُس کی فوج کو ایسی مزاحمت ملے گی جو اُس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔ آپ اپنی فوج کو از سرِ نو تیار کر لیں۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا اور اُس کی طاقت کو ختم کرنا ہے۔"

اِس پیغام میں اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ مؤرخوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ الملک الصالح نے سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا تھا اور اس پر بھی کہ الملک الصالح نے سیف الدین کے خط کے جواب میں جو جواب لکھا تھا وہ



غلطی سے سلطان ایوبی کو مل گیا تھا۔ یہ قاصد سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ قاصد کی غلطی تھی۔ دو نے لکھا ہے کہ پیغام پر غلطی سے سلطان ایوبی کا نام لکھ دیا گیا تھا۔ مسلمان مؤرخ جن میں سراج الدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کا انتظامِ جاسوسی ایسا باکمال تھا کہ الملک الصالح کا قاصد اُس کا جاسوس تھا۔ وہ الملک الصالح کا اتنا اہم پیغام سلطان ایوبی کے پاس لے آیا۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس پیغام نے سلطان ایوبی کو اس قدر پریشان کیا کہ کئی گھنٹے اُس نے کسی کے ساتھ بات بھی نہ کی۔ خیمے میں اکیلا پڑا رہا۔ البتہ اُسے یہ خوشی ضرور ہوئی کہ اُسے دشمن کے عزائم کا علم ہو گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ الجزیرہ، دیار بکر اور بغیرے فوراً لوگوں کو بھرتی کیا جائے۔ اُس نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ایک اور خونریز جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ☆ ☆